مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں میں تکنیک کے تجربات

(تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

مقالہ نگار:

سلمیٰ اسلم سدوزئی کشمیری

نگران:

پروفیسر، ڈاکٹر روبینہ شاہین

ادارہ ادبیات اُردو و فارسی زبان

شعبۂ اردو۔ جامعہ پشاور

۲۰۱۴ء

فہرست

سیاحت ایک خدائی حکم ہے۔
سورۂ عنکبوت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ
الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (١)

ترجمہ:
کہہ دو کہ تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ
اس نے مخلوق کو کس طرح پہلی دفعہ پیدا کیا،
پھر خدا ہی پچھلی پیدائش کو پیدا کرے گا۔
بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

قُلْ سِيْـرُوْا فِـى الْاَرْضِ فَـانْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ

(سورۃ روم۔آیت ۱۴)

ترجمہ:

''کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جو لوگ (تم سے) پہلے ہوئے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا ہے''۔

"تمہارا سچ ہی آخری سچ نہیں ہے۔ دنیا میں اور
بھی سچ ہیں۔ انہیں تلاش کرنے کی سیاحت پر نکلو"

Dr. Robina Shaheen
Professor

Department of Urdu
University of Peshawar
Ph: 091-9218096
E-mail: rubina_uni@hotmail.com

ڈاکٹر روبینہ شاہین
پروفیسر
شعبۂ اُردو یونیورسٹی پشاور
فون: 091-9218096

Ref: ____________

HEC Approved Supervisor

Date: 5-5-2014

"تصدیق نامہ"

تصدیق کی جاتی ہے کہ ساجی اسلم سکالر پی۔ایچ ڈی شعبۂ اردو پشاور یونیورسٹی نے میری نگرانی میں اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان "مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں میں تکنیک کے تجربات" پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ سکالر نے تمام موجود وسائل کو عمدگی سے کام میں لایا ہے۔ یہ تحقیقی کام پی۔ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر روبینہ شاہین

Robina Shaheen

PROFESSOR
Institute of Urdu Persian Language
and Literature
Peshawar University

پیش لفظ

میرے پی ایچ ڈی کے مقالے کا موضوع ''مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں میں تکنیک کے تجربات'' ہے۔مذکورہ مقالہ میں نے جس شخصیت کی رہنمائی میں لکھا وہ ایک اچھی انسان ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھی استاد ہیں۔جنہوں نے ابتداء سے لے کر مقالے کی تکمیل تک میری رہنمائی کی۔

تاریخ،تہذیب،ثقافت اور جگہ جگہ کی معلومات حاصل کرنا میرا مشغلہ ہے۔اس لئے مذکورہ موضوع سے میری ذاتی دلچسپی و وابستگی بھی ہے۔

سفر زندگی کا ایک اہم حصہ ہے جو ادب کا موضوع رہا ہے۔ادب اپنے اعلیٰ وارفع مقاصد میں جہاں فرد کی خواہش، تسکین،توقعات،نظریات و کارکردگی کو اپنے دائرۂ عمل میں لاتا ہے وہاں وہ سماجی،معاشی،تاریخی،سیاسی اور تہذیبی و ثقافتی تغیرات کو بھی سفرنامے کے ذریعے پیش کرتا ہے۔انسانی زندگی میں کسی بھی زمانے میں سفر کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ایک تخلیقی ذہن جب گھر سے باہر قدم رکھتا ہے تو اس کے لئے چند ممکنات ہوتے ہیں جو اسے تخلیق پر اُکساتے ہیں۔بیشتر ادیبوں کے مشاہداتی اظہار کی اضافی صنف سفرنامے کی صورت میں سامنے آئی۔

دورِ جدید کے ادیبوں میں مستنصر حسین تارڑ ادب کی وہ قد آور شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے منفرد اسلوب تحریر کے ذریعے اُردو سفرنامے کو جدید دور میں شامل کیا۔انہوں نے سفرنامے کے میدان کی آبیاری کرتے ہوئے ایسے سفرنامے تحریر کئے جنہیں پڑھ کر قارئین کے ذہن الفاظ کی چاشنی اور بازیافت سے ہمیشہ لطف اٹھاتے رہیں گے۔مستنصر حسین تارڑ نے سفرنامے کو زندگی اور انسانی نفسیات سے جوڑ کر پیش کیا ہے۔وہ سفرنامے میں فن کے تجربات کو ہم آہنگ کر کے قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ نے کائنات کے رنگوں،خوشبوؤں اور قہقہوں کو سلیقے کے ساتھ مربوط بیانیہ میں پیش تو کیا ہے لیکن ان کے سفرناموں میں نثری اصناف کی جو جھلک نظر آتی ہے جیسے افسانے جیسا وحدتِ تاثر،ناول جیسی کہانی اور رپورتاژ کا سا رنگ،خاکہ نگاری اور مصور جیسی منظر کشی جو مستنصر کے سفرناموں کی پہچان ہے اور یوں ان کے سفرناموں میں تکنیک کے تجربات کا رجحان بڑا نمایاں ہے نیز اس موضوع پر تحقیق و تنقید کرنے کی بڑی گنجائش موجود ہے جس کی وجہ سے اس تحقیقی موضوع پر کام کرنے کی تائید میری نگران محترمہ ڈاکٹر روبینہ شاہین نے کی۔ان کے ٹھوس دلائل اور کوششوں سے ''مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں میں تکنیک کے تجربات'' (تحقیقی و تنقیدی جائزہ) کا عنوان گریجویٹ سٹڈی بورڈ سے منظوری لینے کے بعد ASRB کی مجلس میں بھی منظور کر لیا گیا۔

اس موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے مجھے اصنافِ ادب کی گہری معنویت اور مقصدیت سے بھی آگاہی حاصل ہوئی ہے۔ جو بات میرے لئے باعث مسرت و خوشی ہے وہ یہ ہے کہ اس تحقیق سے نہ صرف مجھے مستنصر حسین تارڑ کی فنی اور ذہنی

صلاحیتوں کو سمجھنے میں مدد ملی ہے بلکہ ان کے ہم عصر ادباءقدیم اور جدید سفر نامہ نگاروں کی فنی و ذہنی لیاقتوں کو سمجھنے اور سمجھانے کے ساتھ ساتھ مختلف معاشروں، خطوں اور علاقوں کی تہذیب وثقافت اور تاریخ کو پڑھنے کا موقع ملا۔ یہ تمام پہلو تحقیق کیلئے مثبت ثابت ہوتے ہیں اوران باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے راقمہ نے مذکورہ بالاموضوع کا انتخاب کیا ہے۔

اس تحقیقی کام کی ترتیب یوں ہے۔ یہ مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔

باب اول میں اُردو سفرنامے کی روایت اور تکنیک کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اردو زبان وادب کے ارتقاء میں سفرناموں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ کوئی بھی تحریر جب فن کے مطالبے پورے کر کے ادیب کے قلم سے نکلتی ہے تو اپنی منفرد پہچان رکھتی ہے۔ سفرنامہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بنی نوع انسان روزِ اول ہی سے سفر کی صلاحیت رکھتا ہے۔ سفرنامہ نگار خارجی اور داخلی دنیا کا مسافر ہوتا ہے وہ اپنے مشاہدات، واقعات، سانحات، واردات، تجربات اور خیالات میں اپنی سوچ اور اپنے جذبات اور محسوسات کو شامل کر کے سفرنامے کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ اس باب میں اُردو ادب میں سفرنامے کا تعارف، سفرنامے کی روایت وارتقاء، سفرنامے کے قدیم خدوخال اور تکنیک نیز سفرنامے کی تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی حیثیت کے ساتھ ساتھ سفرنامے کی اقسام کو مستند کتب کے مطالعے اور انٹرنیٹ کی مدد سے واضح کیا ہے۔

باب دوم میں اردو سفرنامے کی جدید تکنیک کے ارتقائی جائزے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اُردو سفرنامہ بتدریج وقت کے تقاضوں اور زبان وبیان کے نت نئے اسالیب سے ہم آہنگ ہوتا ہوا بہترین صنفِ ادب بن چکا ہے۔ ذرائع آمدورفت کی سہولیات جوں جوں بڑھتی گئیں، دنیا کی حدیں سمٹتی اور سفر کی مشکلات کم ہوتی گئیں۔ چنانچہ سیر وسفر اور مشاہدے کا رجحان فروغ پاتا گیا اور اسی تناسب سے سفر کرنے اور سفر سے واپسی پر سفرنامہ لکھنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ اس طرح سفرنامے کی تکنیک میں بھی جدید رجحانات ترقی پانے لگے اور اردو کے جدید سفرنامہ نگاروں نے فن کی نئی جہتیں قائم کیں۔ اس سلسلے میں مجھے شعبۂ اردو جامعہ پشاور کی لائبریری، سنٹرل لائبریری جامعہ پشاور، آرکائیوز لائبریری پشاور اور ذاتی لائبریریوں خصوصاً پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین اور جناب مستنصر حسین تارڑ کی لائبریریوں سے استفادہ کا موقع ملا۔

اس باب میں اردو کے جدید سفرناموں، ان کے فن اور جدید سفرنامہ نگاروں کا جائزہ شامل ہے اس کے علاوہ مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں کا زمانی ترتیب سے تعارف کرایا ہے۔

باب سوم میں مستنصر حسین تارڑ کے بیرون ممالک پر لکھے گئے سفرناموں نکلے تیری تلاش میں، پیار کا پہلا شہر، اُندلس میں اجنبی، خانہ بدوش، نیپال نگری، پُتلی پیکنگ کی، سُنہری الو کا شہر، منہ وَل کعبے شریف، غارِ حرا میں ایک رات، ماسکو کی سفید راتیں، نیویارک کے سورنگ، الاسکا ہائی وے اور ہیلو ہالینڈ کا تکنیکی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ نے قلم اٹھایا اور ''نکلے تیری تلاش میں'' جیسا سفرنامہ لکھ کر سفرنامہ نگاروں کی صف میں کھڑے ہوئے تو خوب سے خوب تر کی تلاش میں نکل پڑے۔ ''اُندلس میں اجنبی'' جیسا سفرنامہ لکھا جو تاریخ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ مستنصر کے فن کا یہ کمال ہے کہ وہ سفرنامہ لکھتے وقت دل و جان کی آنکھیں بھی وا رکھتے ہیں وہ اپنے سفرناموں میں تکنیک کے

تجربات کرتے ہیں اور قارئین کیلئے معلومات افزاء مواد فراہم کرتے ہیں۔اس باب میں راقمہ نے مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں کا تجزیہ بڑی دلجمعی سے پیش کیا ہے اور تارڑ کے رومانوی انداز کا جائزہ بھی لیا ہے جوانہیں منفرد مقام عطا کرتا ہے۔

باب چہارم میں مستنصر حسین تارڑ کے اندرون ملک شمالی علاقہ جات پر لکھے گئے سفرناموں ہنزہ داستان،سفر شمال کے، نانگا پربت، کے ٹو کہانی، چترال داستان، یاک سرائے، شمشال بے مثال، سنولیک، دیوسائی، برفیلی بلندیاں اور رتی گلی کو زیرِ مطالعہ لاکران کا تکنیکی تجزیہ پیش کیا ہے۔اس دور کے ادبی منظرنامہ پر نگاہ دوڑائی جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ مستنصر حسین تارڑ نے سفر کو قاری کے دل میں اتارنے کا جو اسلوب تراشا اس نے سفرنامے کو ایک نئی کروٹ دی۔ مستنصر نے اپنے سفرناموں میں نئی لذت، نیا ذائقہ اور نیا زاویہ پیش کیا ہے۔انہوں نے ثابت کیا ہے کہ مناظر میں پوشیدہ فطرت ہمیشہ زندہ رہتی ہے وہ اپنا سحر ہمیشہ قائم رکھتی ہے۔اس باب میں سفرنامے کی ادبی تاریخ میں تخلیقی فن کی دنیا میں مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں کی تفہیم وتحسین کیلئے سفرناموں کا تکنیکی تجزیہ پیش کیا ہے۔اس باب کیلئے میں نے نہایت لگن، محنت اور خصوصی توجہ سے اصل مواد کے ساتھ ساتھ تنقیدی مواد کا بھی مطالعہ کیا ہے۔موضوع سے متعلق ذاتی دلچسپی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میں نے تحقیق کے اصولوں کو مدنظر رکھا اور صداقت کی روش کو اختیار کرتے ہوئے پوری دلجمعی سے تحقیق کر کے اس مغالطے کو رفع کیا ہے کہ شمالی علاقہ جات پر لکھے گئے مستنصر حسین تارڑ کے بارہ سفرنامے ہیں جن کے حوالے سے ناقدین کے علاوہ خود مصنف نے بھی تحریر کیا ہے کہ انہوں نے شمالی علاقہ جات پر ۱۲ سفرنامے لکھے ہیں لیکن میں نے اس باب میں اپنی تحقیق کے ذریعے اس حقیقت کو آشکارا کرنے کی جسارت کی ہے کہ اندرونِ ملک شمالی علاقہ جات پر لکھے گئے مستنصر حسین تارڑ کے گیارہ سفرنامے ہیں۔اس لئے یہ باب اہمیت کا حامل ہے۔البتہ اُن کا ایک ڈرامہ جو ''کالاش'' (وادئ کافرستان کا ڈرامائی سفرنامہ) کے عنوان سے شائع ہوا۔اس ڈرامے کو بھی میں نے زیرِ بحث لایا ہے کیونکہ اس کے عنوان کے ساتھ مصنف نے ڈرامائی سفرنامہ لکھا ہے لیکن یہ سفرنامہ نہیں ہے بلکہ تارڑ کے سفر پر مبنی ڈرامہ ہے جو ڈرامائی تکنیک پر لکھا گیا ہے۔البتہ اس میں سفرنامے کے لوازمات بھی دکھائی دیتے ہیں جن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب پنجم میں مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں میں تکنیک کے تجربات کو نمایاں کر کے زیرِ بحث لایا گیا ہے۔سفرناموں میں مختلف اصنافِ نثر کی تکنیک کے برتاؤ کی مثالیں پیش کرنے کے ساتھ راقمہ نے جدید دور کے سفرنامہ نگاروں اور مستنصر حسین تارڑ کی کاوشوں کا ذکر کیا ہے۔اس باب میں مستنصر حسین تارڑ کے فن اور فنکاروں کی ادبی تخلیقات کا تقابل بھی کیا گیا ہے اور اس موازنے کو مدنظر رکھتے ہوئے راقمہ نے تارڑ کے سفرناموں کی تکنیکی انفرادیت اور ہم عصر اُدباء میں ان کا مقام ومرتبہ متعین کیا ہے۔

باب ششم میں مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے جس میں مقالے میں کی گئی ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔اس باب میں ان کے سفرناموں میں دیگر اصناف کی تکنیک کی شمولیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

مقالے کے آخیر میں کتابیات، رسالہ جات، لغات اور ضمیمے بھی شامل ہیں۔

اس مقالے کی کمپوزنگ کے سلسلے میں مدثر زیب (پرنٹ مین) نے بھرپور محنت اور لگن سے کام کیا۔ انہوں نے اپنا فریضہ احسن طریقے سے نبھاتے ہوئے مقالے کو تکمیل تک پہنچایا۔ میں ان کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور پروف ریڈنگ کے حوالے سے میرے انکل امتیاز احمد سدوزئی اور صائمہ اسلم سدوزئی کیلئے دعا گو اور بے حد ممنون ہوں۔

اس مقالے کی تکمیل میں اپنی نگران محترمہ پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین کی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے مقالے کی نوک پلک سنوارنے میں مدد کی وہ قابل ستائش اور اپنی مثال آپ ہے۔ محترمہ نے بڑی فراخدلی سے اپنے قیمتی ذخیرۂ کتب سے ہمیشہ مجھے جس خندہ پیشانی سے نوازا اور مقالے کو بہتر بنانے کیلئے ان کی جو رہنمائی اور شفقت مجھے میسر رہی اس بے لوث محبت و خلوص کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا اور اُن کیلئے دعاؤں اور نیک تمناؤں کی آرزو کرنا میں فرضِ عین سمجھتی ہوں۔

میں اپنے اساتذہ کرام محترم ڈاکٹر فقیرا خان فقری صاحب، محترم ڈاکٹر سلمان علی صاحب، محترم جناب سہیل احمد صاحب کی بھی مشکور ہوں جن کے تعاون سے میرا مقالہ تکمیل تک پہنچا۔

اپنے فیلوز محمد اسرار، ولی محمد، مس سعدیہ خلیل، مسز فرحانہ قاضی اور خصوصاً مسز گلناز ارشد کی سپاس گزار ہوں جنہوں نے مواد کی فراہمی میں ہر ممکن میری مدد کی اور اس کے ساتھ عمران قریشی بھی خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے مواد فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس مقالے کی تکمیل کے سلسلے میں مجھے کئی بار لاہور، راولپنڈی اور اسلام آباد جانا پڑا اور یہ سفر ہر بار میرے لئے وسیلہ ظفر ثابت ہوئے۔ میں تمام علمی و ادبی حضرات کی ممنون ہوں جنہوں نے فن سفر نامہ نگاری اور مستنصر حسین تارڑ کے حوالے سے نادر اور نایاب مشوروں اور تحریروں سے مجھے نوازا۔ بالخصوص میں جناب مستنصر حسین تارڑ، اُن کے اہل خانہ، بیگم مستنصر حسین تارڑ، سمیر تارڑ، طیبہ تارڑ اور جناب مبشر حسین تارڑ کی بے حد ممنون ہوں انہوں نے مواد کی فراہمی اور بے شمار قیمتی آراء سے نوازتے ہوئے مقالے کی ابتداء سے تکمیل تک میری رہنمائی کی۔

میں ان تمام حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے مستنصر حسین تارڑ اور ان کے سفرناموں کے حوالے سے میری رہنمائی کی اور مجھے قیمتی آراء سے نوازا۔ میں اپنی دوستوں غنچہ، عنبر، عاصمہ، شہلا، شہلا حیدر، ماریہ شاہین، فرخندہ اور خصوصاً ثمرین فیاض، رومانہ، صفیہ ناز، صدف فیاض، ماریہ انور، فرزانہ، شہزادی سیما اور پرنسز آف پنجاب ماریہ اکرم (مومو) کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے ہر حوالے سے میرے مقالے کی تکمیل کو ممکن بنایا اور ماریہ اکرم، صفیہ ناز، شہلا جاوید اور شہزادی سیما کی سرخروئی کیلئے دعا گو ہوں جنہوں نے میرے ذاتی کاموں کو بخوبی سرانجام دیتے ہوئے مجھے ذہنی اور جسمانی سکون اور آرام مہیا کرنے کی کوشش کی۔

آخر میں اپنے والدین خصوصاً پھوپھو، حاجی ابو، امی، ابو، عرفان انکل، ذوالفقار انکل، امتیاز انکل اور ایڈووکیٹ ذوالقرنین اسلم سدوزئی، ساجد اسلم سدوزئی اور خالہ، آنٹی، صائمہ و سعدی کی بے حد ممنون و مشکور ہوں جن کی محبت و تعاون نے مقالے کو لکھنے کیلئے میرے لئے ماحول سازگار بنایا۔

اس مقالے کی تیاری میں اہل خانہ کے خصوصی تعاون ان کی تعلیم وتربیت پر بھرپور توجہ اور سہولیات کی فراہمی پر والدین کے ساتھ اپنی نگران ڈاکٹر روبینہ شاہین کی تہہ دل سے ممنون ہوں جن کی محبت، معاونت، دعاؤں اور مفید مشوروں نے مجھے کامیابی عطا کی۔ رب العزت سے دعا ہے کہ انہیں عافیت اور صحت کے ساتھ سلامت رکھے۔ رب کے حضور دست بہ دعا ہوں کہ خدا انہیں دنیا و آخرت میں آسانیاں و کامرانیاں عطا کرے اور ہمیشہ خوش وخرم رکھے۔ (آمین)

اس مقالے کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے میں نے مقدور بھر کوشش کرتے ہوئے اس کو اپنی استطاعت کے مطابق مکمل کیا ہے۔ اس کی تکمیل پر میں رب کائنات کے حضور سر بسجود ہوں۔

سلمیٰ اسلم سدوزئی کشمیری

ادارہ ادبیات اردو و فارسی زبان

جامعہ پشاور

اپریل ۲۰۱۴ء

بابِ اوّل

اُردو سفرنامے کی روایت و تکنیک کا تنوع

- ★ اردو ادب میں سفرنامے کا تعارف
- ★ سفرنامے کی روایت و ارتقاء
- ★ سفرنامے کی قدیم تکنیک
- ★ سفرنامے کی تہذیبی، تاریخی و ثقافتی حیثیت
- ★ سفرنامے کی اقسام

اُردو ادب میں سفرنامے کا تعارف

سیر و سیاحت انسان کا فطری ذوق ہے۔ کائنات کی ہر شے سفر میں ہے اور یہ سفر ازل سے ابد تک جاری رہے گا۔ ہر انسان خالقِ کائنات کی صناعی کے نمونے دیکھنے کیلئے شہروں، دیہاتوں، جنگلوں، پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں، صحراؤں اور آبشاروں میں سرگرداں ہے۔ کائنات کے مخفی رازوں کا انکشاف سفر کی ہی بدولت ہے۔ انسانی ترقی کا رازِ حیاتِ سفر میں ہی مضمر ہے۔ سفر کے ذریعے انسان اپنے جذبۂ تجسس و تحیر کو تسکین پہنچاتا ہے۔

تخلیقی ادب انسان کی طرح ایک بامعنی ہستی ہے جو نفسِ انسانی کی ترجمانی اس انداز سے کرتا ہے کہ اس کے کمالاتِ معنوی یا فضائلِ باطنی کا پورا پورا نقش کسی تحریر یا موضوع اظہار میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ سفرنامہ لفریب ادبی تخلیق ہے جو غیر افسانوی ادب میں شامل ہے۔ انسان مسافر ہے اور مسافر کیلئے دنیا عجائب خانہ ہے جسے دیکھنے کیلئے وہ ہر وقت بے چین رہتا ہے اور انسان کی داستانِ سفر، سفرنامہ ہے چنانچہ نفیسہ حق سفرنامے کی تعریف پر یوں روشنی ڈالتی ہیں:

> ''سفر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مسافت طے کرنا، سیاحت کیلئے نکلنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا، ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہونا کے ہیں۔ اردو زبان میں یہ لفظ عربی سے مستعار ہے اور انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
> ''نامہ'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں خط، فرمان یا مجموعی طور پر تحریر شدہ عبارت۔ اس لئے اردو کے علماء نے ''سفر'' عربی سے اور ''نامہ'' فارسی سے لے کر سفرنامہ کی اصطلاح وضع کی ہے۔ اردو میں سفرنامہ رودادِ سفر یا سفری تجربات، مشاہدات کو رقم کرنے کے ہیں''۔[1]

سفرنامہ ایک بیانیہ صنفِ سخن ہے جس میں سیاح چشم دید واقعات اور مشاہدات کو قاری کے سامنے تحریری طور پر پیش کرتا ہے۔ سفرنامے کا مقصد ہی اپنے تجربات و مشاہدات کو دوسروں تک پہنچانا ہے۔ سفرنامے میں خارجی حقائق و مشاہدات کی نسبت تجربات اور داخلی تاثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید سفرنامے کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''سفرنامے کا شمار اُردو کی بیانیہ اصناف میں ہوتا ہے۔ سفرنامہ چونکہ چشمِ دید واقعات پر لکھا جاتا ہے اس لئے سفر اس کی اساسی شرط ہے۔ بادی النظر میں سفر کے ساتھ انجانے دیسوں کی سیر، نئی فضاؤں سے واقفیت اور انوکھے مناظر کے مشاہدے کا تصور

وابستہ ہے۔اس لئے سفر میں تخیل کا عنصر فطری طور پر شامل نظر آتا ہےاور یہ تحیر انسان
کو سفر پر اُکساتا رہتا ہے۔سفر کی نوعیت خواہ کیسی ہو سیاح یا مسافر اس بات کے
آرزومند ہوتے ہیں کہ وہ تجربات،سفر سے زیادہ آگہی حاصل کر کے اپنی معلومات
میں اضافہ کریں"۔ ۲

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سفرنامہ زندگی کی معلومات فراہم کرنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔سفرنامے میں معلومات،تاثرات،مشاہدات اور کیفیات کا ایک ایسا گلدستہ پایا جاتا ہے جس میں لگے ہر پھول کی اپنی اپنی خوشبو ہوتی ہے۔Merriam Websiter میں سفرنامے کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

1) "A talk or lecture on travel usually accompanied by a film or slides.

2) A narrated motion picture about travel.

3) A piece of writting about travel." (3)

سفرنامے کا لفظی مفہوم بھی یہی ہے کہ سیاح سفر سے قبل،دوران یا مابعد کے حالات اور واقعات کو الفاظ کا جامہ پہنائے اس میں کسی سفر کے آمدورفت کے حالات و واقعات ضبطِ قلم میں لائے جاتے ہیں۔سفرنامہ محض سیاح کے تاثرات، تجربات،مشاہدات اور احساسات کا مجموعہ ہی نہیں ہوتا بلکہ زندگی کی کچھ نئی راہوں کے ادراک کا بھی ذریعہ ہے، تنقیدی اصطلاحات میں ابوالاعجاز حفیظ صدیقی نے سفرنامے کی وضاحت کچھ اس طرح کی گئی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"اجنبی شہروں اور غیر ممالک کے جغرافیائی اور سماجی حالات سے انسان نے ہمیشہ
گہری دلچسپی لی ہے۔ایک سیاح جب اپنے جغرافیائی اور سماجی گردوپیش سے نکل کر
کسی دوسرے مقام پر پہنچتا ہے تو اسے وہ تمام چیزیں جو اس کے اپنے مولد اور منشاء
کے مانوس ماحول سے مختلف ہوتی ہیں۔اختلافِ ماحول اور اختلافِ معاشرت کے
باعث دلچسپ اور استعجاب انگیز نظر آتی ہیں اور وہ باتیں جو مشترک ہوتی ہیں وہ اپنے
اشتراک کے باعث دلچسپ معلوم ہوتی ہیں۔وہ انہیں دوسروں بالخصوص اپنے
ہم وطنوں کیلئے قلم بند کر لیتا ہے۔ایسی تحریر کو ادبی اصطلاح میں سفرنامہ کہتے ہیں۔
اچھا سفرنامہ وہ ہے جس میں مشاہدے کی گہرائی،ثقافتی مطالعے کا سلیقہ،اختلافات
کے باوجود بنی نوع انسان کی وحدت کا شعور اور اجنبی دیار و امصار کی زندگی کا ایسا

صحیح تعارف شامل ہو جو مبنی بر صداقت ہونے کے علاوہ قارئین کیلئے دلچسپ، خیال انگیز اور بصیرت افروز ہو"۔ [۴]

سفر نامے جو سیاح کے بصری مشاہدات اور پیش آمدہ تجربات کے علاوہ ادبی، علمی، تاریخی، مذہبی، جغرافیائی اور سوانحی حالات وواقعات سے مزین ہوتے ہیں۔ دیگر اصناف نثر کی طرح اردو ادب میں سفر نامے بھی غیر زبان ادب کا مرہونِ منت ہیں۔ جوں جوں ذرائع آمدورفت کو وسعت ملتی گئی سفر نامے کی ادبی روایت بھی مستحکم ہوتی گئی اور سفر نامے کی بے شمار تعریفات سامنے آئیں۔ جیسے Wikipedia میں سفر نامے کی تعریف کچھ اس طرح سے ہے:

"Travel Literature is travel writing aspiring to Literary value. Travel Literature typically records the experiences of an author through a place for the pleasure of travel. An individual work is some time called a travelogue or itinerary."(5)

اردو ادب میں سفر نامہ بیسویں صدی کی دین ہے۔ اردو ادب میں جب سفر نامے کا آغاز ہوا تو سفر نامہ نگاروں نے معلومات کی فراہمی کی طرف خصوصی توجہ دی۔ ابتدائی دور کے سفر ناموں میں معلومات کی فراہمی مختلف نوعیت کی ہوتی تھی۔ سب سے زیادہ توجہ جغرافیائی معلومات اور تاریخ کی طرف دی جاتی۔ سیاح جن علاقوں میں جاتا ان کے محل وقوع پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس علاقے کے طبعی خدوخال، وہاں کے موسموں کا حال، آب و ہوا کی تفصیلات اور نباتات وحیوانات کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کرتا۔ جس دور میں اردو ادب میں سفر نامہ روشناس کرایا گیا تھا اس دور میں سفر کے ذرائع محدود تھے اور سیاح کو پیدل یا سست رفتار نقل وحمل پر انحصار کرنا پڑتا۔ اس طرح دورانِ سفر سیاح کا گزر مختلف میدانوں، پہاڑوں اور ندی نالوں کے ساتھ ہوتا ایسی جگہوں کے سفر کا حال رقم کر کے سفر نامہ نگاروں نے اردو کے ابتدائی سفر ناموں میں جغرافیائی معلومات اور مناظرِ فطرت کا بیان زیادہ کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ سفر ناموں میں سفر کو جس طرح بھی بیان کیا جائے سفر نامے ہمیشہ معلومات کا ذریعہ اور فرحت کا باعث ہوتے ہیں۔ سفر نامے کے بارے میں بے شمار ادباء کی آراء ہیں جن میں وہ سفر نامے کی وضاحت کرتے ہیں۔ چند ادباء کی آراء جو سفر نامے کے حوالے سے پیش کی گئی ہیں درج ذیل ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

ایک کامیاب سفر نامہ وہ ہوتا ہے جو صرف ساکت و جامد فطرت کا عکاس نہ ہو بلکہ لمحۂ رواں میں آنکھ، کان، زبان اور احساس سے ٹکرانے والی ہر شئے نظر میں سما جانے والی ہو۔ تماشہ،

نغمہ و نکہت کا ہر صورت و رنگ لفظوں کی امیجری میں جمع ہو کر بیان کو مرقع بہاراں بنا دے اور قاری ان تماشوں کے اندر جذب ہو کر خود کو اس مرکب آئینہ گری کا حصہ بنا لے"۔ ۶

ڈاکٹر خالد محمود سفرنامے کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"سفرنامہ نگار دورانِ سفر یا سفر سے واپسی پر اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات اور تاثرات و احساسات کو ترتیب دے کر جو تحریر رقم کرتا ہے وہ سفرنامہ ہے"۔ ۷

مرزا ادیب یوں رائے دیتے ہیں:

"سفرنامہ نگار جو کچھ دیکھتا ہے، جو کچھ پاتا ہے، جس مقام سے گزرتا ہے اس کی ساری خوشبوئیں، اس کے سارے باطنی رنگ اور اس کی وہ ساری کیفیات جو سدا پردۂ راز میں چھپی ہوئی ہیں ان سب کو سمیٹ لیتا ہے۔ وسائل و ذرائع پر تکیہ کر کے یہ چیز ممکن نہیں ہے۔ سفرنامہ نگاری لازماً ایک تخلیقی تجربہ ہے اس کا اطلاق انہی معنوں پر ہوتا ہے جو تخلیقی تجربے سے وابستہ کئے جاتے ہیں"۔ ۸

تحسین فراقی یوں رقمطراز ہیں:

"جہاں تک سیر و سیاحت کے محرکات کا تعلق ہے تو عہدِ قدیم سے لے کر اب تک تجارت، حصولِ علم، تبلیغِ دین، سیاسی مقاصد، تلاشِ معاش اور زیارت مقاماتِ مقدسہ وہ چند مقاصد ہیں جنھوں نے نسلِ انسانی کے پاؤں میں چکر ڈال رکھا ہے اور یوں ان متنوع مقاصد کے حامل اسفار نے مختلف سفرناموں کو جنم دیا ہے جو دیس دیس کی تاریخ، تہذیب، تمدن، تصورِ کائنات، عادات، رسوم، رواج، رجحانات، معتقدات، میلانات اور علوم کا ایک وسیع خزانہ سمیٹے بیٹھے ہیں اور جو بعض صورتوں میں تاریخ، تہذیب و تمدن کا سب سے اہم اور بنیادی مآخذ سمجھے جاتے ہیں"۔ ۹

ڈاکٹر قدسیہ قریشی سفرنامے کے بارے میں لکھتی ہیں:

"سفرنامے کے معنی داستانِ سفر، رُودادِ سفر یا سفر کے قصے کے ہیں جسے تحریری طور پر پیش کیا گیا ہو۔ انگریزی میں اسے سفر کو بیان کرنے والی متحرک تصاویر یا مصور تقریر بتایا گیا ہے"۔ ۱۰

ان مختلف آراء کی روشنی میں سفر نامے کی تعریف واضح ہو جاتی ہے۔سفر نامہ اُردو ادب کی ایک زندہ اور متحرک صنف ہے جس پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ سفر نامہ صرف سفر نامہ نگار کے سفری تاثرات،احساسات،جذبات اور تجربات و حالات کی ترجمانی ہی نہیں کرتا بلکہ یہ زندگی کو نئی راہوں سے بھی متعارف کراتا ہے۔سفر نامے میں اعلیٰ انسانی اقدار و روایات کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ایک ادبی و افادی سفر نامہ قاری کی ذہنی و باطنی پختگی کے ساتھ ساتھ اُس کی شخصیت کے ظاہری خدو خال کو بھی اُجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

سفر نامے کی روایت و ارتقاء:

اُردو ادب میں سفر نامے کا با قاعدہ آغاز انیسویں صدی میں ہوا اور اردو سفر نامے کی تاریخ میں یوسف خان کمبل پوش کو اردو کا پہلا سفر نامہ نگار قرار دیا گیا۔یوسف خان کمبل پوش نے ۱۸۳۷ء میں انگلستان کا سفر اختیار کیا تھا اور اس سفر کی روداد ''عجائبات فرہنگ'' میں بیان کر کے سفر نامے کی صنف کا با قاعدہ آغاز کیا۔پروفیسر جمیل احمد انجم سفر نامے کی تاریخ و ارتقاء کے حوالے سے بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''عجائبات فرہنگ'' اُردو کا پہلا سفر نامہ اس اعتبار سے قرار دیا جا سکتا ہے کہ یہ پہلی تصنیف ہے جس پر سفر نامہ کی شرائط کا اطلاق ہو سکتا ہے۔یہ سفر نامہ ڈائری کی طرز کا ہے کیونکہ مصنف نے سفر کے تمام واقعات تاریخ وار تحریر کئے ہیں۔یوسف خان کمبل پوش نے اپنے مذہب، اپنے مشاغل، مے نوشی، دوران سفر کے مصائب،انگریزوں سے حسنِ سلوک اور اُن کے تہذیب و تمدن پر بھی کھل کر اظہار خیال کیا ہے''۔ [۱۱]

یوسف خان کمبل پوش نے یہ سفر نامہ کسی مقصد کے تحت نہیں لکھا تھا بلکہ انہیں عجائباتِ عالم دیکھنے کا بے حد شوق تھا۔اپنے شوق کو پورا کرنے کیلئے انہوں نے سفر اختیار کیا اور مشہور مقامات کی سیر و سیاحت کر کے سفر نامہ تحریر کیا۔سفر نامے کی ابتداء و روایت کے حوالے سے پروفیسر منور رؤف یوں رقمطراز ہیں:

> ''بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ یوسف خان کمبل پوش کا سفر نامہ بھی غیر شعوری طور پر ہی اردو کا اولین سفر نامہ بن گیا وہ خود سفر نامے کے بنیادی تقاضوں سے نا آشنا تھے بس ان کے مزاج کی آزادروی نے دورانِ سفر انہیں ایک بے فکر اور آزاد سیاح بنائے رکھا جس نے نہ صرف انگلستان اور فرانس کی مادی زندگی کی چکا چوند اور تماشے دیکھے بلکہ ہندوستان کی زبوں حالی پر بھی گہری نظر ڈالی اور ان سب یادداشتوں کو نہایت دلچسپ اور شگفتہ انداز میں سپردِ قلم کر دیا''۔ [۱۲]

یوں دیکھا جائے تو یوسف خان کمبل پوش سے سفر نامے کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی طرح قدیم سفر ناموں میں نواب کریم خان کا ''سیاحت نامہ'' سفر نامہ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے جو انہوں نے ۱۸۳۹ء میں لندن کے سفر کے حوالے سے تحریر کیا۔ یوسف خان کمبل پوش نے سفر نامے کی روایت کا سلسلہ اپنے مشاہدات کو سفر نامے میں اچھے انداز میں سمیٹ کر کیا ہے۔ ''عجائباتِ فرہنگ'' میں تخلیق کی دلکشی اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ موجود ہے۔ ''عجائبات فرہنگ'' کی صرف یہی خصوصیت نہیں کہ وہ اردو کا پہلا سفر نامہ ہے بلکہ اس میں زبان و بیان کے حوالے سے سفر نامے کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں ''عجائباتِ فرہنگ'' کے مقدمے میں تحسین فراقی لکھتے ہیں:

> ''کمبل پوش کی تاریخ یوسفی یا عجائباتِ فرہنگ اُردو کا پہلا سفر نامہ ہی نہیں سفر نامے کا اہم ترین سنگ میل بھی ہے اور اس پر جدید سفر نامے کی اصطلاح کا اطلاق بھی بہت حد تک ہوتا ہے۔ جہاں تک سفرِ یورپ کا تعلق ہے اردو میں اب تک اس باب میں ۳۵،۳۰ سفر نامے لکھے جا چکے ہیں جن کا سلسلہ کمبل پوش سے عطاء الحق قاسمی تک پھیلا ہوا ہے لیکن عجائبات فرہنگ ان میں اوّلیت کے اعتبار سے ہی نہیں بلکہ اسلوب اور لوازمے کے اعتبار سے بھی ایک بے مثال سفر نامہ ہے''۔ [۱۳]

یوسف خان کمبل پوش کا سفر نامہ ''عجائباتِ فرہنگ'' ان کے ہم عصر نواب کریم خان کا ''سیاحت نامہ'' (۱۸۳۹)ء اور سید فدا حسین کا سفر نامہ ''تاریخِ افغانستان'' ۱۸۵۲ء کا شمار اردو کے ابتدائی سفر ناموں میں ہوتا ہے۔ ان سفر ناموں کے بعد اِکا دُکا مذہبی یا اندرونِ ملک پر سفر نامے لکھے گئے جن کی خاص ادبی حیثیت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کا تاریخی المیہ وقوع پذیر ہوا تو سرسید کی اصلاحی تحریک کا بھی آغاز ہوا۔ سنجیدہ مزاج لوگوں نے پہلی بار ادب میں مقصدیت کا نعرہ بلند کیا تب سرسید، آزاد اور شبلی جیسے ادیبوں نے یورپ، وسط ایشیاء اور بلادِ اسلامیہ کے سفر اختیار کئے تو ایک بار پھر سفر نامے لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا اور سفر نامے کو با قاعدہ صنف کے طور پر اپنایا گیا۔

سفر نامے کی قدیم تکنیک اور فنی مباحث:

عہدِ قدیم کے سفر ناموں کے حوالے سے بات کی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ پرانے وقتوں میں سفری سہولیات ناپید تھیں۔ پرانے زمانے کا سیاح چاردیواری میں مقید ہوتا تھا۔ وہ اپنے ماحول کا باشندہ تھا اور اُس کی سوچ کا دائرہ کار بھی محدود تھا اس لئے قدیم سفر ناموں میں مخصوص ذہنی، فکری، مجلسی، تہذیبی، روایتی اور سماجی تفاوت نظر آتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قدیم سفر نامہ لکھنا قدرے آسان ہوتا تھا کیونکہ لوگ اجنبی دیس کی ہر بات سننے اور بیان کرنے کے خواہشمند ہوتے تھے اور وہ سفر نامے کے فن اور تکنیک کو کامیاب بنانے کیلئے بڑی حد تک مقصدی ڈوری میں بندھے تھے اور اُن میں زیادہ تر سفر ناموں کا مقصد معلومات فراہم کرنا تھا۔ان سفر ناموں میں تاریخ وجغرافیہ، تہذیب وتمدن، تعلیم وتربیت اور سیاست و معاشرت کے ہر پہلو پر نظر رکھی گئی ہے۔قدیم سفر ناموں کی تکنیک کو پیش نظر رکھا جائے تو دورِ جدید کے سفر ناموں کی طرح قوتِ مشاہدہ کی تکنیک قدیم سفر ناموں میں بھی کارفرما نظر آتی ہے اور خاکے اور افسانے کی طرح تحیّر و تجسّس بھی پایا جاتا ہے۔واقعات کے انتخاب سے قدیم سفر نامہ نگاروں نے سفر نامے کی بُنت مختلف النوع واقعات سے کی ہے اور غیر جانبدار رویہ اختیار کر کے اعتدال وتوازن سے سفر نامے تحریر کئے ہیں اور منظر نگاری سے پڑھنے والوں کا حلقہ وسیع کیا ہے۔

سفر نامے کی تکنیک پر بات کرتے ہوئے عمران قریشی کچھ اس طرح لکھتے ہیں:

> ''فنی اعتبار سے سفر نامہ ایک ایسی صنفِ نثر ہے جس میں تکنیک کے نئے تجربات کی گنجائش کم ہوتی ہے۔قدیم سفر ناموں کا انداز بیانیہ تھا۔آج بھی اس تکنیک میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی ہے۔اگرچہ پرانے اور نئے سفر ناموں میں وقت کے ساتھ مختلف سفر نامہ نگاروں نے تکنیکی تجربے کئے لیکن نئے دور کا سفر نامہ بھی زیادہ تر بیانیہ انداز میں لکھا جارہا ہے''۔ [۱۴]

سفر نامے میں کوئی خاص تکنیک اور لوازمات نہیں اپنائے جاتے ہیں۔سفر نامہ نگار کا اندازِ تحریر اور مزاج ہی دراصل سفر نامے کا اصول اور تکنیک ہے۔سفر نامہ نگار کے مشاہدات اور تجربات سفر نامے کیلئے ایسی تکنیک وضع کر لیتے ہیں جن کی سفر نامے کو ضرورت ہوتی ہے۔سفر نامے کا مرکزی کردار سفر نامہ نگار خود ہوتا ہے۔یہی واحد متکلم شخص اپنی سفری روداد بیان کرتا ہے اور اس رودادِ سفر کو بیان کرنے کیلئے مختلف تکنیکی طریقے اختیار کرتا ہے جیسے وہ پہلے واقعات کو اپنے ذہن میں محفوظ کر کے پھر کاغذ پر منتقل کرتا ہے۔

قدیم سفر ناموں میں تکنیکی حوالے سے دیکھا جائے تو سب سے پہلے سفر نامے میں یوسف خان کمبل پوش اپنے سفر نامے عجائباتِ فرہنگ میں بیانیہ تکنیک کا استعمال کرتے ہیں۔ان کے اس سفر نامے میں ناول اور افسانے کا سا لطف اور جاذبیت بھی ملتی ہے۔ان کا اُسلوبِ بیان کہیں سادہ اور کہیں رنگین ہے۔اسی طرح ''سیاحت نامہ'' جو قدیم سفر نامہ ہے وہ بھی ڈائری کی تکنیک میں لکھا گیا ہے جو سفری حالات وواقعات پر مبنی ہے۔اس قدیم سفر نامے میں وہ بڑی دلکشی کے ساتھ مشرقی ومغربی اقدار کا موازنہ کرتے ہیں۔اس میں سفر نامہ نگار کے گہرے مشاہدے اور وسیع

تجربے نے سفرنامے کو کامیاب بنایا ہے۔ ''تاریخِ افغانستان'' سید فدا حسین کا ایسا سفرنامہ ہے جو انہوں نے روزنامچے کے طور پر لکھا ہے۔ اس سفرنامے میں حقیقت نگاری کو قدیم داستانوی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر مسعود انور سفرنامے کے فن پر بات کرتے ہوئے یوں رائے دیتے ہیں:

> ''سفرنامے کا سب سے قیمتی جزو اس کا افسانوی عنصر ہے۔ قدرت نے جب انسان کو بنایا تو اس کے وجود کو تراشتے وقت اس کے سینے میں چپکے سے داستان کی دیوی کی محبت کو بھی بٹھا دیا۔ داستان کے اس حصے نے جس میں کہانی بیان کی جاتی تھی افسانے کا روپ دھار لیا اور دوسرے حصے نے جس میں حالاتِ سفر بیان ہوتے تھے سفر کی شکل اختیار کر لی اور اُردو میں ایک ایسی صنف کا اضافہ ہوا جس میں آنکھوں دیکھے مشاہدے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے''۔ ۱۵

اسی طرح ظہیر احمد صدیقی سفرنامے کے فن کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ''اچھا سفرنامہ وہ ہے جس میں داستان کی سی داستان طرازی، ناول کی سی افسانہ سازی، ڈرامہ کی سی منظر کشی، کچھ آپ بیتی کا سا مزا، کچھ جگ بیتی کا سا لطف اور پھر سفر کرنے والا جزو تماشہ ہو کر اپنے تاثرات کو اس طرح پیش کرے کہ اس کی تحریر پر لطف بھی ہو اور معلومات افزاء بھی''۔ ۱۶

سفر کو ہر شخص نے ہر دور اور ہر زمانے میں پسند کیا ہے اور سفرنامے لکھنے کی روایت بھی ہر دور اور ہر زبان میں رہی ہے۔ اس لئے سفرنامے کو اس ضمن میں کسی ایک ہیئت، تکنیک یا فن میں مقید نہیں کیا جا سکتا ہے۔ سفرنامے کی تکنیک کا مزاج مختلف النوع طبائع کا مرہونِ منت ہوتا ہے بلکہ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ سفرنامے کا فن و تکنیک سفرنامہ نگار کی طبیعت کا عکاس ہوتی ہے جو اسے تخلیقی سطح پر قلمبند کر کے اپنی تحریر کو ادب کی صنف سفرنامے میں شمار کرتا ہے۔

سفرنامے کی تہذیبی، ثقافتی و تاریخی حیثیت:

کوئی بھی زبان خلاء میں جنم نہیں لیتی ہر لسانی عمل کسی نہ کسی تہذیبی عمل کے ساتھ ربط رکھتا ہے۔ زبان اللہ تعالیٰ کا عطیۂ خاص ہے۔ جس طرح انسان اپنے اِردگرد پھیلی ہوئی کائنات پر غور کرتا ہے اسی اسرار میں سے ایک بحث زبان بھی ہے۔ زبان معاشرے کے تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی حوالوں سے مربوط ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد زبان کے عناصرِ ترکیبی کی وضاحت کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

"زبان کا استقلال اور آئندہ کی زندگی چار ستونوں کے استقلال پر منحصر ہے،قوم کا ملکی استقلال، سلطنت کا اقبال، اس کا مذہب اور تعلیم و تہذیب ۔اگر یہ چاروں پاسبان پورے زوروں سے قائم ہیں تو زبان بھی زور پکڑتی جائے گی ایک یا زیادہ جتنے کمزور ہوں گے اتنی ہی زبان ضعیف ہوتی جائے گی یہاں تک کہ مر جائے گی"۔ ؎۱۷

ہر تہذیب کی طرح اُردو زبان کی تہذیب کی جڑیں بھی ایک خاص خطہٗ زمین اور اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کے ایک مخصوص منظر نامے میں پیوست ہیں ۔اس زمین کا ذائقہ، جغرافیہ، موسم، ماحول، رسمیں اور روایتیں، مجبوریاں اور معذوریاں اور دکھ سکھ اس کے اپنے ہیں ۔ یہ سرزمین مختلف علاقوں میں بٹی ہوئی ہے ۔ادب اس اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ خطہٗ زمین اور اس کے باسیوں کو موضوعِ قلم بناتا ہے ۔اردو ادب نے بھی دیگر زبانوں کے ادب کی طرح تہذیب و ثقافت اور تاریخ کو بیان کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے ۔

سفرنامہ ایک ایسی ادبی صنف ہے کہ جو سبق آموز اور قابلِ قدر معلومات فراہم کرتی ہے ۔اس کی تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی اہمیت مسلّم ہے ۔ ہر دور کا سفرنامہ نگار اپنے عہد کی تہذیب و ثقافت کو اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ اس کے دور کی تہذیب و ثقافت حوالوں اور کتابوں میں ہمیشہ زندہ رہتی ہے ۔سیاح اپنے دور کے حالات و واقعات و رسم و رواج اور تہذیب و سماج کو پیش کرتا ہے ۔

سفرنامہ نگار کا تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی شعور اس کی تحریروں میں جا بجا منعکس ہوتا ہے ۔اس کی ذہنی اور علمی وسعت اسے اپنے عہد اور ماضی کی صورتحال کو احاطۂ تحریر میں لانے پر اُکساتی ہے ۔سفرنامہ نگار کی تاریخ پر گہری نظر اور مطالعہ اسے تاریخی و تہذیبی گرفت میں لا کر معلومات افزاء اور دلچسپ سفرنامہ لکھنے پر مجبور کرتے ہیں ۔سفرنامہ نگار کی تحریروں میں تصورات، تہذیب و ثقافت اور تاریخ ساتھ ساتھ چلتے ہیں ۔ڈاکٹر عزیز احمد خان "تخلیقی ادب" کے اداریے میں زبان و ثقافت سے وابستگی کے مثبت و منفی پہلوؤں کو یوں اجاگر کرتے ہیں:

"اپنی زبان و ثقافت سے وابستگی سب کو عزیز ہوتی ہے اور ہر شخص بقدر حیثیت و مرتبہ اس سلسلے میں سرگرمی پر آمادہ تیار رہتا ہے ۔یہ جذبہ قدیم سے ہے اور انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کے آثار متواتر ہیں ۔زندہ قومیں ہمیشہ اپنی زبان و ثقافت کو اولیت دیتی اور اس کی ترقی و ترویج کیلئے کوشاں رہتی ہیں ۔اپنے ان معنوں میں یہ ایک مثبت اور مفید سماجی عمل ہے ۔تاہم اس مثبت سماجی سرگرمی میں اس وقت منفیت کا پہلو بھی در آتا ہے جب یہ حدود و قیود سے مبرا ہو جائے ۔اپنی انفرادیت پر غیر ضروری فخر، اپنے

امتیازات کا جا بے جا اظہار اور اپنے آپ کو منوانے کی غیر مقبول کوششیں اس منفیت کی ابتدائی اور سامراجیت ، غاصبیت اور جارحیت اس کی انتہائی صورتیں ہیں"۔ ۱۸

ڈاکٹر عزیز احمد خان کے حوالے کا بغور مطالعہ کیا جائے اور پھر سفرنامہ نگاروں کی زبان و ثقافت سے اُنسیت کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ آجاتی ہے کہ سفرنامہ نگار حدود کے اندر رہتے ہوئے تہذیب و ثقافت اور تاریخ کو سفرنامے میں پیش کرے ۔ کسی بھی خطے کے بارے میں بیان کرتے ہوئے سفرنامہ نگار کو اعتدال برتنا چاہئے اور سفرنامے کے لوازمات کو پیش نظر رکھنا چاہئے ورنہ اس کی تحریر سفرنامے سے زیادہ تاریخ کا حصہ بن جائے گی ۔

سفرنامے میں تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی حیثیت اس لئے بھی مسلم ہے کہ سفرنامہ نگار جن واقعات کو پیش کرتا ہے وہ چاہے تہذیب و ثقافت کا حصہ ہوں یا تاریخ کا وہ اپنے تخیل اور محسوسات سے اس واقعے کو اپنے نقطۂ نظر سے بیان کرتا ہے کہ وہ معلومات و واقعات عام تاریخی و تہذیبی کتابوں میں نہیں ملتی ۔ تاریخ میں بے جان واقعات بیان کئے جاتے ہیں لیکن سفرنامہ نگار انہی بے جان واقعات کو زندہ جاوید بنا کر پیش کرتا ہے کیونکہ سفرنامے میں حقیقت کا تصور جدا ہوتا ہے ۔ تاریخ مصلحتِ وقت کا شکار ہو جاتی ہے لیکن سفرنامہ چاہے اندرونِ ملک کا ہو یا بیرونِ ملک کا اس میں تہذیب و ثقافت اور تاریخ کے نقوش زندہ رہتے ہیں ۔ جیسے مولانا محمد حسین آزاد اپنے سفرنامے میں رقمطراز ہیں :

"راہِ مشہد اور ہرات میں جام مولانا جامی کا وطن آیا ۔ ایک ویران قصبہ رہ گیا ہے ۔ یہاں حضرت شیخ جان کی تربیت ہے ۔ اس پر شاہ عباس نے ایک عالیشان عمارت بنوائی ہے ۔ میں بھی گیا اور فاتحہ پڑھ کر داخل ثواب ہوا ۔ ان کی اس کتاب سے معلوم ہوا کہ میر معصوم بیکری نے ان کے مزار کو ۱۰۱۱ء میں سرِ نو تعمیر کرایا تھا ۔ میر کا نام دیکھ کر دل ایسا خوش ہوا کہ جیسے غربت میں کوئی دوست مل گیا ہو ۔ کیونکہ میر کی اور میری دربار اکبری کی ملاقات تھی ۔ (یہ بھی امراء اکبر شاہی میں تھے) خود تاریخ قندھار کے مصنف اور طبقات اکبری میں نظام الدین بخشی کے ساتھ شریک تھے"۔ ۱۹

سفرنامہ نگاروں نے اپنے سفرناموں میں مختلف اقوام کی تہذیب و ثقافتوں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے سفرناموں میں قوموں کے تہذیبی انحطاط کی طرف بھی اشارے کئے ہیں ۔ سفرنامہ نگار کا فرض ہوتا ہے کہ وہ صرف منظر کو دیکھے ہی نہیں بلکہ وہ اس کے اندر جھانک کر پرکھنے کی سعی بھی کرے ۔ شفیق الرحمٰن اپنے سفرنامے "دجلہ" میں تہذیب و ثقافت کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں :

''انہوں نے ایک الف لیلوی دھن چھیڑی جیسے کوئی فراق زدہ عاشق یا معشوق یا دونوں ازحد کرب کی حالت میں بھوں بھوں رو رہے ہوں۔سمیعہ کمال کیا آئی طوفان آ گیا، زلزلہ آ گیا۔ساز تھرائے واللہ کے نعرے لگے اور رقص شروع ہوا۔اس کی انگلیوں میں مجیرے تھے جنہیں وہ بڑی فیاضی سے استعمال کر رہی تھی جو تھوڑا سا لباس اس نے ازراہِ کرم پہن رکھا تھا وہ ملتان کی گرمیوں کے لئے تو موزوں ہو سکتا تھا لیکن قاہرہ کی خنک رات کیلئے غالباً مناسب نہیں تھا۔مشرق وسطیٰ کا یہ رقص خوب ہے۔اس میں آرٹ کم ہے اور تھرکنا زیادہ۔جنبش اتنی تیز کہ نگاہیں ساتھ نہیں دے سکتیں بالکل جیسے کھلونے کو چابی بھر کر چھوڑ دیا جائے۔پہلے تو وہ آرکیٹ والوں کے قریب ناچتی رہی،پھر میزوں کا رخ کیا۔راستے میں ستون آیا تو اس کے گرد تین چار چکر لگا دیئے''۔ ؁۲۰

سفر نامے کی اقسام:

سفر نامہ ایک غیر افسانوی صنفِ نثر ہے جس کی اقسام میں وسعت پائی جاتی ہے۔سفر نامہ نگار ایک ایسی تحریر رقم کرتا ہے جس میں وہ روزمرہ زندگی میں پیش آنے والی رونقوں اور دلچسپیوں کو بیان کرتا ہے اور جس خطے یا ملک کا وہ سفر کرتا ہے اس سے متعلق لوگوں سے معلومات حاصل کر کے قارئین کے علم میں اضافہ کرتا ہے۔اس قسم کے سفر نامے لکھنے کیلئے سفر نامہ نگار قارئین کی علمی استعداد میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کیلئے دلچسپی کا سامان بھی مہیا کرتا ہے۔

دوسری قسم ایسے سفر نامے کی ہے جس میں عام دلچسپیوں اور رونقوں کے علاوہ وہ کسی خطے یا ملک سے متعلق علمی یا سفارتی یا کسی اور افادی پہلو کو بیان کرتا ہے جس سے وہاں کے باشندگان کی علمی سطح کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور ایک ایسا سفر نامہ بھی وہ تحریر کرتا ہے جس میں وہ تاریخی،جغرافیائی اور مذہبی معلومات فراہم کرنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

سفر نامے میں ادبی چاشنی کے ساتھ ساتھ مقصدی و افادی دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔عام طور پر سفر نامے کو دو طرح سے منقسم کیا جاتا ہے۔اول الذکر ایسی قسم ہے جو موضوعاتی اعتبار سے کی جاتی ہے اور آخر الذکر وہ قسم ہے جس کا تعلق مواد سے ہے۔موضوع کے اعتبار سے سفر نامے کو چار اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱) مشرقی سفر نامے:

یہ ایسے سفر نامے ہیں جنہیں سیاح مشرقی ممالک مثلاً عرب،ایران،شام،مصر اور قسطنطنیہ کا سفر کرنے کے بعد رقم کرتے ہیں۔یہ سفر نامے مذہب یا عبادات کے علاوہ کسی دوسرے مقصد علمی،تاریخی،تہذیبی،سماجی یا داستانِ سیاحت بیان

کرنے کیلئے لکھے جاتے ہیں۔مشرقی سفرناموں میں زیادہ تر اسلامی تہذیب،طرزِ معاشرت اور وہاں کے سماجی و معاشی حالات کا حال بیان کیا جاتا ہے اور ان سفرناموں میں زیادہ تر سیاح عرب کی تہذیب سے ہندوستان کی تہذیب کا موازنہ بھی کرتے ہیں اور ان خطوں کے خوبصورت مناظر،قدرتی جھلکیاں اور وہاں کے نظام تعلیم،نظام معاشرت، رہن سہن،لوگوں کی بہادری اور اولوالعزمی کے قصے بیان کئے جاتے ہیں۔مشرقی سفرنامے سفرنامہ نگاروں کی انفرادی صلاحیت کو اُبھارنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں جیسے حسرت موہانی کا ''سفرنامہ عراق'' سید سلیمان ندوی کا ''اسیرِ افغانستان'' ہیں۔

۲) مغربی سفرنامے / یورپ و امریکہ کے سفرنامے:

سیاح سیاحت کا لطف اٹھانے اور اپنے مشاہدات دوسروں تک پہنچانے کیلئے یورپ و امریکہ کا رخ زیادہ کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اُردو ادب کا زیادہ تر سرمایہ یورپ و امریکہ کے سفرناموں پر محیط ہے۔ان سفرناموں میں تہذیبی و سیاسی کشمکش پائی جاتی ہے۔

یورپ و امریکہ کے سفرنامے لکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تہذیبی طور پر تمام ہندوستان پر مغربی حکمرانوں کا تسلط تھا۔ہندوستانی زبان و کلچر یورپی زبان و کلچر کی یلغار کی نذر ہو رہی تھی اس احساس اور وقت کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے سفرنامہ نگاروں نے اپنے تہذیبی اقدار کو بچانے کیلئے یورپ کے سفرنامے تحریر کئے۔ہمارے ہاں سفرناموں کی بدولت ہی یورپ سے خیالات و نظریات کی آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوا۔جیسے اختر مومنکا نے ''پیرس ۲۰۵ کلومیٹر'' پطرس بخاری نے ''سفرِ انگلستان'' اور پروفیسر حمید احمد خان نے ''انگلستان کے کتے'' لکھے ہیں۔

۳) مذہبی سفرنامے / زیارات سے متعلق سفرنامے:

اس قسم کے سفرناموں میں حج اور عمرے کے متعلق سفرنامے لکھے جاتے ہیں۔یہ سفرنامے حاجیوں اور زائرین کیلئے بڑے کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔سفرنامہ نگار یہ سفرنامے حاجیوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر لکھتے ہیں۔اس قسم کی تحریریں جذبۂ ایمان کو تقویت بخشتی ہیں۔ان میں مکۃ المکرمہ،مدینہ منورہ،حرمین شریفین اور دیگر زیارات اور متبرک مقامات کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ان میں سفر کی ابتداء سے لے کر آخیر سفر تک زائرین و قارئین کے لئے معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔جیسے ممتاز مفتی کا ''لبیک'' مستنصر حسین تارڑ کا ''منہ وَل کعبے شریف'' ہیں۔

۴) مقامی سفرنامے:

یہ ایسے سفرنامے ہیں جن میں مصنف اندرونِ ملک کی سیاحت کا حال بیان کرتا ہے۔یہ سفرنامے زیادہ تر اندرون ملک شمالی علاقہ جات کے پہاڑوں اور رستوں کے ہوتے ہیں جیسے کشمیر، پنجاب، چترال، گلگت، ہنزہ،

رتی گلی، پشاور، کراچی، لاہور، کوئٹہ کے علاقوں کے لکھے گئے ہیں۔ یہ سفرنامے اس لئے اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعے ہمیں برصغیر پاک و ہند کی تہذیب، کلچر، تاریخ، طرزِ تعلیم اور لوگوں کے رہن سہن کے ڈھنگ کے ساتھ ہی یہاں کی عمارات کی تفصیل بھی ملتی ہے۔ ان سفرناموں میں قدرتی مناظر کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ جیسے مستنصر حسین تارڑ کا ''چترال داستان''۔ ''رتی گلی''۔ اشفاق احمد کا ''سفر در سفر'' اور اعجاز حسین کا ''سفرنامۂ بلوچستان'' ہیں۔

سفرنامے کو مواد کے حوالے سے دیکھا جائے تو سفرنامے کی کم و بیش نو اقسام بنتی ہیں۔

یہ ایسے سفرنامے ہیں جن کی مدد سے کوئی بھی سیاح کسی ملک کی تاریخی، جغرافیائی یا سیاسی زندگیوں کا نقشہ کھینچتا ہے۔ اردو ادب کے ابتدائی دور کے سفرنامے اسی طرز پر تحریر کئے جاتے تھے جیسے یوسف خان کمبل پوش کا ''عجائباتِ فرہنگ'' اور ابن بطوطہ کا ''عجائب الاسفار'' شامل ہیں۔ اسی طرح سفری سفرنامے بھی ہیں۔

اس قسم کے سفرناموں میں علماء اور فضلاء اپنے سفر کو رقم کرتے ہیں۔ وہ علمی سفرنامے کہلاتے ہیں۔ ان سفرناموں میں سفر سے زیادہ علم و فضل کی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ شبلی کا ''سفرنامہ مصر و شام'' اور غلام ثقلین رضوی کا ''ارضِ تمنا'' علمی سفرناموں کی ذیل میں آتے ہیں۔ نیز کوئی بھی سیاح جب سرکار کے خرچے پر کسی بھی ملک یا خطے کا سرکاری دورہ کرتا ہے اور واپسی پر سرکاری سفر کی رُوداد کو سفرنامے کے روپ میں پیش کرتا ہے تو اس کا سفرنامہ مواد کے اعتبار سے سرکاری سفرنامہ کہلاتا ہے۔ جیسا کہ مرزا ادیب نے ''ہمالہ کے اس پار'' لکھا تھا۔ اردو ادب میں فکاہیہ و مزاحیہ سفرنامے بھی لکھے گئے ہیں۔ ان سفرناموں میں مزاح و ظرافت کو تخلیق کیا جاتا ہے۔ سفرنامہ نگار مزاحیہ و طنزیہ انداز میں اپنے سفر کی داستان رقم کرتا ہے۔ شفیق الرحمٰن کا ''دجلہ'' اور ابنِ انشاء کا ''دنیا گول ہے'' انہی سفرناموں کی فہرست میں شامل ہیں۔ اسی طرح اردو ادب میں پلاؤ سفرنامے بھی لکھے گئے۔ اسی طرح میکانکی سفرنامے بھی ہیں۔ یہ ایسے سفرنامے ہیں جو دوسروں کی سنی سنائی باتوں، ہنگامی مواد، کتابوں، بروشرز اور تصویروں کا سہارا لے کر لکھے جاتے ہیں وہ میکانکی سفرنامے کے زمرے میں شامل کئے جاتے ہیں جیسے سبوحہ خان کا ''اپنا دیس اپنے لوگ'' ہے۔ مواد کے اعتبار سے دیکھا جائے تو خیالی اور افسانوی سفرنامے بھی لکھے جاتے رہے ہیں۔ جن میں سیاح مناظر کا نظارہ کرنے کے بعد اپنے مشاہدات کو تخیلات کے بل بوتے پر بیان کرتا ہے۔ اس کی شعوری کوشش کے ساتھ ساتھ خیالاتی اور تصوراتی احساسات و جذبات بھی شامل ہو جاتے ہیں یوں اس کے سفر کی داستان تخیلات کے سہارے تکمیل پاتی ہے اور ایسے سفرنامے قارئین کی لذت بڑھانے کیلئے لکھے جاتے ہیں۔ جیسے عطاء الحق قاسمی کا ''شوقِ آوارگی'' اور مستنصر حسین تارڑ کا ''نکلے تیری تلاش میں'' ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نفیسہ حق، سفرنامہ، فن اور جواز، مشمولہ سہ ماہی الذبیر سفرنامہ نمبر ص ۳۶، ۳۷

۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب میں سفرنامہ، ص ۴۷

۳۔ www.Merriam.websiter.com/dictionary travelogue

۴۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی (مرتب) تنقیدی اصطلاحات، ص ۱۰۰

۵۔ en.wikipedia.org/wiki/travel_literature

۶۔ مقبول بیگ بدخشانی، سفرنامہ زمین حافظ و خیام، (پیش لفظ) ص ۸

۷۔ خالد محمود، ڈاکٹر، اردو سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ، ص ۲۲

۸۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اوراق (رسالہ) شمارہ جنوری، فروری ۱۹۷۹ء، ص ۲۰

۹۔ تحسین فراقی (مقدمہ) عجائباتِ فرہنگ از یوسف خان کمبل پوش، ص ۲۷، ۲۸

۱۰۔ قدسیہ قریشی، ڈاکٹر، اردو سفرنامے، انیسویں صدی میں، ص ۲۴

۱۱۔ جمیل احمد انجم، پروفیسر، اردو ادب بیسوی صدی میں، ص ۴۲

۱۲۔ خیابان (اصنافِ نثر نمبر) مشمولہ پروفیسر رؤف شمارہ ۹۵۔۱۹۹۴ء ص ۳۰۶۔۳۰۵

۱۳۔ تحسین فراقی (مقدمہ) عجائباتِ فرہنگ، یوسف خان کمبل پوش، ص ۴۷

۱۴۔ عمران قریشی، صوبہ سرحد میں سفرنامہ نگاری (تحقیقی و تنقیدی جائزہ) غیر مطبوعہ مقالہ ایم فل پشاور یونیورسٹی، ص ۳۲

۱۵۔ انور مسعود، ڈاکٹر، اوراق جنوری، فروری ۱۹۷۸ء، ص ۲۷

۱۶۔ ''سخن چند'' دیکھ لیا ایران از افضل علوی، ص (۹)

۱۷۔ محمد حسین آزاد، مولانا ''سخن دانِ فارس'' ص ۴۵

۱۸۔ عزیز احمد خان، ڈاکٹر، (اداریہ) تخلیقی ادب شمارہ ۸ نمل اسلام آباد

۱۹۔ محمد حسین آزاد، مولانا سخن دانِ سارس، ص ۱۱۲

۲۰۔ شفیق الرحمٰن، دجلہ، ص ۹۔۸

باب دوم

اُردو سفرنامے کی جدید تکنیک کا ارتقائی جائزہ

★ اردو کے جدید سفرنامے

★ جدید سفرنامے کے لوازمات و تکنیک

★ مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں کا مختصر تعارف

اُردو کے جدید سفرنامے

جدید سفرنامے کا آغاز بیسویں صدی سے ہوتا ہے۔ دورِ جدید تک ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے جدید سفرنامے نے کئی صورتیں بدلی ہیں۔ جدید دور کے سفرناموں میں واضح طور پر گزشتہ ادوار کے سفرناموں سے انحرافی کیفیت نظر آتی ہے۔ جدید دور میں سفرنامے کی طرف شعوری طور پر پیش قدمی کرنے والوں میں خواجہ احمد عباس سرِفہرست ہیں۔ جنہوں نے ''مسافر کی ڈائری'' جیسا سفرنامہ لکھ کر سفرنامے کے میدان میں اترنے والوں کیلئے راستہ ہموار کیا۔ ''مسافر کی ڈائری'' ۱۹۳۸ء میں ورلڈ یوتھ کانفرنس نیویارک میں شرکت کے بعد تحریر کیا گیا تھا جس میں سترہ ممالک کی سیاحت کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اس سفرنامے میں مشاہدے کو خبر میں ڈھال کر خبر کو صحافتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سفرنامے سے جدید سفرنامے کا آغاز تو ہوتا ہے مگر سہل نگاری کے انداز نے ان کے سفری مشاہدات کو مربوط بیانیہ میں ڈھلنے نہیں دیا۔

ابتداء میں سیاح جغرافیائی حدود سے ہوتا ہوا تاریخ تک کا سفر کرتا رہا اور مستقبل کے امکانات اس کی نظر میں رہے لیکن جدید ذرائع آمدورفت نے سفر کی صورت ہی بدل ڈالی۔ اب سفر ارضی کم اور نظریاتی زیادہ ہیں۔ سیاح اپنی نظر نہیں بلکہ مخصوص عینک سے دنیا اور اہل دنیا کو دیکھتا ہے۔ اپنے مشاہدات و تجربات کو واقعاتی پیرائے میں یوں بیان کرتا ہے کہ اس میں دلچسپی کا عنصر برقرار رہے۔ اس میں کہانی پن افسانوی طرز بیان شامل ہونے لگا ہے اور یہی جدید سفرنامے کی وہ خوبی اور خصوصیت ہے جو اسے پڑھنے کے لائق بناتی ہے۔

اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں جدید اردو سفرنامہ ۱۹۶۰ء کی دہائی سے شروع ہوا۔ جدید اردو سفرنامہ نگاری میں محمود نظامی کا ''نظر نامہ'' ایسا سفرنامہ ہے جس نے سفرنامے کا رُخ خارج سے داخل کی طرف موڑ دیا۔ محمود نظامی کا ''نظر نامہ'' ایک ایسا سفرنامہ ہے جو قدیم اور جدید سفرنامے کے درمیان ایک حدِّ فاصل قائم کرتا ہے۔ محمود نظامی نے مناظر پر ایک ادیب کی نگاہ ڈال کر سوچ کا دائرہ وسیع کیا۔ ان کا سفرنامہ ''نظر نامہ'' روم، مصر، پیرس، لندن اور میکسیکو جیسے ممالک کے سفری حالات پر مبنی ہے جس میں خارج کو داخل میں سمو کر پیش کرکے انہوں نے سفرنامے کو نئے موڑ میں داخل کردیا ہے۔ جیسے روم کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''روم میں، میں نے کئی ایسے مناظر دیکھے اور میں کئی ایسے مقامات سے دوچار ہوا جنہوں نے لاہور اور راولپنڈی کی یاد سے مجھے کئی بار تڑپایا میں نے دیکھا کہ روم میں آسمان کی نیلاہٹ اس قدر گہری، دھوپ اتنی ہی شفاف اور زمین ایسی ہی سرسبز تھی جیسے لاہور میں سرسبز نظر آتی ہے''۔[1]

محمود نظامی اپنے آپ کو کسی ایک زمانے تک محدود نہیں رکھتے بلکہ وہ اپنے آپ کو کئی زمانوں تک پھیلا دیتے ہیں جس کی وجہ سے ہر دور اور ہر زمانے کا قاری لطف اٹھائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جدید سفرناموں میں ''سات سمندر پار'' اور ''دھنک پر قدم'' بیگم اختر ریاض الدین کے ایسے سفرنامے ہیں جن میں فطری طور پر قدرت کی رنگینیوں کو کاغذ پر اتارا گیا ہے۔ سات سمندر پار ۱۹۶۳ء اور دھنک پر قدم ۱۹۶۵ء میں منظر عام پر آئے۔ پروفیسر جمیل احمد انجم جدید سفرنامے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> قیام پاکستان کے بعد جن سفرناموں نے جدید سفرناموں کی بنیاد رکھی وہ بیگم ریاض الدین کے لکھے ہوئے ہیں۔ ''دھنک پر قدم'' اور ''سات سمندر پار'' اپنے حسن بیان، رومانوی اسلوب اور تاثرات کے اعتبار سے بہت عمدہ ہیں۔ بیگم اختر کو اپنے خاوند کے ساتھ سرکاری دوروں پر یورپ، ایشیاء اور امریکہ کے متعدد ممالک میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ اس نے جو کچھ محسوس کیا اسے اپنے ذاتی تاثرات کے ساتھ پیش کر دیا ہے''۔ [۲]

ابن انشاء نے اپنے ہلکے پھلکے اور شگفتہ انداز میں مزاحیہ اسفار کی خوبصورت مثالیں اپنے سفرناموں میں پیش کی ہیں۔ انہوں نے طنز و مزاح کی لہر کے ساتھ ساتھ تہذیبی صداقتوں کا اظہار کر کے سفرنامے کو جدت بخشی ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں:

> ''چین میں چار ہفتے قیام کے بعد ہم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہاں آزادی کی سخت کمی ہے۔ ہمارے ایک ساتھی جو اپنے ساتھ پان لے کر گئے تھے، بار بار فرماتے تھے کہ یہ کیسا ملک ہے جہاں سڑکوں پر تھوک بھی نہیں سکتے۔ زیادہ دن یہاں رہنا پڑے تو زندگی حرام ہو جائے۔ ایک اور بزرگ نے فرمایا کہ یہاں کوئی دیوار ایسی نظر نہیں آئی جس پر لکھا ہو کہ ''یہاں پیشاب کرنا منع ہے''...... گداگری ممنوع، نائٹ کلب ممنوع، جوئے پر قدغن، کام نہ کرنا اور مفت کی روٹیاں توڑنا خارج از امکان، لڑائی دنگا، چاقو زنی، اغواء کی وارداتیں نہ ہونے کے باعث، اخبارات سخت پھیکے۔ ملک کیا ہے، اچھا خاصہ جماعت خانہ ہے''۔ [۳]

شفیق الرحمٰن نے ابن انشاء کے ڈگر پر چلتے ہوئے اپنے سفرناموں میں مزاح صورتِ واقعہ کے ذریعے پیش کیا ہے۔ اسی طرح مستنصر اور عطاء الحق قاسمی نے جدید سفرنامے کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے

عشقیہ انداز کو خارجی ماحول دے کر سفرنامے میں ایک نیا انداز پیدا کر دیا ہے اور وہ سفرنامے کے ذریعے جمالیاتی حسن کو آنکھوں کے راستے دل میں اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ڈائری کی تکنیک میں لکھا گیا سفرنامہ ''ساحل اور سمندر'' جو سید احتشام حسین نے امریکہ، لندن اور پیرس میں طویل قیام کرنے کے بعد لکھا ہے جدید سفرناموں کی فہرست میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عبادت بریلوی کے دو سفرنامے ''ارضِ پاک سے دیارِ فرنگ تک'' اور ''ترکی میں دو سال'' سبک اور رواں نثر میں لکھے گئے جدید سفرنامے ہیں۔ جمیل الدین عالی کے سفرنامے ''تماشا میرے آگے'' اور ''دنیا میرے آگے'' ایسے سفرنامے ہیں جو رواں دواں اور غیر آرائشی اسلوب کی وجہ سے جدید سفرناموں کی صنف میں داخل کیے جاتے ہیں۔

''چین کی حقیقتیں اور افسانے'' جیسے سفرنامے میں ڈاکٹر وحید قریشی نے چین کی ماضی و حال کی تاریخ و ثقافت کو اپنے تجربے اور اردگرد کی نئی فضاء سے ہم آہنگ کر کے بیان کیا ہے، جیسے چین کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

> ''پھر کتاب زندگی کا ایک اور ورق الٹ گیا، فارسی اور اردو کے وہ جانے پہچانے سالہا سال سے ابابیلوں کی طرح اُڑتے ہوئے استعارے، تشبیہیں، ترکیبیں اور مناسباتِ شعری کے کاغذی پرندے رنگوں کی طلسمی دنیا میں اداس اور بھدے دھبوں کی طرح چکر کاٹ کر اُفق پر ڈوبنے لگے...... اور پھر چینی زبان کے الفاظ فارسی کے راستے اردو میں آ گئے...... اردو کے ادیب چین کے بارے میں اپنی زبان کے دروازے کھٹکھٹائیں گے تو دختر بدرالدین چینی کی ''چینی مسلمان'' اور ''چین و عرب کے تعلقات'' پر آ کر یہ معلومات ختم ہو جائیں گی''۔ ۲۴

ڈاکٹر وحید قریشی کی تخلیقی نثر اور شیریں بیانی کی اس روش نے سفرنامے کو مفید، معنی خیز اور مثبت بنایا ہے جس نے سفرنامے کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یوں دیکھا جائے تو جدید سفرناموں میں ابن انشاء کے ''چلتے ہو تو چین کو چلیئے''، ''دنیا گول ہے''۔ ''ابن بطوطہ کے تعاقب میں'' اور ''نگری نگری پھرا مسافر'' میں طنز و مزاح کی لہر کے ساتھ ساتھ تہذیبی صداقتوں کا اظہار نمایاں نظر آتا ہے اور اسی نہج پر چلتے ہوئے شفیق الرحمٰن نے ''دجلہ''، ''برساتی'' اور ''ڈینیوب'' جیسے سفرنامے لکھے۔ جدید سفرناموں کی بڑی کھیپ میں مستنصر کے ''نکلے تیری تلاش میں''، ''اُندلس میں اجنبی''، ''خانہ بدوش'' اور ''ہنزہ داستان'' جیسے سفرنامے بھی شامل ہیں۔

پروفیسر جمیل اس حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

> ''جدید ترین دور میں مستنصر حسین تارڑ، ابن انشاء، جمیل الدین عالی، اختر ممونکا،

> عطاء الحق قاسمی، اشفاق احمد اور اے حمید کے سفرنامے بڑے چونکا دینے والے اور دلچسپی کے اعتبار سے بہت عمدہ ہیں۔خاص طور پر مستنصر حسین تارڑ کا ''اُندلس میں اجنبی'' اور ''خانہ بدوش'' ابن انشاء کے ''ابن بطوطہ کے تعاقب میں''، ''چلتے ہو تو چین کو چلیئے'' اور ''دنیا گول ہے''، جمیل الدین عالی کے ''دنیا میرے آگے'' اور ''تماشا میرے آگے''، اختر ممونکا کا ''پیرس ۲۰۵ کلومیٹر''، عطاء الحق قاسمی کا ''سفرنامہ امریکہ اور بھارت''، اشفاق احمد کا سفرنامہ ''سفر در سفر'' اور اے حمید کا ''امریکہ نو'' بہت خوبصورت سفرنامے ہیں''۔ ۵

جدید سفرناموں میں قراۃ العین حیدر کے سفرنامے ''جہانِ دیگر'' اور ''دکھلائے لے جا کے مصر کا بازار'' اشفاق احمد کے ''عرش منور''، ''سفر در سفر'' اور ''چنگوہ پا چستان''، حمزہ فاروقی کے ''آج بھی اس دیس میں''، ''سفر آشوب'' اور ''زمان و مکاں اور بھی ہیں'' ڈاکٹر وزیر آغا کا ''بیس دن انگلستان میں'' اور ''ایک طویل ملاقات'' عطاء الحق قاسمی کے ''شوق آوارگی''، ''گوروں کے دیس میں''، دلی دور است'' اور ''دنیا خوبصورت ہے'' شامل ہیں۔

حکیم محمد سعید نے بھی ''داستانِ امریکہ''، ''جرمن نامہ''، ''داستانِ لندن''، ''دہلی کی سیر''، ''ریگِ رواں''، ''پروازِ فکر'' اور ''سعید سیاح فن لینڈ میں'' جیسے سفرنامے تحریر کرکے سفرنامے کی جدت کو تقویت بخشی۔ان کے ساتھ ساتھ قدرت اللہ شہاب کے ''اے بنی اسرائیل'' اور ''تو ابھی راہ گزر میں ہے'' نے بھی جدید سفرناموں کی فہرست میں اضافہ کیا ہے۔

جدید سفرناموں میں روایت اور جدت سے تعلق رکھنے والے کچھ ایسے سفرنامے بھی ہیں جو صنف سفرنامہ نگاری میں معتبر سرمایہ ہیں۔ان سفرناموں میں شیخ منظور الٰہی کا ''دردِ دل کشا''، سید ابوالحسن ندوی کا ''امت القدیر کا سفرنامہ''، ڈاکٹر مختیار الدین کا ''کراچی سے چٹا گانگ تک'' جی الانا کا ''دیس پردیس''، ذوالفقار علی تابش کا ''جوار بھاٹا'' محمد مظہر الدین صدیقی کا ''امریکہ کے تاثرات''، ممتاز احمد خان کا ''جہاں نما''، سلطانہ آصف فیضی کا ''عروسِ نیل''، بریگیڈیئر گلزار احمد کا ''تذکرۂ انگلستان''، حاجی حیدر علی خان کا ''دنیا کی سیر''، محمد اقبال انصاری کا ''نیل سے فرات تک''، حضرت اختر درانی کا ''چند روز آغوشِ فطرت میں''، مولانا عبدالحامد بدایونی کا ''تاثرات روس''، ریحانہ سلیم کا ''سفرنامہ جرمنی''، متین نظر کا سفرنامہ ''پیرس سے روم تک''، رازق الخیری کا ''مشرق وسطیٰ''، نسرین بانو اکرام کا ''الکویت''، طفیل احمد جمال کا ''سفر ماسکو''، جمیل زبیری کا ''دھوپ کنارا''، گوپی چند نارنگ کا ''سفر آشنا'' شامل ہیں۔

جدید سفرنامے کے لوازمات وتکنیک:

کامیاب سفرنامہ لکھنے کیلئے فنی لوازمات کی پاسداری ضروری ہے۔ جدید سفرنامے کے چند فنی لوازمات جن کو اہم سمجھا جاتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

قوتِ مشاہدہ:

اصنافِ نثر میں سفرنامہ وہ صنفِ ادب ہے جس میں قوتِ مشاہدہ سب سے زیادہ کارفرما ہوتا ہے۔ سفرنامہ نگار کا مشاہدہ جتنا زیادہ قوی ہوتا ہے اس کی رائے کو اتنا ہی معتبر سمجھا جاتا ہے۔ یوں گہرے مشاہدے کے ذریعے سفرنامہ نگار خارجی مظاہر کا عمیق تجزیہ تخلیقی انداز میں پیش کرتا ہے۔ قوتِ مشاہدہ سفرنامے کیلئے دوسرے عناصر کی طرح بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

واقعات کا انتخاب:

سفرنامے کیلئے سفر اثاثی شرط ہے۔ سفرنامے میں ناول اور افسانے کی طرح مربوط پلاٹ نہیں پایا جاتا ہے بلکہ سفر کی بُنت مختلف واقعات کے ذریعے کی جاتی ہے۔ یہ واقعات سفرنامہ نگار اپنی سفری روداد کی مدد سے پیش کرتا ہے۔ سفرنامہ نگار تخیل و شعور کے ذریعے واقعات کا عمدہ انتخاب کرکے سفرنامہ تحریر کرتا ہے۔ سفرنامہ نگار نہ صرف واقعات کا انتخاب بلکہ ان کے باہمی ربط پر بھی غور کرتے ہوئے اسے یوں بیان کرتا ہے کہ قاری کے ذہن میں بھی سفر کا سلسلہ واضح ہونے لگتا ہے۔

تحیّر و تجسّس:

سفرنامہ نگار سفرنامے کی دلچسپی و دلکشی کو بڑھانے کیلئے تحیّر و تجسّس کا استعمال کرتے ہیں۔ سفرنامہ چونکہ حالات وواقعات سے تخلیق پاتا ہے اس لئے سفرنامہ نگار واقعات، انکشافات اور بیانات میں قاری کیلئے ساعت بہ ساعت تجسّس و تحیر کو بڑھاتا ہے۔ سفرنامے کے عناصر میں یہ وہ فنی عنصر ہے جس کے استعمال سے قاری اور سفرنامہ، ادیب کی گرفت میں رہتے ہیں۔ خاکے اور افسانے کی طرح عمدہ سفرنامے میں تحیر و تجسّس کا ہونا لازمی ہے۔ سفرنامہ نگار نئی دنیا کی دریافت میں نکلتا ہے یہی دریافت اس کا حاصل بھی ہے اور قاری کیلئے باعث دلچسپی بھی۔

اعتدال وتوازن:

جس طرح اعتدال وتوازن زندگی کے ہر شعبے کو کامیاب بناتا ہے اسی طرح ادب کی تمام اصناف کو کامیاب بنا کر پیش کرنے کے لئے اعتدال وتوازن کا استعمال کیا جاتا ہے لیکن صنفِ سفرنامہ کو سفرنامہ بنانے میں اس عنصر کا

بنیادی عمل ہے ۔اعتدال وتوازن کے بغیر سفرنامہ اپنی حدود سے نکل کر تاریخ ،جغرافیہ اور صحافت جیسی چیز بن کر رہ جاتا ہے ۔سفرنامے کے تمام لوازمات کو نبھانے کے لئے خواہ خارج کا بیان ہو یا داخل کا، تحیّر و تجسّس ہو یا زبان و بیان یا پھر واقعات کا انتخاب ہو، ہر ایک جزو کو توازن اور اعتدال کے ساتھ برتنا سفرنامے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

غیر جانبداری:

سفرنامہ نگار کیلئے تعصب سے بالاتر ہونا اور غیر جانبداری اہمیت کے حامل ہیں مشرقی سفرنامہ نگاروں کے ہاں ٹھیٹھ مشرقیت سے دلچسپی فطری عنصر ہے ۔ یہ وہ عینک ہے جو انہیں باہر کی دنیا کو شفاف دیکھنے میں حائل نظر آتی ہے۔ جب بھی غیر جانبداری کا ذکر آتا ہے تو اردو سفرناموں میں مشرقی ومغربی تہذیب کا موازنہ اور اپنی تہذیب سے محبت واضح نظر آنے لگتی ہے ۔اگر چہ یہ ایک فطری امر ہے لیکن یہ جانبداری توازن اور اعتدال میں ہی ڈھنی چاہئے ۔

شگفتہ اسلوب:

دورِ جدید میں الیکٹرانک میڈیا اور انٹرنیٹ وغیرہ نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ گھر بیٹھے انسان نہ صرف ملکوں ملکوں کی سیر کرتا ہے بلکہ من چاہے دیسوں اور علاقوں کے حالات وواقعات، رسم ورواج، طور طریقوں، عادات واطوار، رہن سہن، تہذیبی، اخلاقی اور سیاسی حالاتِ زندگی سے بھی آگاہی حاصل کرتا ہے جبکہ سفرنامہ ایسی معلومات فراہم کرنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے ۔سفرنامہ نگار کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلوب کی دلکشی اور رعنائی کے ساتھ سفرنامے کو زبان کی شگفتگی کے ذریعے ایسے پیش کرے کہ قاری دیکھی وان دیکھی دنیا کو دیکھنے، سننے اور پڑھنے کیلئے بے تاب ہو جائے ۔سفرنامہ درحقیقت صداقتوں وسچائیوں کے بیان کا مظہر ہوتا ہے ۔ان تلخ اور کڑوی سچائیوں کو سفرنامہ نگار اپنے دلکش ورعنا اسلوب سے قاری کیلئے قابل قبول بناتا ہے ۔سفرنامہ ایک غیر افسانوی صنف نثر ہے جو عمدہ اور شگفتہ اسلوب اس میں دلچسپی بڑھانے کا باعث بنتا ہے افسانوی نثر کی طرح اس میں کسی قصے کا بیان نہیں جو اسے قاری کیلئے دلچسپ اور دلکش بنائے اس لئے سفرنامہ نگار کیلئے اسلوب کی دلکشی اور بھی زیادہ ضروری چیز ہے۔

منظر نگاری:

منظر نگاری سفرنامے کی بنیادی خوبی ہوتی ہے ۔محتاط انداز سے کی گئی منظر کشی سفرنامے کے قاری کو مرعوب کرتی ہے ۔سفرنامے میں کائناتی مناظر نطق وگویائی عطا کر کے پیش کیا جاتا ہے ۔کامیاب سفرنامہ نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ سفرنامے میں مناظر ومظاہر کو ایسے تخلیقی انداز میں پیش کرے کہ قاری محسوس کرے کہ مصنف نے مناظر کی روح میں اتر جانے کے بعد مناظر کو پیش کیا ہے۔

ایک اچھا سفر نامہ وہ ہوتا ہے جس میں داستانوی رنگ، افسانوی فضا، ناول کی چاشنی، ڈرامے کی سی منظر نگاری، آپ بیتی کا سا حسن اور جگ بیتی کی سی لذت پائی جائے۔ دورِ جدید کے سفر نامے متنوع خصوصیات کے حامل ہیں۔ دورِ جدید کے سفر ناموں کی بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک سچا سیاح مظاہر فطرت اور مظاہر انسانی سے فطری دلچسپی رکھتا ہے۔ ظاہر ہے وہ ایک مصور کی طرح رنگوں اور لکیروں سے ان مناظر کو بیان نہیں کر سکتا اس کے لئے اس کے پاس صرف خوبصورت لفظ ہوتے ہیں جن کو کام میں لا کر وہ ہمارے ذہن کے کچھ حصوں کو اس طرح متحرک کر دیتا ہے کہ پورا منظر ہو بہو ہمارے سامنے آ جاتا ہے یہی وہ خوبی ہے جو ایک کامیاب سفر نامہ نگار کیلئے لازم ہے کہ وہ لفظوں کے ذریعے منظر کشی کرنے پر قادر ہو۔ نئے سفر ناموں میں سفر نامہ نگار کی ذات کو حد سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

راغب شکیب سفر نامے کی تکنیک پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''سفر نامے میں دو خوبیوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے ایک یہ کہ سفر نامہ نگار نے واقعی سفر کیا ہو، دوسرے یہ کہ وہ جو لکھے وہ سفر ہی کے متعلق ہو اور غیر متعلق واقعات کی آمیزش سے سفر نامہ پاک ہو اور سفر نامے کا مقدمہ صرف افسانہ لکھنا نہ ہو''۔ ۶

سچی سیاحت:

ایک سفر نامہ نگار کیلئے ضروری ہے کہ وہ سچا سیاح ہو، سیاحت کا جذبہ اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو۔ سیاحت وہ اہم عنصر ہے جو کامیاب سفر نامے کیلئے لازمی جزو ہے۔

جدید سفر ناموں میں ایک دستاویزی فلم کی طرح معلومات بھی موجود ہیں لیکن آج وہ معلومات اتنی اہم نہیں رہیں کوئی بھی دنیا ان دیکھی دنیا نہیں رہی اس لئے مسافر یا سیاح کی دریافت اب وہ معانی نہیں رکھتی جو ۱۹۶۰ء سے پہلے کے سفر ناموں کا حصہ رہی ہے۔ آج فرد اجتماعی زندگی کا حصہ ہے اور دنیا ایک گلوبل ویلج۔ اسے گلوبل ویلج کہا گیا سٹی یا کنٹری نہیں وجہ یہ ہے کہ گاؤں وہ مسکن ہے جس میں تمام مکین ایک دوسرے کی زندگی سے خوب باخبر بلکہ ایک دوسرے کی زندگی میں دخیل رہتے ہیں۔ جدید دنیا بھی ایک دوسرے سے باخبری اور آگاہی کی دنیا ہے چنانچہ ایسے دور میں سفر نامے کی حیثیت اور اہمیت برقرار رکھنے کیلئے اس کے رُخ کو موڑا گیا یہ کوشش شعوری بھی تھی اور لاشعوری بھی اور انہی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ جدید سفر نامہ اپنے اندر نہ صرف داخلی دنیا کی سیاحت بلکہ ناول کے کئی عناصر رکھتا ہے ایسے ہی سفر ناموں کی کمی کو پورا کرنے کیلئے مستنصر حسین تارڑ کی شمولیت بہت کارگر ثابت ہوئی انہوں نے سفر نامے کی ساخت کو اندر سے باہر تک بدل ڈالا اور ایک پورے عہد کو متاثر کیا۔

مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں کا مختصر تعارف:

مستنصر حسین تارڑ بنیادی طور پر ایک سچے سیاح ہیں۔ سچی سیاحت وہ اہم عنصر ہے جو اُن کے سفر ناموں کو کامیاب بناتی ہے۔ وہ سفر سے لطف اٹھانے اور کشید کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔سونے پر سہاگہ یہ کہ ان کے پاس ''کہہ دینے'' کیلئے بہترین ادبی اسلوب بھی موجود ہے اس اسلوب کی بدولت وہ اپنی سچی سیاحت کو صفحۂ قرطاس پر اتارتے چلے جاتے ہیں۔ایک سچا سیاح نہ صرف مظاہر فطرت سے کشید کرتا ہے بلکہ اس کا روم روم نئی دنیا کی دریافت کیلئے مچلتا رہتا ہے اس دریافت کا اس کے داخل پر جو اثر ہوا ہے اس کا حسین بیان مستنصر حسین تارڑ نے اپنے سفر ناموں میں کیا ہے۔وہ یکم مارچ ۱۹۳۹ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ناول، سفر نامہ، ڈرامہ، افسانہ، خطوط اور کالم ان کی زندگی کی قابل ذکر جہتیں ہیں۔مستنصر بنیادی طور پر سیاح ہیں۔ان کے سفر نامے وسیع حلقے میں پڑھے جاتے ہیں۔سفر نامے کے میدان کی آبیاری کرتے ہوئے انہوں نے ایسی تصانیف پیش کیں کہ پڑھنے والوں کے ذہن الفاظ کی چاشنی اور بازیافت سے ہمیشہ لطف اٹھاتے رہیں گے۔۱۹۵۸ء سے لے کر تا حال مستنصر حسین تارڑ اس صنف پر طبع آزمائی کرتے آئے ہیں۔مستنصر حسین تارڑ کو اوائل عمری میں ادب و سیاحت سے دلچسپی تھی وہ ۳۴ سے زیادہ بچوں کے رسائل کے خریدار بھی تھے اور خود بھی ان میں لطیفے، چٹکلے اور کہانیاں بھیجا کرتے تھے اور کالج کے زمانے ہی سے ان کی سیاحت کا شوق ابھر کر سامنے آ گیا تھا۔

علی اصغر عباس مستنصر کے حوالے سے مستنصر کی ابتدائی زندگی کی روداد انہی کی زبانی لکھتے ہیں:

> ''ثانوی درجہ پاس کر کے تارڑ نے گورنمنٹ کالج میں قدم رکھا تو پہلے ہی قدم میں ''رتی گلی پیک'' سر کر ڈالی۔لڑکپن کی اس مہم جوئی نے اس کے اندر کے طالب علم کو آوارہ گرد بنا دیا جو انگلینڈ میں ٹیکسٹائل انجینئرنگ کا ڈپلومہ لینے گیا تو اپنا وقت گھومنے پھرنے، فلمیں دیکھنے اور تھیٹر سے لطف اندوز ہونے میں گزارنے لگا''۔اس نے بتایا: ''میں بنیادی طور پر داستان گو ہوں۔بنجاروں کی طرح گھومتے پھرتے دنیا دیکھنے کی عادت نے مجھے بصارت اور بصیرت عطا کی۔لندن کی آوارہ گردیوں کے دنوں میں معلوم ہوا کہ روس میں ایک انٹرنیشنل یوتھ فیسٹیول ہو رہا ہے، میں نے فارم پُر کر کے بھیج دیا، زبانوں کے علم کے خانے میں انگریزی، اردو، عربی، فارسی اور پنجابی کے اندراج نے مجھے نوجوانوں کے اس وفد میں شامل کرا دیا جو روس گیا ...... میں لندن سے واپس آیا تو ''نوائے وقت'' والے مجید نظامی صاحب نے مجھ سے ملاقات کی اور کہا کہ تم

ایک ایسی دنیا دیکھ کر آئے ہو جس کے بارے میں جاننے کیلئے ہم بے تاب ہیں تم اس سفر کی داستان لکھ ڈالو میں نے سنا، غور کیا اور پھر ''لندن سے ماسکو تک'' کے نام سے مختصر سا سفر نامہ لکھا جو ''قندیل'' میں تین اقساط میں شائع ہوا یوں آپ کہہ سکتے ہیں کہ میرے جیسے آوارہ گرد کو سفر نامہ نگار بنانے کا ''گناہ'' یا ''سہرا'' مجید نظامی صاحب کے سر ہے''۔ ؎

مستنصر صاحب لندن گئے تو وہاں سے ایک پاکستانی وفد بنا کر ماسکو چلے گئے اور واپسی پر مجید نظامی کے کہنے پر اپنی زندگی کا پہلا سفر نامہ لکھا جو قسط وار قندیل رسالے میں ۱۹۵۸ء میں چھپا لیکن یہ باقاعدہ کتابی صورت میں سامنے نہیں آیا بلکہ بعد میں مستنصر نے اس سفر نامے کی کہانی کو فاختہ ناول میں بیان کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی باقاعدہ پہلی تحریر ۱۹۶۹ء میں لکھی جو ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی۔ مستنصر کا پہلا سفر نامہ ''نکلے تیری تلاش میں'' ایسا سفر نامہ ہے جس نے مستنصر حسین تارڑ کی ادبی زندگی میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ مستنصر خود رقمطراز ہیں کہ:

''۱۹۶۹ء میں میرے اندر کے آوارہ گرد کو اچکل آئی اور میں ایک دن پیدل ہی خشکی کے راستے مختلف ملکوں کی سیر کو نکل پڑا۔ دو سال کی کھجل خواری کے بعد واپس لوٹا تو پھر دکان پر جا بیٹھا۔ ایک دن بیٹھے بٹھائے خیال آیا کہ جو کچھ دیکھ کر آیا ہوں اسے لکھ ہی لوں تو کیسا رہے۔ اردو بازار گیا، تین چار بڑے بڑے رجسٹر لایا اور لکھنے بیٹھ گیا۔ میری بنیادی طور پر دلچسپی تاریخ میں رہی ہے۔ اس لئے جہاں گیا وہاں سے معلومات اکٹھی کر کے ڈائری میں لکھ لیا کرتا تھا۔ یہ بہت سی ڈائریاں آج بھی میرے پاس موجود ہیں۔ تاریخ سے واقف تھا، جغرافیہ خود ناپ چکا تھا اس لئے لکھتے لکھتے رجسٹر بھر گئے تو دل میں خواہش ابھری کہ اسے کہیں چھپنا بھی چاہئے تین چار رسالوں کو لکھا کہ میں نے ایک ایسی چیز لکھی ہے جو میرے نزدیک بالکل نئی اور انوکھی ہے مگر کہیں سے کوئی حوصلہ افزائی نہ ہوئی مجبوراً خود شائع کرنے کا پروگرام بنایا۔ ابھی یہ پروگرام فائنل نہیں ہوا تھا کہ ''تلمیذ حقانی'' صاحب سے ملاقات ہوگئی وہ سپین سے عشق کرتے تھے۔ اندلس کے بارے میں جاننے کے اشتیاق نے انہیں مجھ سے ملوا دیا وہ مجھے ''سیارہ ڈائجسٹ'' کے دفتر لے گئے، مقبول جہانگیر سے ملاقات کرائی اور یوں ''نکلے تیری تلاش میں'' قسط وار چھپنا شروع ہوئی اگر اس وقت ''تلمیذ حقانی'' اور ''مقبول جہانگیر'' نہ ملتے تو میں آج جو کچھ ہوں شاید یہ نہ ہوتا۔

’’نکلے تیری تلاش میں‘‘ کتابی شکل میں شائع ہوئی تو اس کو بہت پذیرائی ملی‘‘۔ 8

مستنصر کے سفرنامے آغاز سے لے کر دورِ حاضر تک یکساں ذہنی اور تخلیقی رویے کی بدولت مقبولیت کی وجہ بنے ہوئے ہیں۔ مستنصر دورانِ سفر ایک ایک لمحے کی کیفیت کو قاری کے دل کی گہرائیوں میں اتارنے میں منہمک رہتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف سفرنامے کے فن سے بخوبی واقف تھے اور ان کے سفرنامے کا خاص مقصد تھا وہ لکھتے ہیں:

> ’’ٹی وی، ریڈیو، ڈراموں اور فلموں کی موجودگی میں سفرنامہ لکھنے کا کیا جواز ہے؟ یہ سوال پچھلے سفرنامہ نگاروں سے تو پوچھا جا سکتا ہے مگر مجھ سے نہیں کیونکہ میرا مقصد صرف معلومات بہم پہنچانا نہیں جو کہ ہمیں ان ذرائع ابلاغ کے ذریعے آسانی سے فراہم ہو جاتی ہیں بلکہ حسی زمانی اور مکانی تجربوں کے اسی لامحدود تنوع کو گرفت میں لانا ہے جو اصل میں ایک جنونی سیاحت میں سے جنم لیتے ہیں۔ میں سفر کے کسی ایک لمحے کو فوکس میں لاتا ہوں اور اس کا شعوری تجزیہ کرتا ہوں۔ اس تجزیے کے دو پہلو ہیں ایک تو وہ حسی تجربات ہیں جو چار چفیرے سے مجھ پر یورش کر رہے ہوتے ہیں اور دوسرا پہلو ایک ایسا مستقبل ہے جو اس مخصوص لمحے میں عدم ہے مگر جس کے ممکنات لامحدود ہیں یوں ایک دائرہ سا بننے لگتا ہے اور سفرنامہ پھیلتا چلا جاتا ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ اس روشنی کی رفتار سے تیز تر ایک لمحے کو اپنی گرفت میں لانا سفر کی سب سے انفرادی شے یہ احساس ہے‘‘۔ 9

مستنصر کے سفرناموں کی کامیابی کا ایک راز یہ بھی ہے کہ وہ اپنے سفرناموں میں پتھر کی عمارتوں یا جغرافیائی اور تاریخی مقامات کے بجائے انسان کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔ ان کا سفر زندگی کا متحرک اور بیانیہ ہے۔ وہ سفرناموں میں صرف ظاہری رنگینیوں ہی کو بیان نہیں کرتے بلکہ حقیقت کا رنگ ابھارنے کیلئے زندہ کرداروں کو شامل کرتے ہیں۔ یوں وہ مناظر فطرت سے ہی نہیں بلکہ مظاہر انسانی کے اندر رچی ہوئی تجلی کو بھی بخوبی دیکھتے اور بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے اکثر سفرناموں میں دوشیزائیں امید بھری نگاہیں لئے اجنبی سیاحوں کا استقبال کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ نیک سیرت اور خوش خصال کرداروں کی مدد سے اپنے سفرناموں میں شوخی کا رنگ بھر دیتے ہیں۔ سفرنامے کے کینوس پر مستنصر کی تصویر اس سیاح کی سی ہے جو مقصد کی ڈور میں لپٹے بغیر سفری تھیلے کو کندھے پر ڈال کر جہاں گردی کرتا ہے جو عالم کے خارج سے اپنی باطنی حسیات کو بیدار کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے تاثرات اور مشاہدات کو خارجی

لمس اور داخلی احساس کے ساتھ قاری تک پہنچتا ہے ۔مستنصر ٹریول لائٹ کے اصول پر عمل کرتے ہیں سفر اُن کے لئے ایک ایسی آواز ہے جس کی گونج کائنات کے جس کونے سے بھی ان کو سنائی دے وہ فوراً اس پر لبیک کہتے ہیں اور اس کی تلاش اور جستجو میں بیکراں ہو جاتے ہیں اور سفری بیگ کو کندھے پر ڈال کر گھر سے نکل پڑتے ہیں ۔وہ پڑھنے والوں کی دلچسپی کو بڑھانے کیلئے اور سفر ناموں میں شگفتگی پیدا کرنے کیلئے نثری حربوں سے خوب کام لیتے ہیں اور اپنی تحریروں میں تکنیک کے تجربات نے انہیں قارئین کا ایک وسیع حلقہ فراہم کیا ہے جن میں نوجوان قاری زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔

مستنصر نے مقامی، مذہبی، مشرقی اور یورپ و امریکہ کے سفر نامے تحریر کئے ہیں ۔ان کے سفر نامے چاہے کسی بھی جگہ، مقام یا دیس کے متعلق ہوں ان میں قاری کی دلچسپی ضرور ملتی ہے ۔ذوالفقار علی احسن مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں کو موضوع بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے قارئین بہت دلچسپی سے پڑھتے ہیں کیونکہ وہ لوگوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے اس میں بارہ مصالحوں کی چاٹ شامل کر دیتے ہیں ۔وہ شاید جانتے ہیں کہ قاری کیا پڑھنا چاہتا ہے، آج کے قاری کی یہی خواہش ہے کہ گھر بیٹھے بٹھائے سیر بھی کر لی جائے اور جنس کے حوالے سے چٹخارے دار باتوں سے اس کی ذہنی عیاشی بھی ہو جائے گویا مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے قارئین کیلئے دلچسپی کا باعث ہیں''۔ [۱۱]

مستنصر کا پہلا باقاعدہ سفر نامہ ''نکلے تیری تلاش میں'' ہے جو انہوں نے ایک طویل سفر کے بعد ۱۹۶۹ء میں لکھا اور پھر سیارہ ڈائجسٹ میں قسط وار چھپنا شروع ہوا۔ ''نکلے تیری تلاش میں'' سنگ میل پبلی کیشنز نے ۱۹۷۱ء میں باقاعدہ کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس سفر نامے کا عنوان مستنصر نے علامہ اقبال کے ایک مصرعے پر رکھا ہے ۔وہ خود اس تحریر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''بنیادی طور پر'' نکلے تیری تلاش میں'' میرے سفر ناموں کا آغاز ہی یہ سترہ ملکوں کا سفر نامہ ہے یہ عنوان بھی مجھے تلمیذ حقانی نے ہی تجویز کیا تھا۔ یہ علامہ اقبالؒ کا ہی مصرعہ ہے کہ
>
> نکلے تیری تلاش میں
>
> قافلہ ہائے رنگ و بو

اوراس کو شفیق الرحمٰن نے Approve کیا تھا اور میں تو شفیق الرحمٰن کی ''برساتی'' سے اتنا متاثر ہوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ ''برساتی'' ہی ''نکلے تیری تلاش میں'' کی ماں ہے''۔ [۱۲]

''**نکلے تیری تلاش میں**'' ۲۸ مضامین اور ۲۸۶ صفحات پر مشتمل سفرنامہ ہے۔ جس میں مستنصر نے مغربی تہذیب و تمدن کو زندگی کی گہما گہمیوں سے منسلک کر کے بیان کیا ہے۔
یہ سفرنامہ اس لئے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس سفرنامے کا ایک مضمون ''اپاہج وینس'' ماسکو یونیورسٹی کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ محمد خالد اختر ''نکلے تیری تلاش میں'' کا تجزیہ یوں کرتے ہیں۔

''مستنصر حسین تارڑ نے اپنا سفرنامہ ''نکلے تیری تلاش میں'' لکھ کر سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اس پر تخیل رومینٹک نوجوان نے یہ سفرنامہ لکھتے وقت مروّجہ ترکیب کو استعمال میں لانے کی پروا نہیں کی اور روایت کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی ہے۔ اس لئے اس کا سفرنامہ اپنے پیش رووں سے کہیں زیادہ اوریجنل، دلچسپ اور اُجلا ہے وہ جذبات نگاری یا ارغوانی ٹکڑے ٹانکنے سے نہیں ڈرتا اور اس کا مچلتا ہوا جوشیلا پن، نوعمری کارومانی انداز اور مکمل بھولپن پڑھنے والے کو اپنے دام میں لے لیتے ہیں''۔ [۱۳]

''**نکلے تیری تلاش میں**'' مستنصر کا ایسا سفرنامہ ہے جس نے سفرنامے کی تاریخ میں نیا باب رقم کیا ہے۔ اس سے پہلے سفرنامے کو اردو ادب کی باقاعدہ صنف میں شامل نہیں کیا جاتا تھا۔ مستنصر خود اس حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

''دلچسپ بات یہ ہے کہ اس وقت تک سفرنامے کو ادب کی صنف نہیں سمجھا جاتا تھا یہاں تک کہ اکادمی ادبیات والے بھی اسے کسی گنتی میں شمار نہیں کرتے تھے۔ میں نے شفیق الرحمٰن صاحب سے بات کی تو پھر اسے بھی ادبی کتابوں کی فہرست میں شامل کیا گیا۔ یوں آپ کہہ سکتے ہیں کہ سفرنامے کو ادبی صنف کے طور پر منوانے کا کریڈٹ مجھے جاتا ہے''۔ [۱۴]

مستنصر نے رومانی تخیل کی پرواز کے بے شمار مواقع فراہم کئے ہیں۔ اس سفرنامے میں افسانوی رنگ بھی قابل یقین صورت میں ملتا ہے۔ مستنصر ٹین ایجر لڑکیوں کو خود ترحمی کے جذبہ سے رُلانے کا گُر جانتے ہیں۔ ''نکلے تیری تلاش میں'' ایک ایسی ہی اپاہج لڑکی کی کہانی ہے جس میں رومانویت اور تخیل کی آمیزش سے مستنصر نے اسے ہر دور کے قاری کے لئے قابل قبول بنا دیا ہے۔

''**نکلے تیری تلاش میں**'' کے ساتھ ساتھ ہی مستنصر نے ''**اُندلس میں اجنبی**'' جوان کا دوسرا سفرنامہ ہے جو پہلی بار ۱۹۷۵ء میں سنگ میل پبلی کیشنز نے شائع کیا۔

''اُندلس میں اجنبی'' ۲۶۰ صفحات پر مشتمل سفری روداد ہے۔ یہ ایک بیانیہ ہے جس نے جدید سفرنامے کو ایک نئی جہت عطا کی۔ اندلس جو مسلمانوں کیلئے ہمیشہ باعث کشش ہے اور کوئی بھی خود کو اس کے سحر سے نہیں چھڑا سکا۔ مستنصر نے بھی اسے بالخصوص اپنا موضوع بنایا ہے اور تاریخی واقعات کو کچھ ایسے انداز کے ساتھ پیش کیا ہے کہ قاری تا دیر اس جادو بیانی سے خود کو الگ نہیں کر سکتا۔ انداز ملاحظہ ہو۔

> ''اُندلس تاریخی اور جذباتی اعتبار سے اتنا اہم ہے کہ وہ دس بیس صفحوں میں نہیں سما سکتا تھا اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ اس کو ایک مختلف روپ دوں۔ یہ کتاب پڑھ کر ہزاروں نہیں تو سینکڑوں لوگ اُندلس گئے ہیں اور ایک ایک چپہ دیکھا ہے۔ اب بھی مجھے کبھی نہ کبھی اُندلس کے شہر سے ٹیلی فون آ جاتا ہے کہ تارڑ صاحب میں آپ کی کتاب پڑھ کر فلاں جگہ کھڑا ہوں اور آپ کی یہ لائنیں پڑھ رہا ہوں۔ اس کتاب کا کم از کم اتنا اثر ضرور ہوا کہ کم از کم پاکستانیوں کو یا مسلمانوں کو اپنے زریں عہد کی آ گاہی پہنچی''۔ ۱۵

''اُندلس میں اجنبی'' مستنصر کا ایسا سفرنامہ ہے جس کی روایت دوبارہ زندہ ہونا مشکل ہے کیونکہ ویسا اُندلس موجود نہیں ہے۔ احمد ندیم قاسمی اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''اندس میں اجنبی اس لحاظ سے بھی ایک اہم سفرنامہ بلکہ ادب پارہ ہے کہ اس نے مستنصر کے تدریجی فنی ارتقاء کا ایک ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ ''نکلے تیری تلاش میں'' سے لے کر اب تک مستنصر کا مطالعہ کیجئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلسل آگے بڑھ رہا ہے۔ ''نکلے تیری تلاش میں'' ہی نے اسے بڑی شہرت دی تھی۔ یہ شہرت بہت ظالم چیز ہے۔ ظرف تنگ ہو تو اسے چھلکا دیتی ہے۔ شہرت کے اس نشے نے اچھے اچھوں کی جڑیں کاٹی ہیں۔ کیسے کیسے ہونہار اس نشے کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں کہ ایک دم بہت سی شہرت ملی تو جہاں تک پہنچے تھے وہیں رک گئے اور جامد ہو کر ختم ہو گئے۔ خوش قسمتی سے مستنصر کا رویہ ان سے مختلف ہے۔ ''نکلے تیری تلاش میں''، ''اُندلس میں اجنبی'' تک آ پہنچا ہے جس کے ادبی اور فنی معیاروں پر جو شک کرے وہ کافر ہے۔ اردو ادب اس ایک کتاب کی اشاعت سے کتنا بہت سا امیر ہو گیا ہے مجھے یقین ہے کہ اب مستنصر خوب تر کے بعد خوب ترین کی تلاش میں نکل کھڑا ہو گا''۔ ۱۶

''اُندلس میں اجنبی'' کے بعد سنگ میل پبلی کیشنز نے ۱۹۷۸ء میں مستنصر کا جو سفر نامہ شائع کیا وہ ''خانہ بدوش'' ہے۔ یہ سفر نامہ ۳۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کو دلچسپ بنانے کے لئے مستنصر نے ۲۷ مضامین کے ذریعے اسے مکمل کیا ہے۔

اندرون ملک کئے گئے سفر کا بیانیہ ۱۹۸۵ء میں ''ہنزہ داستان'' کے عنوان سے سنگ میل نے شائع کیا۔ یہ سفر نامہ اپنے ملک سے متعلق ہے اس لئے مستنصر کا لگاؤ اور دلچسپی فطری ہے۔ یہ سفر نامہ موضوعات کے تنوع کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ فنی حوالے سے بھی انفرادیت رکھتا ہے۔ اس سفر نامے میں حقیقت کا غلبہ ہے جس نے سفر نامے کی صداقت کو قابل یقین بنا دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس سفر نامے پر ایک سچی آپ بیتی ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ مستنصر نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ انسان تو زوال پذیر ہو سکتا ہے لیکن فطرت ہمیشہ اپنا سحر قائم رکھتی ہے۔ بیانیہ انداز میں لکھا گیا یہ سفر نامہ ۱۸ عنوانات پر مشتمل ہے۔

اس سفر نامے میں مقامی رسم و رواج، رہن سہن اور معاشرے کی عکاسی ملتی ہے۔ تہذیب و تمدن سے دلچسپی اور انتہائی توجہ سے بیان کیا گیا یہ سفر نامہ نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک پڑھنے والوں کیلئے خاص کشش رکھتا ہے۔ مستنصر نے ہنزہ داستان کو نہایت عمدہ اسلوب میں پیش کیا ہے۔ ان کا اسلوب اس لئے بھی قابل توجہ ہے کہ وہ الفاظ کی چاشنی اور حقیقت کے رنگ کو تکنیک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جو ان کا خاص حربہ ہے۔

''ہنزہ داستان'' لکھنے کے بعد مستنصر نے شمالی علاقہ جات کے سفر اور سفر ناموں کا باقاعدہ آغاز کیا ہے۔ شمال کے حوالے سے ۱۹۸۷ء میں ان کا سفر نامہ ''سفر شمال کے'' سنگ میل پبلی کیشنز نے شائع کیا جو ۲۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ بیانیہ انداز میں لکھے گئے اس سفر نامے کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں سوات کے سفر کا بیانیہ ہے جو ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

اسی طرح دوسرا حصہ ''سفر خنجراب کا'' کے عنوان پر مشتمل ہے جس میں چودہ عنوانات ہیں۔

''سفر شمال کے'' شمال پر لکھی گئی مستنصر کی دوسری کتاب ہے۔ اس سفر میں ان کی اہلیہ اور تین بچے ہمراہ ہیں۔ اس سفر نامے میں مستنصر نے اکثر ان مقامات کا بھی ذکر کیا ہے جو ''ہنزہ داستان'' میں پہلے بھی بیان کئے جا چکے ہیں لیکن یہاں مستنصر کا انداز نسبتاً منفرد ہے۔ انہوں نے پندرہ دن اور پندرہ راتوں کا سفر کر کے یہ سفر نامہ تکمیل تک پہنچایا۔ ان کے منفرد طرز تحریر کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ یہ سفر نامہ ہی تاریخی انداز میں شروع کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''میرے سامنے فنِ گندھارا کا جو نمونہ ہے وہ اس عظیم سٹوپا کا ایک حصہ تھا جس میں
مہاتما بدھ کی خاک دفن کی گئی تھی۔ میرے سامنے بھربھرے پتھر کا ایک قدیم ٹکڑا ہے جو
پونے دو ہزار برس پرانا ہے شاید دو ہزار برس بھی ...... اس نمونے میں ایک کہانی بیان
کی گئی ہے درمیان میں مہاتما بدھ کا شائبہ ہوتا ہے۔ شائبہ اس لئے کہ یہ پتھر سینکڑوں
برس زمین میں دفن رہا اور اس پر زہریلے نمکیات اور پانیوں کا اثر ہوا اور یوں
خوبصورت مجسمے ریزہ ریزہ ہونے لگے۔ مہاتما بدھ کا سر نہیں ہے یہ کسی شخص نے ثواب
کمانے کی خاطر توڑ دیا ہوگا ...... کہانی یہ ہے کہ مہاتما بدھ گیا کہ جنگلوں کے کسی غار میں
گیان دھیان میں گم ہیں اور ہندوؤں کا دیوتا اندرا اپنے مضراب نواب کے ہمراہ ان کی
خدمت میں حاضر ہوتا ہے تاکہ ان سے روحانی رہنمائی حاصل کر سکے۔ اس کہانی کو
''اِندرا سالا'' یعنی اندرا کی غار بھی کہا جاتا ہے''۔ ۱۶

مستنصر نے تین الگ الگ سفر کئے اور ان تینوں سفروں کو یکجا کر کے انہوں نے ''نانگا پربت'' کے عنوان سے سفر نامہ لکھا ہے جو ۱۹۹۱ء میں سنگ میل پبلی کیشنز نے شائع کیا۔ ''نانگا پربت'' مستنصر کی وہ بہترین کتاب ہے جس پر اکادمی ادبیات پاکستان کی جانب سے بہترین ادبی کتاب کا بابائے اردو ''ڈاکٹر مولوی عبدالحق ایوارڈ'' دیا گیا ہے۔ تین حصوں پر مشتمل یہ کتاب تین سفروں کے حال بیان سے مکمل ہوئی ہے۔ پہلا حصہ ''پہلا سفر'' کے عنوان پر مشتمل ہے۔

اسی طرح ''دوسرا سفر'' پندرہ عنوانات کی وساطت سے بیان کیا گیا ہے۔

کتاب کا آخری حصہ ''تیسرا حصہ'' تین عنوانات سے تکمیل پاتا ہے۔

یہ کتاب ۴۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

''کے ٹو کہانی'' ۱۹۹۳ء میں سنگ میل پبلی کیشنز نے پبلش کی اس کے ۴۲۹ صفحات اور ۴۳ عنوانات ہیں۔

''کے ٹو کہانی'' مستنصر کی وہ کتاب ہے جس کی تقریب رونمائی کے ٹو کی چوٹی پر جہاز میں ہوئی۔ مستنصر اپنے سیاحت کے شوق کو پورا کرنے کیلئے چترال کا رخ بھی کرتے ہیں اور پھر ۱۹۹۴ء میں سنگ میل پبلی کشنز کی وساطت سے ''چترال داستان'' شائع کرتے ہیں۔ یہ سفرنامہ ۲۴۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس سفرنامے میں گلگت، وادی کوپس، وادی پھنڈر، درہ شیندور، چترال اور کافرستان کے سفر کی داستان بیان کی گئی ہے۔ یہ بیانیہ انداز میں لکھا گیا سفرنامہ ہے جس میں مستنصر نے تہذیب و کلچر کو خوبصورت اور آسان انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے تین حصے ہیں۔
پہلے حصے میں گیارہ عنوانات ہیں۔

''چترال داستان'' میں شامل یہ آخری حصہ ''کافرستان'' میں ایک سٹیج ڈرامے کے حوالے سے بات کی گئی ہے جس میں ڈرامے کی تکنیک کا عنصر غالب ہے۔ ''**یاک سرائے**'' مستنصر کا ایسا سفرنامہ ہے جس میں انہوں نے موت کو علامت بنایا ہے اور جو ہر وقت اُن کا پیچھا کر رہی ہوتی ہے۔ یہ سفرنامہ ۱۹۹۷ء کو سنگ میل پبلی کیشنز نے شائع کیا۔ یہ ۴۴۸ صفحات اور ۴۴ عنوانات کے ذریعے تکمیل پاتا ہے۔

ان ۴۴ عنوانات کے ذریعے مستنصر اس سفر کی داستان مکمل کرتے ہیں اور موت جو حقیقت ہے اور ہر سیاح کو احساس دلاتی رہتی ہے ''یاک سرائے'' میں مستنصر قدم قدم پر اس حقیقت کو یاد کرتے ہیں اور موت کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان پر مایوسی چھائی رہتی ہے جس کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے۔ مستنصر لکھتے ہیں کہ:

> ''میرے اوپر پہنچ جانے پر پورٹرز نے تالیاں بجائیں...... اور میں اس عمودی بلندی پر ڈھیر ہوا اور منہ کھول کر گہرے سانس لینے لگا...... میرے بدن میں ایک سناٹا اور خوف تھا اور اس کی لرزش کم نہ ہوتی تھی...... میں نہیں جانتا تھا کہ میں کہاں ہوں میں کس جگہ پر ہوں...... یہ کون سا مقام ہے اور مجھے اب کدھر جانا ہے...... میں صرف یہ جانتا تھا کہ میں زندہ ہوں میں نے ایک ایسے ٹریک پر آنے کی حماقت کی تھی جہاں شاید ہی کوئی آیا ہو۔ میں نے جان بوجھ کر ایسے راستے پر چلنے کی آرزو کی تھی جن پر کسی اور خانہ بدوش کے قدموں کے نشان نہ ہوں......تو مجھے اس کی قیمت تو ادا کرنی تھی......لیکن یہ قیمت بہت زیادہ تھی...... بہت بعد میں...... برسوں بعد، ایسے لمحے جن میں آپ نے موت کو قبر کی مٹی کی قربت تک دیکھا ہو...... بہت بعد میں وہ آپ کیلئے مسرت اور فخر کا سامان ہوتے ہیں کہ ہاں...... میں وہاں تھا اور بچ کر آ گیا......لیکن دریائے شین کی اُس ڈھلتی شام کو آج بھی جب میں یاد کرتا ہوں تو مجھے کوئی مسرت نہیں ہوتی۔ میرے لئے یہ ایک پرفخر یاد نہیں بنتی''۔ ۱۷

''**نیپال نگری**'' میں مستنصر نے سفرِ نیپال کا حال بیان کیا ہے۔ یہ سفرنامہ ۱۹۹۸ء میں سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور نے پہلی مرتبہ شائع کیا جس میں ۲۱ عنوانات اور ۳۴۸ صفحات شامل ہیں۔

اس سفرنامے میں تاریخ و تہذیب کو مصنف نے بیان کیا ہے اور اپنی دلچسپی کو برقرار رکھتے ہوئے اس کتاب کا انتساب بھی مستنصر نے گندھارا کے مہاتما بدھ کے نام کیا ہے۔ ''**شمشال بے مثال**'' اندرون ملک شمالی علاقہ جات پر لکھا گیا ساتواں سفرنامہ ہے جسے سنگِ میل پبلی کیشنز نے ۲۰۰۰ء میں شائع کیا۔ یہ سفرنامہ ۲۳۸ صفحات

اور ۲۷۳ عنوانات پر مشتمل ہے اس میں مصنف پر امید ہونے کے ساتھ ساتھ پرعزم نظر آتے ہیں۔ وہ سفر میں پیش آمدہ معمولی اور عام واقعات کو بھی دلچسپ اور معلوماتی انداز میں پیش کرتے ہیں۔

''**شمشال بے مثال کے بعد**'' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے ۲۰۰۰ء میں ہی مستنصر کے سفر کے تجربات و مشاہدات پر مشتمل ایک اور سفرنامہ ''سنولیک'' شائع کیا۔ یہ کتاب ۵۰۴ صفحات پر مشتمل ہے جس میں مقامات کو مدنظر رکھتے ہوئے مستنصر نے ابواب بندی کر کے سفرنامے کو تکمیل تک پہنچا کر قاری کی معلومات میں اضافہ کیا ہے۔

''**تلی پیکنگ کی**'' مستنصر کے سفرِ چین کے تجربات و مشاہدات کی کہانی ہے۔ اس سفرنامے کو سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور نے ۲۰۰۰ء میں پہلی بار شائع کیا۔ اس سفرنامے کے عنوان کا تعارف کرواتے ہوئے مستنصر سفرنامے کے آغاز میں لکھتے ہیں:

''تِلی پیکنے دی تے نقش روم والے''

> ''ہیر کے حسن کی مدح میں لکھے گئے وارث شاہ کے اس مصرعے سے میں نے سفرنامے کا عنوان مستعار لیا ہے...... اگرچہ لفظ ''پیکنے'' کے بارے میں کچھ اختلاف ہے کہ یہ دراصل ''تِلی پیکھنے دی'' ہے یعنی تماشا کی تِلی...... ہیر وارث شاہ کے کچھ نسخوں میں ''پیکنے'' درج ہے اور کچھ میں ''پیکھنے'' میرے نزدیک بھی ''پیکھنے'' زیادہ قرین از قیاس ہے کہ اُن زمانوں میں بیجنگ، پیکنگ نہیں کہلاتا تھا...... اس کے باوجود میں نے ''پیکنے'' پر انحصار کیا ہے۔ اگر لی پو کی تِلی میرے ہمراہ پرواز کر سکتی ہے تو ''پیکھنے'' بھی ''پیکنے'' ہو سکتا ہے''۔ ۱۸

''**تلی پیکنگ کی**'' ایسا سفرنامہ ہے جس میں تاریخ کی وہ روایت نظر آتی ہے جو ''اُندلس میں اجنبی'' میں موجود ہے۔ چین کے اس سفر کو مستنصر نے ۴۹ عنوانات کے ذریعے سفرنامے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ان عنوانات میں مستنصر نے مقامات کی سیر کو ترتیب دے کر فہرست میں مزین کر کے پیش کیا ہے۔

''سنہری اُلو کا شہر'' مستنصر نے دِلّی ہندوستان کا سفر کرنے کے بعد رقم کیا ہے۔ جس میں انہوں نے دہلی کی تہذیب و تمدن اور ثقافت کو بیان کیا ہے۔ یہ سفرنامہ ۲۰۰۱ء میں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے پبلش کیا جو ۳۳ عنوانات اور ۲۷۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

مستنصر نے اپنے وطن سے محبت کا ثبوت دیتے ہوئے دنیا کے بلندترین میدان کا سفر کرکے ''دیوسائی'' (دنیا کے بلندترین میدان دیوسائی کے پار) کے عنوان سے ۲۰۰۲ء میں کتاب لکھی جسے سنگِ میل پبلی کیشنز نے شائع کیا۔ یہ کتاب ۳۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

مستنصر جو ہمہ جہت ادیب ہیں اوران کی تحریروں میں جنسیت کی لذت اور مردشناس خوبصورت عورتوں کا کثرت سے تذکرہ جو ہرسٹیشن اور ہرموڑ پر کھڑی موصوف پر جان نچھاور کرتی ہیں۔ قارئین مصنف کی ایسی تحریریں پڑھنے کے بعدان سے ایسی کوئی توقع نہیں رکھتے کہ کبھی مستنصر حورانِ خُلد کا ذکر بھی اپنے کسی سفرنامے میں کریں گے اور ''منہ وَل کعبے شریف'' جیسا سفرنامۂ حج بھی تحریر کریں گے۔ ''منہ وَل کعبے شریف'' سنگِ میل لاہور نے ۲۰۰۴ء میں پہلی بار شائع کیا۔ یہ اردو زبان میں لکھا ہوا سفرنامہ ہے لیکن اس کا عنوان پنجابی زبان میں رکھا گیا ہے۔ مصنف اس سفرنامے کے عنوان کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> ''اس کا نام ''منہ وَل کعبے شریف'' ہے کیونکہ میری نانی جان نے مجھے نماز سکھائی تھی تو کہا تھا کہ بیٹا! نیت ہمیشہ پنجابی میں کرتے ہیں اپنی مادری زبان میں کرتے ہیں تو میں جب بھی نماز پڑھتا ہوں تو ''منہ وَل کعبے شریف'' ہوتا ہے''۔ ۱۹

اپنے سفرنامۂ حج کو مکمل کرنے کیلئے مستنصر نے ۳۲ مقامات اور ۵۵ عنوانات کا سہارا لیا ہے۔
ڈاکٹر وحیدالرحمٰن خان مستنصر کے سفرنامۂ حج پر یوں رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''منہ وَل کعبہ شریف'' میں مصنف کا چہرہ ہمہ وقت کعبے کی جانب رہا ہے، نگاہ بھی روبرو رہی ہے لیکن انہوں نے حدِ نگاہ میں آنے والے دیگر مناظر کونظر انداز نہیں کیا چنانچہ اس تصنیف میں ''من کی دنیا'' کے نظارے ہیں۔ ذوق وشوق کے مظاہر ہیں۔ روحانی کیف وسرور کا اظہار ہے، آبِ زم زم اور عرق انفعال ہے، سفید احرام میں سیہ پوش کعبے کا طواف ہے، مقاماتِ مقدسہ کی زیارات ہیں، تاریخ کے ایمان افروز واقعات ہیں، انوار وتجلیات ہیں...... اور ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ اس میں ''تن کی دنیا'' کی تصویریں ہیں، شیطانی وسوسے ہیں، تشکیک کا رجحان ہے، حُبِ دنیا اور حسرتِ گناہ ہے، عرب طرزِ حیات ہے، ثقافت، معاشرت اور سماجیات ہے، اہلِ عرب کی علم بے زاری، حسن پرستی اور شکم مستی کے تذکرے ہیں، غرض کہ دفتر

شکایات ہے...... یہ سفرنامہ ایک عہد کا عکاس ہے۔ یہ سفرنامہ ایک دل، ایک دماغ اور چشمِ بینا کا ترجمان ہے''۔ ۲۰

''غارِ حرا میں ایک رات'' بھی مستنصر کا ایسا سفرنامہ ہے جو انہوں نے غارِ حرا میں رات گزار کر اپنی محسوسات اور جذبات و مشاہدات کو قارئین کی نظر کیا ہے۔ یہ سفرنامہ ۲۰۰۴ء میں سنگ میل پبلی کیشنز نے پہلی بار شائع کیا۔ مصنف اس کا تعارف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''منہ وَل کعبے شریف کے ساتھ'' ہی میری ایک کتاب ''غارِ حرا میں ایک رات'' آ رہی ہے یہ کوئی اتفاق نہیں ہوا تھا بلکہ اس سلسلے میں میں نے بہت پلاننگ کی تھی میری بڑی خواہش تھی کہ میں غارِ حرا میں ایک رات گزاروں اور جب موقع مل گیا تو یہ اعزاز بھی مل گیا...... کیونکہ جس طرح میری تاریخ میں دلچسپی ہے اسی طرح میں یہ سمجھتا ہوں کہ غارِ حرا اور غارِ ثور دو واحد جگہیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک تبدیل نہیں ہوئیں وگرنہ اُس زمانے کی کوئی اینٹ باقی ہے نہ کوئی پتھر نہ کوئی اور چیز پہاڑ تو باقی ہیں ایسی جگہ جہاں پر رسولؐ کے سانس محفوظ ہوں جہاں اُن کی موجودگی کو محسوس کیا جائے...... چنانچہ غارِ حرا میرے لئے بہت ہی زیادہ اہم تھی اور وہاں پر میں نے جو وقت گزارا اس میں میں نے اپنے انداز سے مشاہدے کئے۔ میرے ساتھ کوئی انوکھے واقعات تو نہیں ہوئے لیکن یہ اتنی شاندار جگہ ہے کہ اگر ممتاز مفتی جیسا کوئی خلاق شخص ہوتا تو وہ جانے کیا کیا کرتا''۔ ۲۱

''غارِ حراء میں ایک رات'' ۲۹۶ صفحات اور ۱۸ عنوانات کی وساطت سے مکمل ہوا ہے۔

''برفیلی بلندیاں'' مستنصر کے دو سفروں پر مشتمل سفرنامہ ہے۔ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور نے ۲۰۰۴ء میں یہ سفرنامہ پہلی مرتبہ شائع کیا جو ۴۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلا سفر ''فیئری میڈو اور ننگر پکھورا ٹریک'' کے متعلق ہے۔ اسی طرح دوسرا سفر ''ہوشے سے درّہ گندوگورو کے بیس کیمپ تک اور لیلےٰ پیک'' کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح ''رتی گلی'' مستنصر کا ایسا سفرنامہ ہے جسے سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا جو ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس سفرنامے میں مستنصر وادئ کاغان اور آزاد کشمیر سے متعلق سفر کے تجربات بیان کرتے ہیں۔ اور یوں ان کا یہ سفر ۴۰ عنوانات کے ذریعے تکمیل پاتا ہے۔

''ماسکو کی سفید راتیں'' میں مستنصر نے روس کے سفر کی رُوداد بیان کی ہے۔اس سفرنامے کو سنگِ میل لاہور نے ۲۰۰۸ء میں پہلی بار شائع کیا۔انہوں نے اس کتاب کو ۳۳۶ صفحات اور ۲۹ عنوانات کے ذریعے مکمل کیا ہے۔روس کے سفر کے تجربات کو مصنف نے مختلف عنوانات کے ذریعے دلچسپ بنا کر بیان کیا ہے۔

۲۰۰۹ء میں سنگ میل نے ''نیو یارک کے سو رنگ'' کے عنوان سے مستنصر کا سفرنامہ شائع کیا جو انہوں نے امریکہ کے سفر کے حوالے سے تحریر کیا تھا۔یہ سفرنامہ ۳۸ عنوانات اور ۶۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

''الاسکا ہائی وے'' مستنصر کا ایسا سفرنامہ ہے جس نے کونج کو وہ بطور علامت اپنا ساتھی بناتے ہیں کونج سارے سفر میں ان سے ہمکلام ہوتی ہے انہوں نے اس سفرنامے میں اپنے کینیڈا اور امریکہ کے سفر کے متعلق لکھا ہے جسے سنگ میل لاہور نے ۲۰۱۱ء میں پہلی بار شائع کیا۔اُن کی یہ کتاب ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں انہوں نے ۲۷ عنوانات شامل کئے ہیں۔

۲۰۱۱ء کے آخر میں مستنصر کا شائع کردہ آخری سفرنامہ ہیلو ہالینڈ ہے۔تا حال یعنی ۲۰۱۳ء تک اس سفرنامے کے بعد ان کا کوئی سفرنامہ منظر عام پر نہیں آیا ہے۔یہ ان کے ہالینڈ کے سفر کی داستان پر مبنی ہے۔اس کے ۲۲۴ صفحات اور ۳۳ عنوانات ہیں۔

یہ مستنصر کے سفرناموں کا زمانی اعتبار سے مختصر سا تعارف ہے جس سے اُن کے سفرناموں کے موضوعات اور اُن کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ان کے سفرنامے انسانی نفسیات کی ترجمانی کرتے ہیں۔راقمہ نے چونکہ ۲۰۱۳ تک کے سفرناموں کا تجزیہ پیش کیا ہے لیکن مستنصر کے سفرناموں کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔اُن کے ذوق و شوق کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آخیر عمر تک مستنصر سفر کرتے اور سفرنامے لکھتے رہیں گے تاہم انہوں نے ابھی تک سفرنامے لکھنے اور سفر کرنے کا سلسلہ منقطع نہیں کیا ہے وہ اپنی ۷۴ سال کی زندگی بسر کرنے کے بعد بھی حال میں چین کے سفر سے متعلق سفرنامہ لکھ رہے ہیں جس کے عنوان کو فی الحال انہوں نے حتمی شکل نہیں دی۔چین کے متعلق لکھے جانے والے سفرنامے کا مختصر سا مواد پیش ہے جو مستنصر کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے۔یہ دو صفحات ان کے چین کے سفر کی روداد کے درمیانی حصے سے ہیں کیونکہ یہ غیر مطبوعہ سفرنامہ ہے اس لئے اس تک رسائی مشکل تھی لہٰذا اس سفرنامے کی زبان و بیان،اسلوب اور کرداروں کے متعلق رائے دینا مشکل ہے البتہ انداز ملاحظہ ہو:

مستنصر کے عنوانات قاری کے لطف اٹھانے میں کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔مستنصر کے سفرناموں میں معلومات فراہم کرنے کا سلسلہ لمحہ بہ لمحہ جاری رہتا ہے۔ذوالفقار علی احسن کے سفرناموں پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رسم و رواج روایات اور معاشرت کی عکاسی سفرنامے کے لوازم میں سے ایک ہے۔ اس سفرنامے کو ادھورا قرار دیا جائے گا جس میں تہذیب و تمدن، عادات، مزاج اور رہن سہن کا بیان نہ ہوگا۔مستنصر نے اپنے سفرناموں میں اس نکتے کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے وہ جہاں بھی گئے، اس معاشرے کو جس انداز سے دیکھا، پیش کر دیا۔مستنصر جس ملک میں بھی گئے ہیں انہوں نے وہاں کے لوگوں کے رہن سہن اور ان کے ماحول کی جھلکیاں پیش کی ہیں۔اس کے علاوہ انہوں نے وہاں کے لوگوں کے سماجی رویوں کو بھی بیان کیا ہے۔ان کی تحریروں سے قاری اُکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا اس طرح جب وہ خصوصاً یورپ کی تہذیب اور روایات کی عکاسی کرتے ہیں تو انہیں اس کو بیان کرنے کیلئے جنس کا سہارا لینا پڑتا ہے کیونکہ وہاں کی مادر پدر آزادی کو بیان کرنے کیلئے جنس کا بیان ضروری ہے اس طرح ان کے ہاں جنس نگاری کی صرف عمومی سطح ہی نہیں بلکہ خاص علمی و ادبی سطحیں بھی جا بجا ملتی ہیں''۔ ۲۲

اسی طرح کرنل محمد خان ''اُندلس میں اجنبی'' کا دیباچہ لکھتے ہوئے مستنصر کے سفرناموں پر یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

''مستنصر حسین تارڑ کے سفرنامے قدیم اور جدید سفرناموں کا سنگھم ہیں۔ان میں پرانے سفرناموں والی معلومات بھی ہیں اور ماڈرن سیاح کا چمکتا ہوا مشاہدہ بھی۔اس کا قاری بیک وقت ماضی اور حال میں سفر کرتا ہے۔ماضی کا نقشہ جمانے کیلئے مستنصر ماضی کا سہارا لیتا ہے اور حال کو بیان کرنے کیلئے وہ اپنے مشاہدے پر اکتفا کرتا ہے۔ پہلی صورت میں اختلاف رائے ممکن ہے کہ خود مورخین میں اختلاف ہے لیکن دوسری صورت میں نہیں کہ مستنصر کا مشاہدہ کھرا، خالص اور ناقابل تردید ہے''۔ ۲۳

حوالہ جات

۱۔ جمیل احمد انجم، پروفیسر، اردو ادب بیسویں صدی میں، ص۔۴۵

۲۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، چین کی حقیقتیں اور افسانے، ص۔۱۲۵

۳۔ جمیل احمد انجم، پروفیسر، اردو ادب بیسویں صدی میں، ص۔۱۴۵

۴۔ راغب شکیب، پیش لفظ، یورپ میں آٹھ ہفتے از ڈاکٹر نعمت اللہ

۵۔ محمود نظامی، نظر نامہ، ص۔۱۳۰

۶۔ ابن انشاء، چلتے ہو تو چین کو چلئے، ص۔۶۳،۶۴

۷۔ علی اصغر عباس، سنڈے پاکستان، ۷ مارچ ۱۹۹۹ء۔ص ۱۲

۸۔ مستنصر حسین تارڑ، سنڈے پاکستان، ۷ مارچ ۱۹۹۹ء۔ص ۱۳

۹۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اوراق۔جنوری، فروری، ۱۹۷۸ء ص ۲۳

۱۰۔ ذوالفقار علی احسن، اردو سفرنامے میں جنس نگاری کا رجحان۔ص ۱۴۱

۱۱۔ ہفت روزہ عزم، مشمولہ مستنصر حسین تارڑ سے خصوصی انٹرویو ۳۰ جولائی تا ۵ اگست ۲۰۰۶ء ص ۲۰،

۱۲۔ عالمی فروغِ اُردو ادب ایوارڈ، نکلے تیری تلاش میں، مشمولہ خالد اختر ۲۰۰۳ء

۱۳۔ مستنصر حسین تارڑ، سنڈے پاکستان ۷ مارچ ۱۹۹۹ء ص۔۱۳

۱۴۔ ہفت روزہ عزم، مشمولہ مستنصر حسین تارڑ سے انٹرویو ۳۰ جولائی تا ۵ اگست ۲۰۰۶ء ص ۲۰،

۱۵۔ ماہنامہ بیاض لاہور، مشمولہ احمد ندیم قاسمی، اندلس میں اجنبی، شمارہ ۱۱۔ص ۷۰

۱۶۔ مستنصر حسین تارڑ، سفر شمال کے۔ ص ۷،

۱۷۔ مستنصر حسین تارڑ، یاک سرائے، ص۔ ۲۳

۱۸۔ مستنصر حسین تارڑ، پتلی پیکنگ کی۔ ص ۳۰،

۱۹۔ ہفت روزہ عزم، مشمولہ مستنصر حسین تارڑ سے خصوصی انٹرویو، ۲۰۰۶ء ص۔ ۲۵

۲۰۔ وحید الرحمٰن خان، ڈاکٹر، منہ ول کعبے شریف، مشمولہ قومی زبان شمارہ ۱۲، ص ۲۴،

۲۱۔ ہفت روزہ عزم، مشمولہ مستنصر حسین تارڑ سے خصوصی انٹرویو، ۲۰۰۶ء ص۔ ۲۵

۲۲۔ ذوالفقار علی احسن، اُردو سفر نامے میں جنس نگاری کا رجحان، ص ۲۳۵

۲۳۔ کرنل محمد خان، دیباچہ اُندلس میں اجنبی از مستنصر حسین تارڑ

باب سوم

مستنصر حسین تارڑ کے بیرونِ ممالک پر لکھے گئے سفرناموں کا تجزیہ

★ نکلے تیری تلاش میں ۱۹۷۱ء

★ اُندلس میں اجنبی ۱۹۷۵ء

★ خانہ بدوش ۱۹۷۸ء

★ نیپال نگری ۱۹۹۸ء

★ پُتلی پیکنگ کی ۲۰۰۰ء

★ سنہری اُلو کا شہر ۲۰۰۱ء

★ منہ وَل کعبے شریف ۲۰۰۴ء

★ غارِ حرا میں ایک رات ۲۰۰۴ء

★ ماسکو کی سفید راتیں ۲۰۰۸ء

مستنصر کے بیرون ممالک پر لکھے گئے سفرناموں میں جنس نگاری کا رجحان

سفرنامہ ایک جامع صنفِ نثر ہے جس کی متنوع اقسام ہیں۔ایک وہ قسم ہے جس میں کسی ملک سے متعلق علمی، سفارتی یا کسی اورافادی پہلو کے حوالے سے لکھا جاتا ہے۔دوسری وہ قسم ہے جس میں کسی ملک یا خطے کی تاریخی، جغرافیائی، سماجی اور مذہبی حوالے سے بات کی جاتی ہے۔مستنصر نے اس طرز پر تخلیق کردہ ادب کو مقامی، مذہبی، مشرقی ومغربی سفرناموں کی صورت میں علمی وادبی دونوں لحاظ سے وقیع بنا کر پیش کیا ہے۔موضوع کی طوالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مستنصر کے سفرناموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔اُن کے سفرناموں کا ایک حصہ وہ ہے جو انہوں نے پاکستان کے شمالی علاقہ جات کے مشاہدات وتجربات کے حوالے سے تحریر کیا ہے اور دوسرا حصہ وہ ہے جس میں وہ بیرونِ ملک سفر کا احوال بیان کرتے ہیں۔

مستنصر نے جب مغرب کے سفر کا آغاز کیا تو اس وقت ان کے اندر حسِ آوارگی کا جوش وجذبہ عروج پر تھا۔ مغرب ایسی سرزمین ہے جو سیاحوں کو خودبخود اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔مغرب کا اپنا نظامِ حیات ہے۔اس کی ظاہری چمک دمک اور تہذیب وثقافت کو قریب سے دیکھنے کی خواہش مشرقی سیاحوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔مغرب کی چمک دمک نے مستنصر کو جنسی بے راہ روی کا شکار بھی کیا اور انہوں نے اپنے قلب ونظر کو وہاں کے دلکش نظاروں سے خوب مسحور کیا اور شعوری کوشش سے اپنا سفرنامہ ''نکلے تیری تلاش میں'' اور ''اُندلس میں اجنبی'' لکھ کر اُردو سفرنامے کو ایک نئے موڑ میں داخل کر دیا۔مستنصر اپنے انداز میں واقعات کو اتنی دلچسپی اور رنگینی کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ قاری بھی خودبخود اس مسرت میں شریک ہو جاتا ہے لیکن وہ اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔وہ قلم کے ذریعے چٹخارے تو لیتے ہیں لیکن مغرب کی جنسی آزادیوں کی رنگین تصویریں نہیں دکھاتے بلکہ ہلکے پھلکے انداز میں مغربی معاشرے کے چہرے سے نقاب اتار کر اس کا بھیانک روپ سامنے لاتے ہیں وہ ایسے حقائق کو منظر عام پر

لانے کیلئے موازنے کی تکنیک سے خوب کام لیتے ہیں۔ایسے مقامات کو بیان کرنے کیلئے وہ مشرق ومغرب کی تہذیبوں کا موازنہ کر کے مشرقی قاری کو اپنی تحریروں سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔وہ زبان وبیان کی چاشنی سے قاری کو ان دیکھی دنیاؤں سے یوں روشناس کراتے ہیں کہ قاری لحہ بہ لحہ بلکہ لفظ بہ لفظ ان کا ساتھ دیتا ہے۔وہ مختلف مما لک کی دنیا کو اتنے دلچسپ انداز سے قارئین کی نذر کرتے ہیں کہ قاری کی آنکھوں کے ساتھ وہاں کے مناظر متحرک ہو جاتے ہیں۔مستنصر اصناف نثر کی متعدد تکنیکوں کا سہارا لے کر واقعات ومشاہدات کو ایسے تحریر کرتے ہیں کہ قاریک ی

دلچسپی بھی برقرار رہتی ہے اور وہاں کے رسوم و رواج اور ثقافتوں سے بھی واقف ہو جاتا ہے۔وہ سفرنامے لکھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ کہیں بھی وہ مغربی تہذیب وثقافت کو بیان کرتے وقت مشرقی تہذیب وثقافت کو پس پشت نہ ڈالیں۔وہ مشرقی ومغربی تہذیب کا موازنہ یوں کرتے ہیں کہ مشرقی تہذیب کی نمایاں خصوصیات نکھر کر سامنے آجاتی ہیں یوں کہا جاسکتا ہے کہ مستنصر نے مشرقی تہذیب وثقافت کو اپنے سفرناموں میں نمایاں کر کے محفوظ کر دیا ہے جس کا بڑی فائدہ یہ ہوا ہے کہ موجودہ دور کا قاری اپنی معاشرتی اقدار پر فخر محسوس کرتا ہے۔انہوں نے اپنے

سفرناموں میں مغربی زندگی کا حقیقی رُخ سامنے رکھ کر یورپ کی تہذیب کے متعدد رُخ پیش کیے ہیں۔ جیسے قمطراز ہیں:

> ''ملاح نمبر ایک شرارت سے بولا۔ آپ کے ہوٹل کے عقب میں پگال کا علاقہ ہے...... ایسا علاقہ جہاں اگر ملاح گھس جائیں تو انہیں پولیس ہی آ کر نکالتی ہے''۔
>
> ''پگال تو پیرس کا بدنام ترین ایریا ہے''۔
>
> ''یہ بھی کچھ کم نہیں......'' ملاح نمبر دو تجربہ کار نظر آنے لگا۔ آپ کا ہوٹل تو یہ سامنے ہے، آیئے کچھ دیر کیلئے اُدھر ہو آئیں''۔
>
> میں نے مجبوراً ''ہاں'' کر دی جو قدرے پُرشوق تھی۔ پگال میں وہ تمام لوازمات موجود تھے جن کی غیر موجودگی میں ملاح سمندر پر پیاسا رہتا ہے۔ ناچ گھر، شراب خانے، نیلی فلمیں اور نیلی کیسٹ، کاروباری حسینائیں اور رہٹے کٹے غنڈے......'' [1]

مستنصر نے انفرادی زندگی کے معمولات سے لے کر اجتماعی شعبہ ہائے زندگی کو حسن و رعنائیوں کے ساتھ کاغذ پر اتار کر اپنی انفرادیت کا لوہا منوایا ہے۔ دنیا کی سیر و سیاحت مستنصر کا مرغوب مشغلہ ہے۔ وہ اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے نہ صرف سیر و سیاحت سے مرعوب ہوتے ہیں بلکہ قاری کو بھی تفریح کے بے شمار مواقع فراہم کرتے ہیں۔ وہ جہاں بھی سیر و تفریح کیلئے جاتے ہیں عقل و شعور کی آنکھیں کھول کر عہدِ رفتہ اور حال کا جائزہ لیتے ہوئے تاریخی داستان بھی رقم کر دیتے ہیں۔ ایسی تاریخ جو معلومات افزاء ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں پیش کی جاسکتی ہے۔

> ''گاڑی سٹیشن سے باہر نکلی تو مجھے احساس ہوا کہ عربوں کے اُندلس کی حدود یہاں سے شروع ہوتی تھیں۔ ان کی آمد سے قبل ہسپانیہ کا ایک صوبہ وہاں بسنے والی قوم وَندالی (VANDALS) کی مناسبت سے واندالُسیا یعنی وندالوں کا مسکن کہلاتا تھا جو بعد میں بگڑ کر اُندالیسا ہوا اور پھر اُندلس میں بدل گیا۔ عرب ان تمام علاقوں کو اُندلس کہتے تھے جو آج کل ہسپانیہ، پرتگال اور جنوبی فرانس کے اس حصے میں جہاں میری گاڑی جا رہی تھی، شامل ہیں''۔ [2]

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان جس جگہ، خطے یا ملک کا باشندہ ہوتا ہے وہ اس ملک یا خطے کی تاریخ، ثقافت اور تہذیب سے ضرور آگاہ ہوتا ہے۔ اسے اپنے خطے کی طرح اس کی تاریخ اور تہذیب و ثقافت سے بھی محبت ہوتی ہے

جس کی بدولت وہ مختلف معلومات حاصل کرکے اپنی تاریخ وثقافت اور تہذیب کو سنوارنے میں مصروف عمل رہتا ہے۔ بنی نوع انسان اگر چہ حال میں گزر بسر کرتا ہے اور مستقبل میں جینے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن وہ یہ کام اپنے ماضی کو فراموش کر کے نہیں کرسکتا یہ ایک فطری امر ہے کہ انسان ماضی کو کبھی نہیں بھول سکتا اور ماضی ہی ہمیشہ تاریخ بن کر سامنے آتا ہے۔ کوئی بھی زبان اپنے ماضی ہی کی وجہ سے پروان چڑھتی ہے اسی طرح کسی بھی زبان میں لکھا جانے والا ادب بھی ماضی کے قصے کہانیوں سے حیات جاوداں پاتا ہے۔ اسی طرح یہ قصے اور کہانیاں تاریخ کی صورت میں ادب کا موضوع بنتی ہیں لیکن یہ تاریخ ایک ادیب کے قلم سے ٹپکتی ہے جو صفحۂ قرطاس پر تاریخ کی صورت میں محفوظ تو ہو جاتی ہے لیکن ایک مورخ کی تحریر کی طرح بوریت کا شکار نہیں کرتی اسی طرح ایک سفرنامہ نگار جب قلم اٹھاتا ہے تو بے شمار واقعات کو جب صفحۂ قرطاس پر نقش کرنے لگتا ہے تو تاریخ بھی اس کے قلم سے ٹپکنے لگتی ہے لیکن ایک سیاح جب کسی ایسے ملک کی سیاحت پر نکلتا ہے جس کا رہن سہن، تاریخ، تہذیب اور ثقافت اس کے اپنے خطے سے مکمل طور پر مختلف ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں سیاح کیلئے ہر شے انوکھی ہوتی ہے اور جب وہ سفرنامہ لکھنے لگتا ہے تو وہ وہاں کے معاملات سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے کٹھن سے واقعات بیان کرتا ہے۔ اسی طرح اگر دیکھیں تو وطن سے دور دیارِ غیر میں سیاحت کے دوران وہاں کے مقامات کی تاریخ رقم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ لیکن مستنصر سیاحت کے ذوق کے ساتھ ساتھ مطالعے کا شوق بھی رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سفرنامہ لکھتے ہوئے سفرنامے کے لوازمات کا پورا حق ادا کرتے ہیں اور تاریخ کو پیش کرنے کیلئے تاریخ دانوں کے حوالے بھی لکھتے ہیں ان کے یہ حوالے مستنصر کی شخصیت کی عکاسی بھی کرتے ہیں اور ان کے سفرناموں کو مستند بنانے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مستنصر اپنے سفرناموں میں ایسے حوالوں کو رقم کرتے ہیں جو حقائق پیش کرنے میں کارآمد ثابت ہوتے ہیں اور اس سے اُن کی تاریخی دلچسپی اور تاریخی معلومات کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''گبن لکھتا ہے۔ ''اگر مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ یونہی جاری رہتا تو فرات اور نیل عبور کر لینے والی قوم کے لئے دریائے رائن پار کر لینا چنداں دشوار نہ تھا۔ ان کا بحری بیڑا بڑی آسانی سے دریائے ٹیمز میں داخل ہو جاتا۔ جنگ تورز میں عیسائیوں کو شکست ہو جاتی تو آج آکسفورڈ میں بائبل کی بجائے قرآن پڑھایا جاتا اور کلیسا سینٹ پیٹرز پر صلیب کی بجائے ہلال نصب ہوتا''۔ فلپ حتی اس جنگ کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ وہ لکھتا ہے ''جنگ تورز کسی صورت میں بھی فیصلہ کن نہ تھی کیونکہ صرف دو سال بعد مسلمانوں نے ایویان اور نو سال بعد لی آن جیسے مشہور فرانسیسی شہر روند

ڈالے۔پھر نا ربون کی آبادی آئی جہاں سے گرفتار کئے گئے عیسائی مسجد قرطبہ کی تعمیر پر لگائے گئے''۔ [۳۲]

مستنصر کا اندازِ تحریر اچھوتا ہونے کے ساتھ ساتھ متاثر کن بھی ہے کیونکہ وہ نا مانوس الفاظ کا استعمال نہیں کرتے بلکہ زبان وادب کی روایت کی پاسداری کرتے ہوئے قاری کے لئے آسان الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جس سے قاری اعلیٰ سے اعلیٰ تر مقصد کے بیان کو آسانی سے سمجھ جاتا ہے۔مستنصر زبان کی اس خوبی کو ایک تکنیک کے طور پر استعمال کرتے ہیں وہ زندگی سے متعلق کسی بھی واقعہ کے بیان کو آسان و رواں طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ اُن کے قلم کی روانی و تیزی میں وسیع النظری اور زیرک بینی سے عہدِ قدیم اور تاریخ کے واقعات کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔وہ جس تاریخی مقام کی سیاحت کے لئے جاتے ہیں وہ اپنی تحریروں میں اُس مقام و شہر کی شہرت کو دوام بخشتے ہیں۔ جیسے رقمطراز ہیں:

''قدیم تاریخ میں اس علاقے کو ''آریا'' یا ''آریانہ'' یعنی نسل آریہ کا مسکن کہا جاتا تھا جو بعد میں بگڑ کر ''ہری'' ہو گیا اور پھر ہرات کے نام سے مشہور ہوا۔شہر کے جنوب میں ''ہری دور'' یعنی دریائے ہری اب تک اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔۳۲۷ھ قبل مسیح میں سکندر اعظم نے اسے ''آرتاکونا'' کا یونانی نام دیا اور اس کے بالمقابل ایک نیا شہر ''سکندریہ'' آباد کیا۔فرشتہ کی تاریخ کے مطابق ۶۵۶ھ میں حضرت عثمانؓ کے گورنر عبداللہ بن امیر کے ہاتھوں ہرات فتح ہوا اور ایران کی مسلم سلطنت کا ایک حصہ قرار دیا گیا۔ان دنوں یہاں کی اکثر آبادی حضرت زرتشت کی پیروکار تھی۔غزنوی سلطانوں اور سلجوق ترکوں کے بعد یہ شہر خوارزم کے سلطانوں کے زیر نگیں آ گیا۔اس دور میں ہرات خوبصورت عمارات اور زمین کی زرخیزی کی وجہ سے مشہور رہا۔ایران اور طوران کی خونریز جنگوں کے باوجود ہرات کی خوشحالی میں کوئی فرق نہ آیا اور یہ ایک ایسا اہم تجارتی مرکز بن گیا جہاں سمرقند، بخارا، دہلی اور دمشق سے آتی ہوئی عظیم شاہراہیں آپس میں ملتی تھیں۔ایک تاریخی دستاویز کے مطابق ۱۲۱۹ء میں ہرات میں بارہ ہزار دکانیں، ڈیڑھ لاکھ رہائشی مکانات، ساڑھے تین سو مدرسے، چھ ہزار حمام، سرائے، پن چکیاں اور درجنوں شاہی محلات تھے۔یاقوت نے اسے خراسان کا امیر ترین اور سب سے بڑا شہر قرار دیا۔امن و آشتی کی اس فضا میں چنگیز خاں کے حملے نے زہر گھول کے رکھ دیا

ہراتی تاریخ دان خوندمیر کے مطابق چنگیز خاں کے دو حملوں میں پندرہ لاکھ سے زائد شہری قتل ہوئے۔سب سے پہلے ۱۲۱۹ء میں چنگیز خان نے ہرات کو تباہ کیا لیکن سلطان جلال الدین نے کمال شجاعت سے تاتاریوں کو مار بھگایا۔تین برس بعد ایک مرتبہ پھر تاتاری حملہ آور ہوئے اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی''۔ ۴۲

کوئی بھی سیاح فطری طور پر کائنات کے حسن میں دلچسپی رکھتا ہے۔موجودات کی اہمیت سے آگاہی دراصل ادیب ہی کی بدولت مہیا ہوتی ہے۔ایک ادیب جب سفرنامے کی صنف پر قلم اٹھاتا ہے تو اس سے پہلے وہ کسی بھی خطے کا سفر اختیار کرتا ہے۔اندرون ملک کے بے شمار علاقوں کی طرح ادباء نے بے شمار بیرون ممالک کا سفر بھی کیا اور دوران سیاحت پیش آنے والے حالات وواقعات کو موضوع بنایا جس سے قاری گھر بیٹھے بے شمار ممالک کی سیر بھی کر لیتا ہے اور وہاں کی بودوباش سے بھی آگاہ ہوتا رہتا ہے۔مستنصر نے بھی باقی ادباء کی طرح سفر کو ترجیح دی۔انہوں نے امریکہ، سپین، افغانستان، نیپال، چین، دہلی ہندوستان، روس، ہالینڈ اور پاک دھرتی مکہ معظّمہ کے سفر اختیار کیے تو ان ممالک کی سیاحت کے دوران انہوں نے بہت سی روایات، تاریخ وجغرافیہ، صنعت وحرفت، رسم ورواج اور دیگر معاشرتی رویوں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مقدس زیارات ومقامات اور اہم واقعات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔وہ ماضی کی حسین یادداشتوں کو نہایت شرح و بسیط کے ساتھ سفرنامے کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔اپنے سفرنامے ''غارِ حرا میں ایک رات'' میں لکھتے ہیں۔

''اگر بنونضیر کے قلعے کے یہ کھنڈر بھی مٹا دیئے جاتے ہیں جیسا کہ دستور ہو چلا ہے تو آئندہ نسلیں جب تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے اسے اپنے تصور میں لائیں گی تو اُن کے سامنے کوئی تصویر نہ ہوگی......شواہد نہ ہوں گے محض تصور ہوگا......اور یہ تصور ہوگا ......اور یہ تصور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ......جذباتی وابستگی اور عقیدے کی عظمت کو وسعت دیتے ہوئے ایک ٹھوس حقیقت کے بجائے ایک دیومالا کی صورت اختیار کر جائے گا......بنونضیر کا یہ قلعہ اگرچہ تین چار کنال کے رقبے پر محیط ہے......ایک بڑی حویلی جتنا بھی نہ ہوگا لیکن ہر شخص جب ایک قلعہ تصور کرے گا تو اپنے اپنے وطن میں جیسے قلعے ہوتے ہیں وہ انہی کا خیال کرے گا...... برصغیر کے باسی جب ''قلعہ'' کا تذکرہ پڑھیں گے تو اُن کے ذہنوں میں روہتاس، رانی کوٹ، لال قلعہ یا لاہور کا شاہی قلعہ ابھریں گے...... دیگر اقوام بھی اپنی تاریخ اور طرزِ تاریخ اور طرزِ تعمیر کے

نمائندہ قلعے ہی تصور میں لائیں گی''۔ ۵

وطن سے محبت ہر انسان کا فطری تقاضا ہے۔انسان چاہے کتنی ہی تکالیف میں کیوں نہ ہو وہ اپنے ہی دیس کو ترجیح دیتا ہے۔وطن سے دوری کا احساس انسان کی تمام ترترجیحات پر حاوی ہو جاتا ہے۔مستنصر اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ انسان دنیا کے کسی بھی کونے میں چلا جائے مگر وہ ہر شے میں اپنے وطن کا رنگ دیکھتا ہے اور ہر چیز میں اسے وطن کی جھلکیاں نظر آتی ہیں اپنے سفرناموں میں مستنصر نے ہر مقام و واقعہ کو صحیح خدو خال اور اصلیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔وہ بیانیہ انداز میں تاریخی معلومات قارئین کی نذر کرتے ہیں اور اسلاف کی گزرتی ہوئی تاریخ کے بیان سے سفرنامے کو دلچسپ بناتے ہیں۔مستنصر ایک حقیقت پسند سیاح کی طرح جب بیرونِ ممالک تفریح کا آغاز کرتے ہیں تو وہاں کے خطوں کی سیاسی،سماجی،تہذیبی اور معاشرتی زندگی کی بھی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔وہ مقدس مقامات کا ذکر کر کے قارئین کی معلومات میں بے پناہ اضافہ کرتے ہیں۔رقمطراز ہیں:

''وادی کھٹمنڈو میں رواں دریاؤں...... بھاگ متی اور وشنومتی کے درمیان واقع اس ہنومان دھوکا...... دربار چوک میں ہم آئے تھے تو دوپہر تھی اور اب شام ڈھلتی تھی...... ان کمیونسٹ ہنومان جی کی قربت میں ایک ''سنہری دروازہ'' ہے جس کے باہر دو شیر پہرا دے رہے ہیں......شیو اور شکتی ان شیروں پر سوار ہیں اور مجھے تو قدرے خوفزدہ لگے۔شیر پر سواری کرنا کوئی آسان کام نہیں۔بے شک آپ ایک دیوتا ہی کیوں نہ ہوں۔اس ''سنہری دروازے'' کا موازنہ......اور دنیا میں کہیں بھی اگر کوئی دروازہ ہوگا اور وہ ذرا سنہری ہوگا تو اس کا موازنہ اطالیہ کے مائیکل انجلو اور ڈی ونچی کے شہر فلارنس کے مرکزی چوک میں ایستادہ ''جنت کے دروازے'' سے کیا جاتا ہے''۔ ۶

مستنصر کا گہرا مشاہدہ اور بصیرت افروز قلب ونظر ایک رہبر کی حیثیت سے قاری کی اُنگلی پکڑ کر اسے ساتھ لے چلتا ہے اور قاری کیلئے ذاتی مشاہدے کو تاریخی واقعہ کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں کہ قاری ملک ملک کی سیر کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ کا مطالعہ بھی ہلکے پھلکے انداز میں کر لیتا ہے۔مستنصر تاریخ سے دلچسپی رکھنے کی وجہ سے تاریخ کا خوب مطالعہ کرتے ہیں وہ اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ تاریخ ایک غیر دلچسپ حقیقت ہوتی ہے جسے بیان کرنے سے اقوام زندہ ہوتی ہیں اس لئے وہ اپنے سفرناموں میں داستانِ سفر رقم کرتے کرتے تاریخ کے واقعات کو بھی بیان کر کے معلومات میں اضافہ کرتے ہیں لیکن کہیں بھی ان کے سفرناموں میں قاری اُکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا کیونکہ وہ تکنیکی تجربات سے دلچسپی کے عنصر کو برقرار رکھ کر لکھتے ہیں۔تاریخی واقعات کے بیان میں موازنے کی تکنیک

اور اسلوب کی چاشنی انہیں قاری کے قریب کرتی ہے وہ زبان و بیان کے ذریعے قاری کیلئے تاریخی واقعات کو دلچسپ بنا کر پیش کرتے ہیں جیسے غزنی کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''آج سے ایک ہزار سال قبل غزنی کو وہ شان اور عظمت نصیب ہوئی جو حال کے لندن اور نیویارک کی قسمت میں بھی نہیں ہے اور یہ سب کچھ صرف محمود کی ذات سے تھا۔ سلطان محمود نے سینکڑوں محلات اور مسجدوں کے علاوہ یہاں ایک عظیم الشان لائبریری بھی تعمیر کروائی۔ اس کے دربار میں امراء اور وزراء کے شانہ بہ شانہ شاعر، ادیب اور تاریخ دان بھی جلوہ افروز ہوتے۔ ان دنوں غزنی افغانستان کے صحراؤں میں ایک آبدار موتی کی طرح چمکتا تھا جس نے اپنی تابناک روشنی سے بغداد کو بھی ماند کر دیا تھا۔ سلطان محمود کا دار السلطنت بے شک بے مثال تھا۔ محمود کو سومنات کے براہمنوں نے صرف ایک بت کی خاطر بیس کروڑ روپے کی مالیت کے جواہرات بطورِ نذرانہ پیش کرنا چاہے اور محمود کا جواب ان تمام متعصب تاریخ دانوں کے منہ پر تھپڑ ہے جو اسے صرف لٹیرے کا نام دیتے ہیں۔ سلطان نے کہا: ''تمہاری وجوہات اپنی جگہ پر درست اور صائب ہیں لیکن محمود کبھی بھی تاریخ میں ''بت فروش'' کے نام سے نہیں پہچانا جائے گا'' سومنات کے ٹکڑے غزنی، مکہ اور مدینہ تک بھیجے گئے۔ ایڈورڈ گبن کے الفاظ میں: ''اس نڈر مسلمان کو موسم کی سختیاں، پہاڑوں کی بلندیاں، دریاؤں کی وسعتیں، صحرا کی بیابانیاں، دشمن کی کثیر تعداد اور مقابلے میں ہاتھیوں کے لشکر کبھی بھی ہراساں نہ کر سکے۔ بے شک غزنی کا محمود مقدونیہ کے سکندر سے بھی عظیم تھا''۔ [۷]

دیگر اصناف نثر کی نسبت سفر نامہ نگاری کیلئے بہادری اور شجاعت کی ضرورت ہوتی ہے، یہی خوبی اسے مشکل سے مشکل راستوں پر بھی چلنے اور سفر کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ مستنصر بھی اس صفت سے مالا مال نظر آتے ہیں کیونکہ وہ پہاڑوں، چوٹیوں اور کٹھن راستوں کو سر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، وہ بحیثیت سیاح ایک بہادر اور شجاع شخص ہیں۔ ان کی شخصیت شجاعت کا منہ بولتا ثبوت ہے یہی وجہ ہے کہ وہ شجاع افراد کے کارنامے اور انصاف پسندی کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ بیانِ تاریخ کو ملکی ترقی کا حصہ سمجھتے ہوئے تاریخ کا جا بجا ذکر کر کے قارئین کا حوصلہ بلند کرتے ہیں۔ وہ داستانِ سفر سناتے سناتے تاریخ کو ایسے سنجیدگی سے بیان کرنے لگتے ہیں کہ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ تاریخ دان کے فرائض سر انجام دے رہے ہیں لیکن اُن کا یہ سلسلہ زیادہ دیر جاری نہیں رہتا بلکہ

معلومات فراہم کرتے ہوئے وہ قارئین کی توجہ بڑھانے اور دلچسپی برقرار رکھنے کیلئے ماضی میں جھانک کر حال کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔

مستنصر ماضی کا ذکر چھیڑ کر اسلاف کے کارناموں اور شجاعت و بہادری کے واقعات کو بیان کر کے قارئین کے جوش و جذبے کو بڑھاتے ہیں۔اس حوالے سے وہ کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

> ''ہندوستان، ایران اور طوران کے سلطان۔ایک لاکھ پیدل فوج۔پچپن ہزار گھڑ سواروں اور تیرہ سو ہاتھیوں پر مشتمل فوج کے سپہ سالار میں تکبر نام کو نہ تھا۔دربار میں غزنی کے خزانے میں جمع دولت اور ہیرے جواہرات کی نمائش کی گئی تو وہ دنیا کی بے ثباتی اور خدا کے خوف سے رو دیا جس کے دربار میں رعایا کے ایک فرد نے دہائی دی کہ اے سلطان تیری فوج کے ایک ترک سپاہی نے میرے خاندان کی بے حرمتی کر کے ہمیں گھر سے نکال دیا ہے تو محمود اپنی تلوار بے نیام کر کے اس کے ساتھ ہو لیا۔گھر میں داخلے سے قبل سلطان نے تمام شمعیں گُل کرنے کا حکم دیا اور مجرم کو تاریکی میں ہی تہ تیغ کر دیا۔شمعیں روشن ہوئیں تو سجدے میں گر گیا پھر فریادی سے یوں گویا ہوا کہ ''جب تم نے مجھ سے اپنے گھر لٹنے کی فریاد کی تو میرے دل میں یہ خیال تقویت پکڑ گیا کہ کہیں میرا اپنا فرزند ہی اس فعل کا ذمہ دار نہ ہو کیونکہ میری فوج کے کسی سپاہی کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی، میں نے شمعیں گل کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ میرا انصاف اندھا اور بے رحم ہو اور میں سجدہ ریز اس لئے ہوا کہ مجرم میرا بیٹا نہ تھا''۔ [۸]

اس حوالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستنصر کے سفرنامے صرف لطف اندوزی کا باعث نہیں ہیں بلکہ وہ سبق آموز واقعات کے ذریعے قارئین کو درس دیتے ہیں۔ان کی تحریروں میں قاری کی اخلاقی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے اور وہ حظ بھی اٹھاتا ہے۔اس انداز کو برتتے ہوئے مستنصر تہذیب و ثقافت کی پاسداری بھی کرتے ہیں وہ اقدار کے بیان میں قاری کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اسے ساتھ لے چلتے ہیں۔چونکہ مستنصر نفسیات سے واقفیت رکھتے ہیں اس لئے وہ قاری کی نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہیں اور اسے مختلف ممالک کی سیر کے ساتھ ساتھ کتھارس کا موقع بھی فراہم کرتے ہیں۔اُن کے سفرناموں کا مظہر تہذیبی، ثقافتی، تاریخی اور معاشرتی آئینہ داری ہے۔مغرب، مغربی تہذیب و تمدن کا گہوارہ ہے انہوں نے دوران سفر اس خطے سے وابستہ تہذیب و ثقافت کو ماضی و حال کے آئینوں میں دیکھا ہے جیسے وہ ہسپانوی تہذیب و ثقافت کو بطور نمونہ یوں پیش کرتے ہیں:

> ''بل فائٹنگ ہسپانوی تہذیب و ثقافت کا ایک ایسا جُز ہے جس کے بغیر ہسپانیہ کا وسیع

کینوس بے رنگ ہوکر رہ جاتا ہے۔غیر ملکی اسے بربریت سے بھرپور وحشیانہ اور ظالمانہ کھیل قرار دیتے ہیں۔ بھلا جس کھیل میں ہر بار چھ بھینسے ہلاک ہوں، متعدد گھوڑے زخمی ہو جائیں اور کبھی کبھار انسان بھی مارا جائے، اسے کھیل کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اِدھر ہسپانوی بل فائٹنگ کو موسیقی، رقص اور مصوری کی مانند فنونِ لطیفہ کی ایک شاخ قرار دیتے ہیں۔ بربریت کے الزام کے جواب میں وہ امریکی فٹبال اور بالنگ کی مثال پیش کرتے ہیں۔ ان ہر دو کھیلوں میں مرنے والوں کی تعداد بل فائٹنگ میں ہلاک ہونے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ پھر بل فائٹنگ ظالمانہ کھیل کیسے ہو گیا اور اگر ہو بھی تو ہسپانیوں کے نزدیک اتنی ڈھیر ساری خوبصورتی کیلئے تھوڑا سا ظلم بھی جائز ہے''...... ۹

ادب چونکہ اجتماعی انسانی زندگیوں کا آئینہ دار ہوتا ہے اسی لئے مستنصر اپنی ادبی تحریروں کے ذریعے جس ملک کی سیاحت کی داستان کو پیش کرتے ہیں تو وہاں کی سماجی زندگی کا نقشہ بھی قاری کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ وہ سماجی و معاشرتی جزئیات نگاری بڑے سحر انگیز انداز میں کرتے ہیں کہ قاری ان دیکھی دنیا کو اپنے لئے اجنبی محسوس نہیں کرتا ۔یوں عام قاری بھی نگر نگر کی تہذیب سے واقف ہو جاتا ہے۔ مظفر علی سید اس حوالے سے یوں رائے دیتے ہیں:

''اردو زبان اور ادب کئی صدیوں سے ہماری اجتماعی زندگی کا آئینہ دار اور ہمارے تہذیبی کمال اور بے کمال کا مظہر رہا ہے۔ آج بھی ہم اس آئینے میں اپنا چہرہ ملاحظہ کریں تو دھوکا نہ دے گا''۔ ۱۰

مستنصر اس تعریف پر پورا اترتے ہوئے اپنی تحریروں میں تہذیب و ثقافت کے اہم مظہر نظر آتے ہیں چنانچہ جب وہ مختلف ممالک کا سفر کرتے ہیں تو وہ اپنی سیاحت کے دوران وہاں کی تہذیب و کلچر کو مدنظر رکھتے ہیں اور پھر جب وہ سفر نامہ تحریر کرتے ہیں تو واضح طور پر تہذیب کو بیان کرتے ہیں جیسے ''ہیلو ہالینڈ'' میں وہ لکھتے ہیں:

''یہاں مرد و زن کے درمیان تخصیص ممکن نہ رہی تھی......
ہالینڈ دنیا بھر میں وہ پہلا ملک ہے جس نے ایک ہی جنس کے افراد کو شادی کر لینے کی قانونی اجازت بخش دی تھی کہ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز......ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے......ہالینڈ کی دیکھا دیکھی امریکہ میں بھی ہم جنس شادیوں کو قانونی قرار دے دیا گیا......امریکہ میں قیام کے دوران میں نہایت اشتیاق سے ''نیویارک

ٹائمز" کے اس سیکشن پر اپنی توجہ مرکوز کرتا جس میں نوبیاہتا جوڑوں کی تصویریں شائع ہوتیں...... میری توجہ کیا دیکھتی ہے کہ دو مرد ایک دوسرے سے لپٹے دُلہا دُلہن ہوئے جاتے ہیں اور دو خواتین چھپے مارے یک جان ہو رہی ہیں اور ہم کیسے جان سکتے ہیں کہ ان میں سے کون ہے جو حجلۂ عروسی میں گھونگھٹ نکالے ہوگی اور کون ہے جو اُس کا گھونگھٹ اٹھائے گی" !!

سفرنامہ نگار فطرت کی عکاسی عمدہ انداز سے کرتا ہے۔ جب وہ کسی علاقے، خطے یا ملک کا سفر کرتا ہے تو دورانِ سفر پیش آنے والے واقعات کو وہ یوں صفحۂ قرطاس پر اتارتا ہے کہ اس کے مشاہدات قاری کو اپنے تجربات محسوس ہونے لگتے ہیں اور قاری انجانے ملکوں کی تہذیبوں کو قریب سے دیکھنے لگتا ہے۔ مستنصر ان دیکھے ملکوں کی تہذیب و ثقافت کے بیان میں اسلوب سے ایسی رعنائی اور دلکشی پیدا کرتے ہیں کہ ان کا فن اور تکنیک قاری پر موثر انداز میں دیرپا تاثیر کا باعث بنتا ہے کیونکہ ان کا اندازِ بیان قارئین کی فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے اور وہ قاری کی ذہنی و نفسیاتی ضروریات کا خیال رکھ کر سفرنامہ تحریر کرتے ہیں۔ مستنصر جس فطری انداز میں سفری حالات و واقعات بیان کرتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تہذیب و ثقافت کے واقعات کو اہتمام سے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ آزادروی کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہونے دیا بلکہ حقائق پیش کرکے قاری کو محظوظ ہونے کا موقع بھی دیا ہے اور دوسرے ممالک کی تہذیبوں سے بھی باخبر کیا ہے۔ وہ اپنے مشاہدات کو بامعنی اور دلچسپ انداز میں بیان کرتے ہیں۔ جب وہ ماسکو جاتے ہیں تو وہاں کی تہذیب کو یوں پیش کرتے ہیں:

"روسی تو واڈکا کو آمیزش کے بغیر جیسا کہ دستور ہے، اپنے حلق میں انڈیلتے جاتے اور ان پر کچھ خاص اثر نہ ہوتا جبکہ ہمارے وفد کے کچھ ارکان دنیا بھر کے مزدوروں سے یکجہتی اور کمیونسٹ نظام کی برکتوں کے جام مسلسل پیتے پہلے تو عمودی حالت میں ہوتے اور پھر متوازی ہو جاتے۔ ایک خودکار نظام کے تحت ...... ایک دو تو نزوان کی اس مدہوشی میں چلے جاتے کہ انہیں کندھوں پر اٹھا کر جنازے کی صورت کوچ تک لے جایا جاتا ...... اور وہ وہاں پہنچتے ہی ہوشیار ہو جاتے اور اپنی اپنی زبان میں کہ وہاں اردو، پنجابی، سندھی اور بنگالی بولنے والے موجود تھے، گانے گائے جاتے ...... اور پھر سب کی زبان ایک ہو جاتی کہ کچھ پلے نہ پڑتا کہ کیا گا رہے ہیں۔ واڈکا سے مخمور اِن نوجوانوں کے ساتھ روسی میزبان بے حد اُلفت کے ساتھ پیش آتے اور ہنستے ہوئے

ان کی مدد کرتے جبکہ کچھ صرف مدہوش نہ ہوتے پچھلے روز کا کھایا پیا بھی اُگل دیتے تو ہمیں......ہم جو ابھی کچے تھے پکے نہ تھے......ہم جو ناواقفِ آدابِ شراب نوشی تھے ہمیں عجیب سا محسوس ہوتا کہ یہ روسی ایسی حرکتوں کا برا کیوں نہیں مانتے......لیکن یہ تو ان کی روایت تھی، ان کی شناخت تھی کہ اگر واڈکا پی کر ایک انسان لڑھک جائے تو کیا ہی بحث ہے اسے لڑھک جانے دو کہ یہی زندگی ہے......

کسی نے کہا تھا کہ روسی اپنے موسم کی شدت اور اپنے اوپر ہونے والے مظالم صرف اس لئے سہار گئے کہ اُن کے پاس واڈکا تھی، اگر یہ شراب نہ ہوتی تو روسی نہ ہوتے......'' ۱۲

مستنصر بڑے خوبصورت انداز میں روسیوں کی تہذیب وثقافت اور تمدن کو سامنے لاتے ہیں اور ان کے رہن سہن اور کثرت شراب نوشی کو متعارف کرواتے ہیں شراب نوشی روسیوں کی معاشرت کا حصہ ہے جسے وہ زندہ رہنے اور زندگی گزارنے کیلئے ضروری سمجھتے ہیں۔ مستنصر ان کی معاشرتی ضرورت کو اُجاگر کرنے کیلئے شراب نوشی کا نقشہ خوبصورت الفاظ میں کھینچتے ہیں کیونکہ شراب نوشی جو وہاں کی تہذیب کے مطابق ممنوع نہیں ہے۔ اس لئے اس کے بیان کرنے میں مستنصر احتیاط نہیں برتتے۔ مستنصر کے بیرون ممالک کے سفرناموں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستنصر اپنے ذوق وشوق کی بدولت ان دیکھی دنیاؤں کی کہانی بھی ایسے بیان کرتے ہیں کہ عام ذہن یہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا کہ وہ ان ممالک سے بے خبر رہے ہوں گے۔ مستنصر کا ذوق وشوق جہاں منفرد اور یکتا ہے وہاں اُن کا ذہن بھی یکتائی کا حامل ہے وہ جہاں دیدہ بصیرت کے مالک ادیب ہیں اور وہ اپنے سفرناموں میں انسان کی کار گزاریوں کا نقش پیش کرتے ہیں۔ واقعات کی بھرمار نے ان کے سفرناموں کو دلچسپ بنایا ہے افسانوی و ڈرامائی انداز میں انہوں نے منظر کشی کر کے قاری کو اپنی گرفت میں لیا ہے۔ وہ عام زندگی سے متعلق ہر واقعے کو ایسے پیش کرتے ہیں کہ تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ جیسے وہ اپنے سفرناموں میں حسرتیں بکھیرتے ہوئے انسانی افکار وتمدن کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''پلیز ڈانکا شن......آپ براہ کرم اپنے جوتے اتار دیجئے......'' ہم سب ٹھٹھک گئے۔ یہ جو جرمن ہوتے ہیں ان کی صفائی ستھرائی اور تنظیم نہ صرف ہم ایسے تیسری دنیا کے باشندوں کیلئے ایک اذیت ہوتی ہے بلکہ بیشتر یورپی اقوام کیلئے بھی ایک دردِ سر ہوتی ہے۔ اکثر گھر ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر قدم رکھتے ہوئے آپ جرم محسوس کرتے

ہیں کہ کیا پتہ آپ کے جوتے کے تلے کے ساتھ ایک ذرہ چلا آئے اور اُن کے کنوارے قالین کا ستیاناس کر دے......صوفوں پر بیٹھنے سے ڈر لگتا ہے کہ ان پر بچھے گردپوش پر کوئی سلوٹ نمودار نہ ہو جائے......کھانسنے سے بھی اجتناب کہ کھڑکی کے آگے جو پردے کھنچے ہیں وہ بے آرام نہ ہو جائیں اور سب سے اعلیٰ اذیت اُن کے دمکتے لشکتے غسل خانے، ان میں کچھ بھی کرنے سے شرمندگی ہوتی ہے......ہیمبرگ میں ایک جرمن دوست کے گھر میں بے دھیانی سے سگریٹ سلگا لیا تو اہل خانہ ایش ٹرے تھامے میرے آس پاس تعینات ہو گئے......'' ۱۳

مستنصر جہاں جہاں بھی جاتے ہیں تو وہاں کی تہذیبی، ثقافتی اور تمدنی اشیاء و مظاہر سے قلب و نظر کو بھرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور بڑے خوبصورت انداز میں وہاں کے رسم و رواج، رہن سہن، عادات اور رسومات کو بیان کرتے ہیں۔ جیسے درج بالا حوالے میں وہ جرمن کی تہذیب و تمدن کا نقشہ کھینچتے ہوئے بڑے بڑے جزئیات کے ساتھ ہر شے پر نظر رکھتے ہیں جزئیات نگاری کے برتاؤ میں مستنصر کا قلم کافی متحرک نظر آتا ہے ان کی جزئیات نگاری قاری کو حقائق سے آگاہ کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے جیسے وہ صفائی کی بات کرتے ہیں حتیٰ کہ غسل خانوں کی صفائی کو بھی بڑی باریکی سے معائنہ کر کے خوبصورت اور دلکش انداز میں پیش کرتے ہیں یوں وہ جزئیات کو ادبی منظر نامے کی زینت بنا کر سفرنامے کی صورت میں پیش کر کے اپنے فرائض منصبی انجام دیتے ہیں جو اُن کی کامیابی کا باعث بنتا ہے۔ مستنصر کی تحریروں میں تہذیبوں کے بیان کے ساتھ ساتھ تہذیبوں کا ٹکراؤ بھی ملتا ہے۔ مستنصر اپنی مشرقی روایات و اقدار سے دلی وابستگی رکھتے ہیں اور ہر سفرنامہ نگار اپنے سفرنامے میں مختلف معاشرتوں کا موازنہ پیش کرتا ہے۔ مستنصر بھی مشرقی و مغربی رہن سہن، اقدار و روایات کا بار بار موازنہ کرتے ہیں۔ ان کی اسلوبیاتی تکنیک کچھ ایسی ہے کہ قاری نہ صرف ان کا ہمنوا ہو جاتا ہے بلکہ مشرقی اقدار کو پہلے سے زیادہ پسند کرنے لگتا ہے۔

''ایک خوش لباس راہگیر جس نے شاید مجھے لڑکیوں سے باتیں کرتے دیکھا تھا، میرے پاس آ کر نہایت شستہ انگریزی میں کہنے لگا۔'' کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں''؟ میں نے بس سٹاپ کے بارے میں پوچھا تو وہ میرے ساتھ ہو لیا۔'' میں بھی اسی جانب جا رہا ہوں۔ میرے ساتھ چلے آئیے۔ آپ شاید یورپ کی سیاحت کے بعد ہسپانیہ آ رہے ہیں''؟ وہ کہہ رہا تھا۔ اسی لئے راہ چلتی لڑکیوں سے راستہ دریافت کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے ہسپانیہ میں یہ بات انتہائی معیوب سمجھی جاتی ہے۔ ہم شمال

میں رہنے والے اگرچہ جنوب کے نیم وحشی اُندلسیوں سے زیادہ تہذیب یافتہ ہیں مگر پھر بھی ہم ان نازک معاملوں میں اپنے ہمسائے فرانس کی تقلید نہیں کرنا چاہتے۔ ویسے بھی......"
اس نے اپنے دونوں لب سختی سے بھینچ کر کہا۔ ''ہم باسک ہسپانوی نہیں ہوتے''۔ ۱۴

مستنصر کے سفرناموں میں موازناتی و تقابلی انداز بے شمار جگہوں پر ملتا ہے لیکن خصوصاً بیرون ممالک کے سفرنامے لکھتے وقت مستنصر جہاں کہیں بھی کوئی ایسا مقام دیکھتے ہیں جو اُن کے ملک سے مشابہت رکھتا ہے یا اس مقام کے باسیوں کا رہن سہن اُن کی تہذیب و کلچر ان کے اپنے وطن کی تہذیب و کلچر سے مشابہت رکھتا ہے تو وہاں اُن کا قلم انہیں موازنہ کرنے پر مجبور کرتا ہے اور یوں وہ تقابل کی تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے سفرنامے تحریر کرتے ہیں ان کا یہ طرز تقابل بیرون ملک کے سفرناموں میں نمایاں نظر آتا ہے جیسے وہ سفر چین رقم کرتے ہوئے وہاں کے کھانوں، طور طریقوں اور تہذیب و کلچر کا موازنہ کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ:

''اور واقعی چینی دسترخوان ایسا ہے کہ اس کے سامنے آپ کی تمام تر لبرل ازم، بین الاقوامیت اور فراخ دلی ہتھیار ڈال دیتی ہے......صرف اس لئے کہ ہم میں اور چینیوں میں خوراک کے ذائقے اور معیار مختلف ہیں۔ یہ وہ مشرق ہے جس کی اقدار اور خوراک سے ہم سمجھوتہ نہیں کرسکتے ......چین ایک دنیا ہے جس کے ذائقے اور زندگی ہم سے مختلف ہے ......شاید ہماری تاریخی اور جغرافیائی حالت ایسی ہے کہ ہم مغرب کی قربت میں بے آرام نہیں ہوتے ......ہم برگر......کلب سینڈوچ یا کیٹکی چکن سے تو مفاہمت کرسکتے ہیں لیکن اپنے دوست اور ہمسائے چین کے رنگ میں نہیں رنگے جاسکتے ......
یہ ہماری تاریخی اور جغرافیائی مجبوری ہے......تنازع خوراک کا نہیں......تہذیب اور تاریخ کا ہے......خوراک بھی ایک عقیدے کی طرح ہوتی ہے جس میں آپ جنم لیتے ہیں اور اُس سے روگردانی ممکن نہیں ہوتی ......
نہایت کریہہ النظر گوہ، چھپکلے، ٹڈیاں، کیکڑے، اونٹ کے سری پائے، کپورے اور بکرے کی آنکھوں کے تکے بھی اگر حلال ہیں تو عقیدے کی رُو سے......اگر ان کی نسبت کہیں زیادہ شفاف اور ستھرے ...... سانپ، گدھے، کتے یا مینڈک ہمارے عقیدے کی زد سے باہر ہیں تو یہاں بحث کی کیا گنجائش ہے......اور ان چینیوں کی جہالت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ سوپ کھانے کے آغاز پر نہیں اختتام پر

پیش کرتے ہیں"۔ ۱۵؎

مصنف اپنی یا دداشتوں کو محفوظ کر کے اُن کیفیات کو قاری تک اپنے سفر نامے کے ذریعے یوں پہنچاتے ہیں کہ قاری بھی شریکِ سفر بن کر اپنی تہذیب و کلچر کو پسند کرنے لگتا ہے۔ مصنف کا یہ انداز دراصل اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ اپنے وطن سے حد درجہ محبت کرتے ہیں۔ انہیں وطن کی ہر شے سے محبت ہے اسی لئے وہ موازنے کی تکنیک استعمال کرتے ہوئے اپنے وطن کے رسوم ورواج کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ مستنصر کو وطن سے دُوری کا احساس جگہ جگہ ہوتا ہے اور وہ قدم قدم پر اپنے ماحول، رسم و رواج، رہن سہن، کھانے پینے اور میل جول کو یاد کرتے ہوئے وہاں کی تہذیب وتمدن کا فرق واضح کرتے ہیں۔ وہ اپنے سفرناموں میں وہاں کے احوال کو کثرت سے بیان کرتے ہیں اور ان کے سماجی وتہذیبی رویوں کو قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں لیکن مستنصر کے ہر سفر نامے کی معلومات دوسرے سفر ناموں سے مختلف اور دلچسپ ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ اصنافِ نثر کی تکنیکوں کا استعمال کرتے ہیں جس سے ان کا ہر سفر نامہ دوسرے سے منفرد نظر آتا ہے۔ اُن کا اندازِ بیان ایک محبِّ وطن کا انداز ہے وہ اپنے وطن کے تہواروں کو وہاں کے تہواروں پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ حقیقت بھی ہے کہ انسان فطری طور پر اُس مقام سے لگاؤ رکھتا ہے جہاں اس کی آنکھ کھلی ہوتی ہے اور جہاں وہ زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے جیسے وہ دوران سفر مندر کے پجاری کو دیکھتے ہیں تو اپنے لاہور کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے وہ اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"جو طالب علم کسی امتحان کی تیاری میں ہوتے ہیں اور کامیابی کے متمنی ہوتے ہیں تو وہ سرسوتی کی پرستش کیلئے آتے ہیں...... پوجا کرتے ہیں اور بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور بسنت کے تہواروں پر ہزاروں پجاری سرسوتی کے مندر میں سربسجود ہوتے ہیں اور پھر شاہِ نیپال بہار کے گیت گاتی ناریوں کے جلو میں اس میلے کا افتتاح کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ معصوم نیپالی لوگ نہیں جانتے۔ ہرگز آگاہ نہیں ہیں کہ بہار کی آمد کا یہ تہوار صرف پاکستان کے شہر لاہور میں منایا جاتا ہے...... اہل لاہور اگرچہ سرسوتی کے پجاری نہیں لیکن بہار کے پجاری ہیں...... اور تب اس تختِ لاہور کے جھروکے اور درو دیوار اور راتیں فلڈ لائٹس سے منور ہوتی ہیں، بجلی کے چاند آسمان کو روشن کرتے ہیں اور اہلِ لاہور اس مکر چاندنی کے آسمان پر اُڑتی ہر پتنگ کی اُڑان میں ایک سرسوتی دیوی دیکھتے ہیں"۔ ۱۶؎

مستنصر کے بیرون ممالک پر لکھے گئے سفرناموں میں موازنے و مماثلت کا انداز نمایاں ہے۔ اگر چہ وہ شاعر نہیں ہیں لیکن ان کے سفرناموں میں شاعری کا سا انداز بھی ملتا ہے وہ اکثر مقامات پر علم بیان سے بھی کام لیتے ہیں جس سے ان کی تحریروں کی چاشنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اُن کے ہاں مشرق و مغرب کے موازنے کی فضا بھی ملتی ہے۔ وہ اسی انداز میں وطن عزیز کی خوبصورتی کا تقابل بیان کرتے ہیں جیسے

> ''یٹیف کے کوہستانی بر فیلے حسن میں کچھ کلام نہ تھا...... یہ آپ کو ایک سر دخوشی سے لبریز تو کر دیتا تھا لیکن...... یہ کچھ ایسا یکتا اور دم رو کنے والا قصبہ بھی نہ تھا۔ ''کونج'' میں ذرا مؤدب ہو کر گویا ہوا کہ کہیں وہ مجھے ترک کر کے یہیں سے اپنے قبیلے کی جانب پرواز نہ کر جائے...... بے شک دل نوازی کی خزاں زردی اور بلندیوں کے سرد یلے راحت آمیز موسم اس قصبے کو نظر نواز کرتے ہیں لیکن...... میرے وطن میں ایسے درجنوں کوہستانی قصبے ہیں جن کے گلے میں اس سے کہیں بڑھ کر حسن کی سرد مالائیں ہیں۔ ناران، شاردا، کریم آباد، گل مت، شگر، چپلو، پھنڈر...... اور کچھ ایسے دور افتادہ کوہستانی گاؤں ہیں کہ یہ یٹیف...... اور ان میں اشکو لے، ہوشے اور......''
>
> ''چپ......'' کونج نے اپنا لامبا پر پھیلا دیا...... ''تم نے ان بی سی والوں کا...... برٹش کولمبیا کے باسیوں کا دل نہیں دُکھانا...... یہ ہرگز نہیں کہنا کہ ہمارے پاکستان میں اس کے ہم پلہ کوئی اور قصبہ بھی ہو سکتا ہے...... اس لئے چپ...... دل نہیں دکھانا......'' [۱۷]

کوئی سفرنامہ نگار جب رختِ سفر باندھتا ہے تو سفر کے مشاہدات و تجربات کے ساتھ ساتھ اس جگہ اور خطے کی تاریخ بھی اس کے موضوع کا حصہ بن جاتی ہے۔ سفرنامہ نگار تاریخی واقعات کے بیان سے سفرناموں کی اہمیت کو مستند کر دیتے ہیں۔ دیگر ادباء کی طرح مستنصر بھی تاریخی واقعات بیان کر کے اپنے سفرناموں میں ایسی تاریخ رقم کرتے ہیں جو کسی مورخ کا قلم رقم نہیں کرتا۔ اسی لئے ان کے سفرناموں کا قاری تاریخی واقعات کا بھی ذوق سے مطالعہ کرتا ہے۔ مستنصر تاریخی واقعات کو بیان کرتے وقت زبان و بیان کا خاص خیال رکھتے ہیں، وہ مورخ کی طرح خشک اور ٹھوس الفاظ کا استعمال نہیں کرتے بلکہ خوش اسلوبی کے ساتھ قاری کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں وہ سیاحت کے دوران مقدس زیارات اور مشہور اور تاریخی مقامات کا تذکرہ کر کے سفرنامے کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ وہ تاریخی مقامات و عمارات کو اُن کے پیش منظر اور پس منظر کے ساتھ تقابلی انداز میں قارئین کی نذر کرتے ہیں مثلاً ''سنہری اُلو کا شہر'' میں تاریخی مقامات کا ذکر اور تقابل اس طرز سے کرتے ہیں کہ قارئین اُن مقامات کی قدر و قیمت سے بھی آشنا ہو جاتے ہیں۔ تحریر کرتے ہیں:

''بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ نقل...... اصل سے آگے نکل جاتی ہے......سلمان عالی شان اور سنان کی تعمیر کردہ نیلی مسجد، آیا صوفیہ چرچ کی ہو بہو کاپی ہے......اور اس کے باوجود اپنی نفاست اور حسن میں اُسے ماند کر دیتی ہے...... کچھ ایسا ہی فرق لاہور اور دلّی کے قلعے کے درمیان آ گیا...... ایک اور واضح سبب بھی تھا...... آدھا ہندوستان کھنڈروں سے اَٹا پڑا ہے...... دراوڑی شہر...... بدھ مت کے سٹوپے...... ہندو راجوں مہاراجوں کی پُر عظمت نشانیاں...... قلعے...... مساجد...... مندر اور جانے کیا......تو وہ کس کس کو سنبھالیں یا ماضی کی اِن یادگاروں کو سنبھالیں ......جس ملک کے پاس تاج محل ہو وہ اور کچھ بھی نہ سنبھالے تو اسے دوش نہیں دیا جا سکتا......جبکہ پاکستان میں ایسی یادگاروں کی کچھ قلت ہے اور ہم ہندو شاہی عہد سے نظریں چُرا کر گندھارا کو کسی حد تک سنبھال لیتے ہیں اور مغل عہد کی یادگاروں کو سینے سے لگا کر رکھتے ہیں، جھاڑ پونچھ کر سینت سینت کر رکھتے ہیں، انہیں لشکاتے چمکاتے رہتے ہیں جیسے ایک شخص جس کے پاس رہنے کو ایک مختصر سا کمرہ ہو، وہ اس کی آرائش اور زیبائش میں جُتا رہتا ہے جبکہ ایک وسیع حویلی میں رہائش کرنے والا کچھ لاپروا ہو جاتا ہے کہ سینکڑوں کمروں میں سے کس کس کا خیال رکھے...... کسے سنبھالے...... کتنے جالے صاف کرے اور کس کس اینٹ پر توجہ دے......'' [۱۸]

ایک سفرنامہ نگار کی خاصیت ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ جس خطے کا بھی دورہ کرتا ہے اپنے قارئین کا رشتہ اُس خطے سے جوڑے رکھتا ہے۔ مستنصر قارئین کو ہم سفر بنا کر سفرنامے تحریر کرتے ہیں اس لئے قاری مصنف کو خوب سمجھ رہا ہوتا ہے وہ مصنف کی طرح کسی بھی خطے یا علاقے کی بود و باش سے خوب واقف ہو جاتا ہے کیونکہ مستنصر نے سفرنامے تحریر کرتے ہوئے ایسا اسلوب برتا ہوتا ہے کہ قاری معاشرے کی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگتا ہے۔ اس انداز میں مستنصر اس لئے کامیاب ہیں کہ وہ سماج کی تصویر کشی یوں کرتے ہیں کہ قاری بآسانی وہاں کے رسم و رواج کے متعلق جاننے لگتا ہے۔ وہ مقامی و عوامی زندگی کو کھلی کتاب کی طرح سامنے رکھ دیتے ہیں۔ ایک عام انسان کی زندگی کے معمولات کو بیان کر کے معاشرت کی عکاسی کرنے میں مستنصر کے سفرنامے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ اُن کے رسومات، طرح طرح کے کھانوں، رنگا رنگ ملبوسات اور اُن کے اطوار کو غیر معمولی دلکش انداز میں پیش کرتے ہیں کہ اُن کی چلتی پھرتی مقامی و سماجی تصویریں ہمارے سامنے آ جاتی ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ:

''مینوتو رستیکا''! قہوہ خانے کے مالک کے لڑکے نے ہسپانوی حکومت کی جانب سے خصوصی طور پر غیر ملکی سیاحوں کیلئے منظور شدہ کھانوں کی فہرست ہمارے آگے رکھ دی۔ ''مینوتو رستیکا''۔ میں درج کھانے روایتی ہونے کے علاوہ ارزاں بھی ہوتے ہیں۔ چالیس پسیتے یعنی تقریباً چھ روپے میں سوپ کا پیالہ، خوراک کی ایک پلیٹ، سویٹ ڈش، انگوروں کی سرخ شراب کا ایک مگ اور کافی۔ ٹونی ثوریا کے باشندوں کی مرغوب خوراک بھنا ہوا کیکڑا کھانا چاہتا تھا اور میں تندور میں دم پخت کی گئی ٹراؤٹ مچھلی۔ ہماری پسند معلوم کرنے کے بعد دونوں میاں بیوی باورچی خانے میں جا کر کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور ان کے لڑکے نے میز پر صاف ستھرا کپڑا بچھا کر اس پر بڑے قرینے سے چھری کانٹے اور چٹنیوں کے پیالے سجا دیئے۔ کھانے کی تیاری کے دوران ہم خستہ ڈبل روٹی پر ثوریا کا مشہور اور مزید مکھن لگا کر کھاتے رہے اور اپنی بھوک چمکاتے رہے پہلے کچے ٹماٹروں اور کالی مرچ سے تیار شدہ ''گاذپاچو'' نامی ٹھنڈا سوپ آیا پھر ٹونی کے سرخ کیکڑے کا ورود ہوا جس کی لاتعداد پتلی پتلی ٹانگیں پلیٹ سے باہر رینگ رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا ابھی چھلانگ لگا کر ٹونی کی داڑھی میں جا گھسے گا۔ میری ٹراؤٹ مچھلی بھی سالم تھی مگر کانٹا چبھونے سے چھوٹے چھوٹے خستہ ٹکڑوں میں بکھر گئی۔ کھانے کے بعد کافی آ گئی اور ہم کرسیوں پر دراز ہو کر نیچے چوک میں بجنے والی گٹاروں کی موسیقی سے لطف اندوز ہونے لگے''۔ [19]

مستنصر نے یہ سارا منظر اتنے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے کہ اسے پڑھ کر وہاں کے رسوم کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ منظر کشی سفرنامے کے لوازمات میں سے وہ لوازم ہے جو کہانی کی بُنت اور واقعہ کے بیان کو کامیاب بنا کر پیش کرتا ہے، منظر کشی سفرنامہ نگاروں کیلئے ایسا فن ہے جس کی بدولت وہ قاری کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اور قاری گھر بیٹھے سیر و تفریح کے مزے لے رہا ہوتا ہے۔ مستنصر نہ صرف سفری حالات و واقعات کو بیان کرتے ہیں بلکہ وہ مقامیت کو بھی بڑی دلکشی کے ساتھ غیر شعوری طور پر بیان کرتے ہیں کہ اس میں توازن و رعنائی بھی ہوتی ہے اور قارئین کو وہاں کے باشندوں کے اطوار و عادات اور طرز بود و باش سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ مستنصر کی بیان کردہ معلومات کا اندازِ بیان اسی طرز پر مبنی ہے۔ چین کی سیاحت کے دوران پیش آنے والے تجربات کا ذکر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''ایک خادمہ نے جھک کر ہمارے مترجمین سے کچھ دریافت کیا...... لیو اور خاور نے سر ہلایا اور پھر ہمیں متوجہ کر کے پوچھا: ''آپ کھانے کے ہمراہ کون سا مشروب پسند کریں

> گے ......بیئر، وائن یا کوکا کولا......'' اس پر ایک کورس کی شکل میں تقریباً سب اراکین نے بیک آواز پارسائی کا مشروب کوکا کولا اپنے حلق کوتر کرنے کیلئے طلب کیا اور وہ جو پارسا نہیں تھے اقلیت میں تھے تو انہوں نے بھی یہی بہتر خیال کیا کہ جمہور کی رائے سے اتفاق کیا جائے ......اگر وہ بولتے تو وہ طوطی ہوتے ......اور نقار خانے میں اُن کی آواز کون سنتا تھا......البتہ ایک مخبوط الحواس اور جہاندیدہ شاعر نے اپنے طوطی ہونے میں کوئی قباحت نہ سمجھی اور بیئر کی فرمائش کردی......اس پر سب پارسا دانشوروں نے انہیں بری طرح گھورا اور گھورتے ہی رہے تو انہوں نے کہا: ''یار بیئر ہی منگوائی ہے کوئی فحش کام تو نہیں کیا جو یوں گھور رہے ہو...... میں نے تمہارے نہ پینے پر اعتراض کیا ہے؟''
> ان کی اس جرأت رندانہ سے کچھ اور اراکین کو حوصلہ ہوا اور انہوں نے بھی مصنوعی پارسائی ترک کرکے رندی اختیار کرلی......'' [۲۰]

مستنصر کے سفرناموں میں بے شمار معلومات کا غلبہ ہوتا ہے۔وہ سفرناموں کے واقعات کے بیان میں ایسا انداز اپنائے ہوئے ہیں جو قارئین کو طرح طرح کی مفید معلومات فراہم کرتا ہے۔لیکن ان کا اسلوب بیان معلومات کو دلچسپ بنالیتا ہے وہ کبھی افسانوی انداز اپناتے ہیں اور کبھی بیانیہ طرز کو ترجیح دیتے ہوئے سفرنامہ لکھتے ہی۔ان کی معلومات میں قاری کیلئے تجسّس بھی برقرار رہتا ہے وہ سفرناموں کے ذریعے معلومات کا خزانہ یوں پیش کرتے ہیں:

> ''ایک ملک سے دوسرے ملک کی سرحد پار کرتے ہی انسان ایک دم نئی تہذیب وثقافت اور جغرافیائی تبدیلیوں سے دوچار نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اس ملک میں کچھ فاصلہ طے نہ کرے اس طرح جلال آباد تک ماحول ہمارے صوبہ سرحد جیسا ہی ہے مگر یہاں سے پرے اصل افغانستان شروع ہوجاتا ہے۔جلال آباد کے آگے بلند چٹانوں اور تنگ درّوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔جگہ جگہ خطرناک موڑ اور گھاٹیاں ہیں۔دائیں طرف نورستان کی برف پوش چوٹیاں ہیں جن کے پہلو میں بہتا ہوا دریائے کابل اپنے ہم نام شہر تک ساتھ دیتا ہے۔افغان حکومت کی اَن تھک کوششوں اور غیر ملکی ماہرین کی نگرانی میں ویرانوں کو مرغزاروں میں بدلنے کی کوشش کے آثار ہر جگہ نمایاں ہیں''۔ [۲۱]

ایک حقیقی سیاح کی طرح مستنصر نے پرکیف ادبی لب و لہجے میں معلومات فراہم کی ہیں۔مستنصر کے سفرنامے معلومات پر ایک انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتے ہیں۔وہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ تاریخی، جغرافیائی، سیاسی و سماجی

معلومات کا دامن تھامے ہوئے قارئین تک معلومات پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''ضیاء الحق کے عہد میں تو یورپ پر ایسے لوگوں کی یلغار شروع ہوگئی جو سب کے سب پیپلز پارٹی کے پرچم اٹھائے ہوئے تھے کہ ہمارے لیڈر کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا...... ہر چوک میں درّے مارے جا رہے ہیں اور ہر ایک کے پاس پیپلز پارٹی کی رُکنیت کا کارڈ اس کے جیالے ہونے کی گواہی دیتا تھا اور ان میں مذہبی جماعتوں کے باریش کارکن بھی شامل تھے...... لیکن سیاسی پناہ کے یہ بہانے ضیاء الحق کے سیاہ دور سے پیشتر بھٹو کے عہد میں بھی عروج پر تھے...... بھٹو کا عتاب عبدالولی خان کی عوامی نیشنل پارٹی پر حیدر آباد ٹربیونل کی صورت میں نازل ہوا تو یورپ میں داخل ہونے والا قانونی یا غیر قانونی طور پر کسی نہ کسی طرح داخل ہو جانے والا ہر پاکستانی خان عبدالغفار خان کا خدائی خدمتگار ہو گیا...... کہ جناب ہم پر بہت ظلم ہو رہا ہے...... ہم وہاں اپنے باچے خان کی مانند سرخ ٹوپی بھی نہیں پہن سکتے...... پناہ دیجئے...... چنانچہ ہزاروں پاکستانی جرمنی کی پناہ حاصل کر کے آسودہ ہو گئے......'' ۲۲

مستنصر کے پیش کردہ تاثرات بے حد معنی خیز ہیں۔ اُن کی رودادِ سفر کا قاری پر دیرپا اثر رہتا ہے۔ وہ واقعات کو اصل تناظر میں دلچسپ انداز میں پیش کرتے ہیں کہ ان کے سفرناموں میں اسلوب کی رنگینی اور حسن اور قصے کی رومانویت کے باعث انفرادیت نظر آتی ہے وہ اس حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ:

''اور یہ گوشت کس سلسلے میں محفوظ کیا جا رہا ہے؟''

''افریقہ کے مگرمچھوں کیلئے......'' اس نے منہ کھول کر ایک زوردار قہقہہ داغ دیا۔

''ہو گیا ناں ایک چھوٹا سا لطیفہ؟''

''ہو گیا'' میں نے مسکرا کر کہا۔ کم از کم باہر جانے سے پیشتر کوئی مناسب قسم کا لباس تو پہن لو''۔

ٹونی نے میری اس درخواست پر اپنی براؤن نیکر کے ساتھ ایک بوسیدہ سی کالی بنیان بھی پہن لی۔ سر کے بالوں اور داڑھی کو انگلیوں سے سنوارا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''خوش پوشا کی ہمیشہ سے میری شخصیت کا ایک لازمی جزو رہی ہے''۔ اس نے اپنی بنیان کے ایک سوراخ میں انگلی چلاتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے اعلان کیا۔

میں نے ٹونی کی خوش پوشاکی سے متاثر ہو کر اسے اس حبشی کے بارے میں بتایا جو لندن کی کسی گلی میں ننگ دھڑنگ گھوم رہا تھا۔ایک انگریز بڑھیا نے اسے اس حالت میں دیکھا تو ڈانٹ کر کہنے لگی۔نو جوان لڑکے تمہیں شرم آنی چاہئے۔جاؤ کوئی مناسب قسم کا لباس زیب تن کر کے آؤ۔حبشی نے نہایت برخورداری سے سر ہلایا اور چلا گیا۔تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس نے اپنے گلے میں ایک نہایت نفیس قسم کی ٹائی باندھ رکھی تھی۔صرف ٹائی......!'' ۲۳ے

مستنصر کے سفرناموں میں تصویر نگاری و منظر کشی لاجواب ہے،وہ سیدھے سادے الفاظ میں جزئیات کی تفصیل اس طرح پیش کرتے ہیں کہ جزئیات کی یہ عکاسی ان کے سفرناموں کے مجموعی تاثر کو پیدا کرنے اور قارئین تک پہنچانے میں مدد ثابت ہوتی ہے۔مستنصر معمولی سی معمولی بات کو تاریخ،تہذیب،ثقافت،سماج اور نفس سے جوڑ کر ایسے پیش کرتے ہیں کہ قاری ان کے غیر معمولی انداز سے مستفید ہوتے ہوئے کیفیات کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنے لگتا ہے۔مستنصر اپنے سفرناموں میں لفظوں سے کھیلتے ہوئے جزئیات نگاری کرتے ہیں۔ان کے سفرناموں کا قاری لفظ بلفظ ان کا ساتھ دیتا اور معلومات حاصل کرتا نظر آتا ہے۔ان کے اس انداز کی مثال ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

''وہ ''سنہری کھال'' کی تلاش میں سرگرداں تھا۔پرانی سرخ چھتیں، تنگ گلیاں، باغات جن میں انار کے شگوفے کھلے ہوئے ہیں،سارے شہر کا رنگ شوخ سرخ اور نیلگوں بحیرۂ اسود۔رنگوں کا حسین امتزاج۔پرے سرسبز پہاڑ تھا جہاں یونانی ایکسنافون اپنی دس ہزار فوج سمیت خیمہ انداز ہوا تھا۔اردگرد کے جنگل میں شہد کی بہتات تھی چنانچہ اکثر سپاہی کچھ زیادہ ہی کھا گئے اور اپنے حواس کھو بیٹھے۔ترابزان میں پیسوں کی کمی کے باعث رات بحیرۂ اسود کے کنارے مچھیروں کے ایک ویران جھونپڑے میں گزری اور دوسری صبح اسی بس سے میں ارضِ روم کے کیلئے روانہ ہو گیا۔بس سڑک پر پھسلتی چلی جا رہی تھی۔موڑ اور کھائیاں،اتھاہ گہرائی اور پھر پرے وادی میں بل کھاتی ندی، پارے کی سفید لکیر، صاف شفاف اور خنک پانی،ہلکی بارش اور دھند،خنکی اور سبزہ،ہمیں ''ترابزان'' چھوڑے دو گھنٹے ہو چکے تھے لیکن بحیرہ اسود کی سیلی خوشبو ابھی تک فضا میں بسی ہوئی تھی۔ندی کے کنارے سفید بھیڑیں برف کے گالوں کی طرح لڑھک رہی تھیں۔چرواہے نے بارش سے بچنے کیلئے اپنا بوسیدہ کوٹ سر پر

کھسکا لیا اور سوچا، اب کے ندی میں ضرور طغیانی آئے گی"۔ ۲۴

جدید تقاضوں کے پیش نظر مستنصر حسین مناظر کی خوبصورت تصویر کشی کر کے ایک خاص طرز تحریر کو سامنے لایا ہے۔ مستنصر اپنے سفر ناموں میں بیشتر مقامات پر ایک مصور کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ وہ الفاظ کے ذریعے جذبات و احساسات کی تصویر کاغذ پر ثبت کرتے ہیں۔ وہ واقعات کو ایک مصور کی طرح تخلیق کرتے ہیں کہ ان کی تصویر ہو بہو آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ قاری دورانِ مطالعہ ان مناظر میں ایسے کھو جاتا ہے کہ الفاظ اس کے لئے ایک اشارہ نہیں رنگ و بو کا ایک جہاں بن جاتے ہیں۔ مستنصر کا یہ انداز ملاحظہ کیا جاسکتا ہے لکھتے ہیں:

"اچانک بگل کی تیز آواز بل رنگ میں گونج گئی۔ بوڑھے نے دائیں ہاتھ سے اپنا بوسیدہ ہیٹ اتار کر ماتھے کا پسینہ پونچھا، پھر بائیں ہاتھ سے اصطبل کا سرخ پھاٹک زور لگا کر دھکیلا اور پھر بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔ چشمِ زدن میں ایک بھاری بھر کم سیاہ بل بجلی کی سی تیزی سے اصطبل میں سے سرپٹ دوڑتا ہوا اکھاڑے میں داخل ہو گیا۔ اس مکمل سکوت میں اس کے طاقتور سُموں کی دھمک تیسری منزل پر مجھ تک پہنچ رہی تھی۔ اس کے بوجھ تلے بل رنگ کی زمین لرز رہی تھی۔ اس نے میدان کا ایک چکر لگایا۔ شکار کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی، میدان خالی نظر آیا تو لکڑی کی اونچی گیلری پر حملہ آور ہوا۔ گیلری کے پیچھے بیٹھے ہوئے چند تماشائیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ دو چار ٹکروں کے بعد جب بُل کو احساس ہوا کہ وہ گیلری توڑ کر تماشائیوں تک نہیں پہنچ سکتا تو بھاگتا ہوا میدان کے درمیان میں آ کر کھڑا ہوا۔ طاقتور، مغرور اور ہسپانوی زبان میں "لیرا فتادہ" یعنی نا قابلِ تسخیر...... مضبوط موٹی کھال، چمکتی آنکھیں، چوڑا ماتھا، سُم اور سر چھوٹے، موٹی گردن، جس پر گوشت کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ چوڑے کاندھے، دم لمبی اور پتلی اور پھر اس کا خطرناک ترین ہتھیار سینگ جو آگے کی طرف مڑے ہوئے تھے، ایک اعلیٰ نسل کا بُل جو بل فائٹنگ کیلئے موزوں ترین تھا"۔ ۲۵

مستنصر کے سفر ناموں میں منظر نگاری کا کامیاب برتاؤ ہی دراصل انہیں ہم عصر ادباء میں ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ اگر چہ منظر نگاری سفر نامے میں لازم و ملزوم رہی ہے اور اس کو ہر دور کے سفر نامہ نگاروں نے برتا ہے لیکن مستنصر کے سفر ناموں کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی منظر نگاری و تصویر کشی زیادہ دلچسپی کا باعث نظر آتی ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مستنصر ایک منجھے ہوئے ادیب و سفر نامہ نگار ہیں جو شائستہ و خوش ذوق انداز میں منظر کشی کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

''میں نے آگے بڑھ کر ساتویں منزل سے نیچے جھانکا...... ہوٹل کے پچھواڑے میں ایک بے آباد سڑک تھی، جس کے کناروں پر ٹین کی چھتوں اور شکستہ اینٹوں کا ایک شینٹی ٹاؤن پھیلا ہوا تھا...... ایک کچی آبادی کے پرانے کمرے اور صحنوں کے ڈھیر تھے جو ابھی تک تعمیر نو کی زد میں نہیں آئے تھے...... ٹین کے پرانے ٹکڑوں کی پچکی ہوئی چھتیں، چھوٹے چھوٹے کمرے اور صحن...... کاٹھ کباڑ سے بھرے ہوئے...... ان میں سے ایک صحن میری کھڑکی کے عین نیچے میری زد میں تھا...... صحن کے اوپر یہاں سے رسیوں کا ایک جال سا تنا ہوا تھا جس پر کپڑے سوکھ رہے تھے...... خالی کاٹن اور پنجرے...... تنگدستی اور غربت کے آثار...... ایک عورت ایپرن باندھے ایک تسلے میں نوڈل ابال رہی ہے اور انہیں ایک ڈوئی سے اٹھا کر ذرا ہوا لگواتی ہے اور پھر سے گرم پانی میں ڈال دیتی ہے...... ایک بیزار سا شخص کھلے پاجامے اور ٹی شرٹ میں ایک سائیکل دھکیلتا صحن سے باہر سڑک پر آیا جس پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی...... اس بلندی سے اس کی بیزاری دکھائی تو نہیں دیتی تھی لیکن میں نے قیاس کیا کہ اس قسم کے ڈربے میں سے...... کاٹھ کباڑ سے اٹے بوسیدہ صحن میں زندگی کرنے والا شخص بے زار ہی ہوگا......'' ۲۶

مستنصر کے سفرناموں میں نہ صرف تکنیک کے تجربات کی کارفرمائی نظر آتی ہے بلکہ وہ صورت و معنی کے مکمل اتحاد سے سفرنامے کے لوازمات کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ان کے ہاں رنگارنگ واقعات کی کثرت ان کے زورِ تخیل کا نتیجہ ہے جسے وہ بیانیہ انداز میں خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ بیان کی سادگی، تازگی اور ندرت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے ۔ان کا جدید اسلوب یوں ہے:

''مولا بخش نے نہایت بے تکلفی سے جو کہ اس کی خاصیت تھی سندھی میں ان سے کچھ راز و نیاز کئے...... کچھ سوال جواب کئے اور وہ مزدور ایک سندھی بھائی کی آمد سے اپنے اس سوہنے سندھ کی باس محسوس کرنے لگے۔ جسے وہ پاپی پیٹ کی خاطر چھوڑ کر اس بستی میں آ گئے تھے...... بے شک وہ بستی مدینہ تھی پر سندھ نہ تھی ...... جب ان کی باہمی گفتگو اختتام کو پہنچی تو مولا بخش میری جانب دیکھ کر مسکرایا۔''بڑا کائیاں فقیر ہے سائیں جو کہتا تھا سچ کہتا تھا''...... یہ سندھی بھائی بتاتے ہیں کہ باغ کے اندر چھپی ہوئی ایک مسجد ہے...... اس کے کھنڈر ہیں...... آپ لوگ زیارت کرنا چاہتے ہو تو ہم پھاٹک کھول

دیتے ہیں...... ہمارا شیخ کسی کام کے سلسلے میں مدینے گیا ہوا ہے......اگر وہ واپس آ گیا تو بہت ناراض ہو گا...... آپ لوگ جلدی سے زیارت کر لو...... بلکہ کار اندر لے آؤ......'' ۲۷

مستنصر نے دیگر اصناف نثر میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ڈرامہ نگاری بھی مستنصر کے میدان میں شامل ہے اس لئے وہ سفر نامہ لکھتے وقت قاری کو بے شمار اصناف نثر کا مزہ بیک وقت چکھاتے ہیں۔وہ ڈرامے کی طرح اپنے سفر ناموں کے کرداروں کو بھی بڑے جاندار انداز میں بیان کرتے ہیں۔اگر دیکھا جائے تو مستنصر کے سفر ناموں میں کردار نگاری ایک فعال انداز میں پائی جاتی ہے۔اُن کے کردار بڑے دلچسپ اور معاشرے کی جیتی جاگتی تصویریں ہوتے ہیں جن کے افعال سے نہ صرف معنی کا مکمل اتحاد نظر آتا ہے بلکہ وہ کسی بھی معاشرے یا سماج کی تصویر کشی کر رہے ہوتے ہیں۔ان کے کرداروں اور وہاں کی تہذیب و ثقافت میں کبھی تضاد نظر نہیں آتا بلکہ ان کے کردار اپنے معاشرے کی عکاسی کا بہترین آئینہ نظر آتے ہیں۔مستنصر کرداروں کی برمحل گفتگو، اُن کے مکالموں اور انسان دوستی کا ثبوت بڑے خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں۔کرنل محمد خان ان کے اس انداز کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مستنصر ان سیاحوں میں سے نہیں جو جمبو جیٹ میں بیٹھ کر مہینوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کرتے ہیں یا ایک ''اے کلاس'' ہوٹل سے دوسرے ''اے کلاس'' ہوٹل میں شب بسری کو سیاحت کا نام دیتے ہیں۔مستنصر دھرتی کے ساتھ چلتا ہے لغوی معنوں میں بھی اور استعارتاً بھی۔وہ آپ کو قریہ قریہ، نگری نگری، کوچہ کوچہ پیدل چلتا یا مقامی بس یا ریل میں سفر کرتا دکھائی دیتا ہے اس کے مشاہدے میں آنے والے انسان ہیں دھرتی پر چلنے پھرنے والے عام انسان! عظیم بھی اور حقیر بھی۔وہ ان میں سے کسی سے نفرت نہیں کرتا کسی کو اپنے طنز یا تضحیک کا نشانہ نہیں بناتا۔اس کا ظرف اتنا وسیع ہے کہ اسے دھرتی کے تمام باشندے ایک ہی برادری کے بکھرے ہوئے فرد لگتے ہیں'' ۲۸

مستنصر کے سفر ناموں میں ایک قابل توجہ بات ہی یہی ہے کہ وہ اپنے اسلوب کو کرداروں کے ذریعے جاذب نظر اور پرکشش انداز میں جذبات کی ترجمانی اور احساسات کی رنگینی کے بیان کی خاطر متحرک تحریریں رقم کرتے ہیں۔مستنصر کے سفر ناموں میں نئے احساسات و جذبات کے جنم نے آنے والے ادباء کو پُرمسرت اور تخلیقی طرزِ زندگی کا تصور شعور بخشا۔مستنصر نے پرتکلف طرزِ معاشرت، نزاکت جذبات، رعنائی خیال، شستہ مذاق اور رومانی

حسن کے اظہار کیلئے سفر نامہ نگاری کا سہارا لے کر قارئین کی بڑی تعداد کی دلجوئی کی ہے۔ مستنصر نے خاص کر بیرون ممالک پر لکھے گئے سفر ناموں میں آہنگ اور روانی پیدا کر کے ایک طلسماتی رومانی فضا قائم کی ہے جو ان کے اسلوب سے خاص کر منسلک ہے جیسا کہ ''نکلے تیری تلاش میں'' لکھتے ہیں:

> ''شادی کی رسم بے حد عجیب وغریب ہے۔کہا جاتا ہے کہ لڑکی جوان ہونے پر اپنے کمرے کی کھڑکی ہمیشہ کھلی رکھتی ہے اس کا محبوب بظاہر چوری چھپے رات کو کھڑکی پھلانگ کر کمرے میں آجاتا ہے اور شب بسری کے بعد صبح سویرے اس راستے واپس چلا جاتا ہے۔اگر معینہ مدت کے بعد لڑکی کا پاؤں بھاری ہو جائے تو والدین دونوں کی شادی کر دیتے ہیں ورنہ لڑکی کیلئے عشق کے امتحان اور بھی ہوتے ہیں''۔ ۲۹

حسن کی تمنا اور ستائش ہر اچھے ادیب کا خاصا رہی ہے۔ چاہے حسین چہرے ہوں یا وجودِ زن کا حسن ہو یا قدرت کے حسین مناظر مستنصر اپنے مخصوص رومانوی انداز اور دلکش طرز میں تحریر کر کے قدرت کی صناعی کے مختلف رنگ قاری کے سامنے نمایاں کرتے ہیں کہ قاری ان کے سفر ناموں کے تاروپود میں سے معانی اور الفاظ و اصوات سے خوب مسحور ہوتا ہے۔

مستنصر کے بیرونِ ممالک پر لکھے گئے
سفرناموں میں جنس نگاری کا رجحان

دورِ جدید میں جنس اردو سفرنامے کا خاصا موضوع بن گیا ہے کیونکہ اس موضوع کا زندگی کے ساتھ انتہائی نازک تعلق ہے۔ سفرنامہ نگار معاشرتی تشخص کے بیان کیلئے جنس نگاری کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ تہذیب وتمدن میں پیش آنے والے پیچیدہ مسائل کی گرہوں کو کھولنے کی سعی میں جنس کا ذکر کرتے ہیں۔ جنسی جبلت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا تعلق بنیادی طور پر بقائے نسل سے ہے لیکن انسانوں میں جنسی جبلت مخصوص رجحانات کے تابع رہتی ہے جس میں سماجی رشتوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ جنسیات کے تاریخی تناظر میں انسانی تہذیب اور تمدنی مظاہر نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا جنس کے حوالے سے بھی عالمگیر سطح پر تبدیلیاں رونما ہوتی گئیں اور یوں جنس کو تاریخی، سیاسی، سماجی، نفسیاتی اور معاشی مسائل کے بڑے بڑے چیلنج درپیش آنے لگے۔ جس کی قدیم تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈائی سن کارٹر لکھتے ہیں:

> ''انسانی تاریخ کے ماہرین نے یہ ثابت کیا ہے کہ عہدِ قدیم میں مذہب اور جنس میں بہت قریبی رشتہ سمجھا جاتا تھا۔ محبت کی دیوی زہرہ، اناج کی دیوی سیریز وغیرآ فرینش اور فرائض کا تعلق جنسیات سے تھا۔ قدیم مذہبی رسومات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی زرخیزی، سورج کی زندگی بخش روشنی اور دوسرے مادی مظاہرِ فطرت کو پیچیدہ اور مسرت بخش نفسیاتی جذبات اور پراسرار ماورایت سے براہ راست وابستہ سمجھا جاتا تھا''۔ [۳۰]

اردو ادب کی بیشتر اصناف میں جنسی امتیازات سے پیدا شدہ مسائل کو موضوع بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح سفرنامے میں بھی انسانی گھٹن اور اضطراب کو بھی تلذذ کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

مستنصر کے بیرون ممالک پر لکھے گئے سفرناموں میں فحاشی اور عریانی کے مسئلے کو سمجھنے اور جنس نگاری کے حوالے سے ان پر لگائے گئے الزام کی تہہ تک پہنچنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے فحاشی وعریانی اور جنس نگاری کی وضاحت کی جائے اور پھر یہ ثابت کیا جائے کہ آیا مستنصر ایک فحاش نگار ہیں یا حقیقت نگار ادیب۔

فحاشی کے لفظ پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے مراد بے حیائی وبدکاری ہے چنانچہ علامہ نیاز فتح پوری اپنی کتاب ''جنسی ترغیبات'' میں فحاشی کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ لفظ فحاشی کا اصل مفہوم سامنے آجاتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''فحاشی نام ہے ہر اس طریق عمل کا جو قانون قدرت یا سوسائٹی کے مقرر کردہ اصول کے خلاف خواہش نفسانی پورا کرنے کیلئے اختیار کیا جائے اس میں وہ صورت بھی شامل ہے جس کا تعلق صرف کسبِ زر سے ہے اور جس کو عصمت فروشی کہتے ہیں''۔ ۳۱

اسی طرح اگر جنس کے مفہوم پر غور کیا جائے تو یہ بات ہرگز نہیں کی جاسکتی کہ جنس نگاری حقیقت نگاری کے برعکس ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو جدید دور میں جنس نگاری کا رجحان انسانی زندگی کا نقاش ہے لیکن جب کوئی ادیب یا مصنف اس جذبے کو ضرورت سے زیادہ بیان کرنے لگتا ہے تو یہ حقیقت فحاشی و عریاں نگاری کے زُمرے میں آجاتی ہے۔ اس لئے مجنوں گورکھپوری جنسی تجربے کو زندگی کے باقی تجربات کی طرح ایک اہم تجربہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جنسی تجربہ انسان کی زندگی کا نہایت اہم تجربہ ہے لیکن یہی سب کچھ نہیں اور اس کے ساتھ اور بہت سے اہم اور سنگین تجربات انسانی زندگی کی ترکیب میں داخل ہیں، کسی ایک تجربے کو اور تجربات سے جدا کر کے اس پر ضرورت اور حق سے زیادہ زور دینا حقیقت کی ایک بگڑی ہوئی تصویر پیش کرتا ہے، اس سے زندگی کا غلط اندازہ ہوتا ہے'' ۳۲

اگرچہ جنسی جبلت ایک حقیقت ہے جو ہر نارمل انسان کی گھٹی میں شامل ہوتی ہے اس لئے ادیب اس جذبے کے بیان سے سفرنامے کو دلچسپ بناتے ہیں جسے پڑھ کر قارئین حظ اٹھاتے ہیں۔ خالق کائنات نے یہ جذبہ انسان کو اس لئے ودیعت کیا ہے کہ انسان سکون حاصل کر کے نفس کی معراج تک پہنچ سکے لیکن اس حقیقت کی ترجمانی کیلئے بھی رب ذوالجلال نے معتدل زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی حکمت کے تحت بنی نوع انسان کیلئے حدود مقرر کی گئی ہیں۔ ہر شخص اپنے مذہب اور مسلک کے دائرے میں رہ کر تسکینِ نفس حاصل کرتا ہے۔ اس فعل کیلئے اعتدال کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور اگر اس اعتدال سے روگردانی کی جائے تو یہ جنس کا جذبہ فحاشی کے فعل میں داخل ہوجاتا ہے جس کی شریعت نے بھی مذمت کی ہے۔

ابنِ خلدون اس نکتے کو اس طرح واضح کرتے ہیں کہ:

''شریعت نے شہوت و غضب کی مذمت کی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ شہوت و غضب کا مادہ بالکل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بہرحال ان قوی کی بھی بہت ضرورت ہے۔ مقصد ان کی مذمت سے یہ ہے کہ نامناسب راستوں میں اور شریعت کے خلاف فرمان قوائے شہوانی و اعصابی سے کام نہ لیا جائے''۔ ۳۳

کسی بھی ادیب یا فنکار پر کوئی نظریہ،تصور یا خیال اچانک اور غیر متوقع طور پر خلا سے نمودار نہیں ہوتا ہے بلکہ اس پر سماجی،تہذیبی،تمدنی،معاشی اور ادبی حالات وعوامل کا اثر ضرور ہوتا ہے ادباء ان اثرات کو قبول کئے بغیر قلم کی جنبش جاری نہیں رکھ سکتے۔ان عوامل کا اثر قبول کر کے اپنی تحریروں کو قارئین کی آواز کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ان اثرات کو قبول کرتے ہوئے جب ادیب یا فنکار اپنی مہارت دکھاتے ہیں تو زمانہ کئی کروٹیں بدلتا ہے۔یہی حال نفسیاتی بصیرت کا بھی ہے۔

اردو ادب کی متعدد اصناف میں تحلیلِ نفسی کو خاصی اہمیت حاصل ہے اسی طرح صنفِ سفرنامہ نگاری میں بھی نفسیاتی بصیرت کا خاصا عمل دخل ہے۔سفرنامہ نگار جب اپنے وطن سے دوری پر نکلتا ہے تو اپنی اخلاقی سرحدوں اور قیدو بند سے عارضی چھٹکارہ پا کر دیارِ غیر کی تہذیب وثقافت کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے اور یوں وہ اس تہذیب وثقافت کے بیان میں رنگ آمیزی کرتے ہوئے کامیابی سے اپنی تحریر مکمل کر لیتا ہے یہی حال مستنصر کے سفرناموں کا بھی ہے۔

مستنصر کے خصوصاً مغرب کے سفرناموں کا تجزیہ کیا جائے تو واضح معلوم ہوتا ہے کہ مستنصر جنس کی تصویر کشی بڑے جذباتی انداز میں کرتے ہیں لیکن اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جنس نگاری مستنصر کے اسلوب کا خاصا نہیں ہے بلکہ وہ سفرنامے کے لوازمات کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے سفری تجربات،مشاہدات اور واقعات کو ایسے بیان کرتے ہیں کہ وہ جہاں جاتے ہیں وہاں کی تہذیب وثقافت اجاگر کرتے جاتے ہیں۔اس لئے مستنصر کے سفرناموں کے حوالے سے یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ ان کے سفرناموں میں ہمیں صرف جنس کی تصویریں ہی نہیں ملتی بلکہ وہ تہذیب وثقافت کے بنیادی اوصاف بیان کرتے نظر آتے ہیں اور ظاہری بات ہے کہ مغربی تہذیب میں جنس ایک فعال جذبہ ہے جو ہر شخص کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اثرانداز ہوتا ہے۔یوں مستنصر کے سفرناموں میں جنسی رویوں، جنسی رجحانات اور جنسی تعلقات کا تذکرہ اور سماج کی نفسیات،روایات اور اقدار کی پیش کش سے مغربی تہذیب کی وہ تلخ حقیقتیں جو ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہیں سامنے آجاتی ہیں اور یوں مغربی تہذیب کی چمک دمک اور جنسی جذبے اور انسانی نفسیات کے بیان میں مستنصر بھی کمال دکھاتے ہیں اور یہی کمال مستنصر کی تحریروں میں انہیں عروج کے زینوں پر لے جاتا دکھائی دیتا ہے کیونکہ انسانی نفسیات کی ترجمانی اور تہذیب وثقافت کی کارفرمائی میں موصوف اپنا سکہ جما کر عالمی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔یورپ میں چونکہ عورت کا حسن سرعام اپنا شباب دکھاتا ہے اور مستنصر اس سے اپنی تحریروں کو خوب مزین کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''پھر اس ستون سے ٹیک لگائے ہوئے ایک عورت کی شکل اور بدن جیسے کسی سحر کے زور سے دکھائی دینے لگے......تصویر مکمل ہوگئی......ہاں میں نے اسے کبھی......کسی تصویر میں

دیکھا تھا۔اس پوجے گئے قدیم ستون سے ٹیک لگائے نیلی جین اور نیلے سویٹر میں خوشنما ہوتی ایک عورت......اس کے نیم وا لب جیسے وصل کے پیاسے ہوں......اپنی بائیں ٹانگ کو سکیڑے کھڑی ہے...... یہ تصویر دیکھ کر فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ پرکشش ہے...... ہزاروں برس پیشتر پتھر سے تراشا ہوا گھنٹیوں اور گل بوٹوں سے کاڑھا ہوا ستون یا وہ عورت، سناٹے میں لے جانے والی حد تک خوبصورت...... حسن میں کون زیادہ تراشیدہ ہے......وہ ستون یا اس عورت کی بدنی بناوٹ......'' ۳۴؎

مستنصر کا یہ اندازِ بیان ان کے سفرنامے کی ہیئت پر خوب اثر انداز ہوتا ہے جس سے ان کے سفرنامے قاری کی پسندیدہ تحریریں بن جاتے ہیں۔مستنصر فطری آزادہ روی اور اپنے جذبات واحساسات اور خواہشات کو اپنی تحریروں کا موضوع بنا کر انسانی دوستی کے خیالات کو پروان چڑھاتے ہیں۔لیکن دیگر مشرقی سفرنامہ نگاروں کی طرح مستنصر کے سفرناموں میں بھی ایک بات نمایاں ہے کہ وہ صنفِ نازک کا ذکر تو کثرت سے کرتے ہیں لیکن جنس نگاری کے وقت ان کا قلم ان کی گرفت سے باہر نہیں ہوتا بلکہ وہ مغرب کے سفر کا حال بھی لکھتے ہوئے مشرق کے قارئین کا خیال ضرور رکھتے ہیں۔وہ اپنی تکنیک و زبان کے بل بوتے پر مغرب کی تہذیب اور خاص کر جنس جیسے فعال جذبے کو اعتدال کے ساتھ بیان کرتے ہیں جس کو پڑھ کر قاری انسانی زندگی سے نہیں بلکہ مغربی تہذیب سے نفرت کرنے لگتا ہے اور اسے اپنی تہذیب سے ہمدردی ہونے لگتی ہے۔مستنصر اوائل زندگی میں جب سفر پر نکلتے ہیں تو کم عمری کی وجہ سے انہیں مغربی تہذیب کی یہ رنگا رنگی خوب کھینچتی ہے جس کی وجہ سے وہ ظاہر کو باطن میں سمو کر بیان کرتے ہیں۔ان کے سفرنامے ''نکلے تیری تلاش میں'' کو جنس نگاری کا باقاعدہ ابتدائیہ قرار دیا جا سکتا ہے۔وہ روشن خیالی سے فرسودہ تصورات اور اس کی جکڑ بندیوں کی حدوں کو عبور کرتے ہوئے انسانی فطرت کی دلچسپیوں اور جذبات کی عکاسی بڑے پرکشش انداز و جذبات سے کرتے ہیں۔جیسے:

''مجھے تو اس مجسمے میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی''۔پاسکل نے مجسمے کے گرد گھومتے ہوئے اسے تنقیدی نظروں سے دیکھا اسے دنیا کی خوبصورت ترین عورت کہا جاتا ہے بلکہ فرانس میں اس مجسمے کے جسمانی تناسب کو معیار قرار دے کر ایک مقابلہ حسن بھی منعقد کیا جاتا ہے''۔پاسکل نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ وینس کے سڈول سینے پر ڈالی اور ناک چڑھا کر کہنے لگی ''میرے خیال میں تو وینس بے حد موٹی ہے'' اس نے آخری فقرہ رشک آمیز لہجے میں اتنی معصومیت سے کہا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔''دراصل تم وینس کے

خوبصورت جسم سے جلتی ہو"۔ ''میں کیسے جل سکتی ہوں؟'' پاسکل نے رُندھی ہوئی آواز میں آہستہ سے کہا اور پھر ایک دم کہنے لگی۔ ''وہ بھی تو میری طرح اپاہج ہے''۔ میں سکتے میں آ گیا۔ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ پاسکل اس خوبصورت مجسمے میں بھی اپنی دل آزاری کا جواز ڈھونڈے گی''۔ ۳۵

مستنصر معمولی معمولی واقعات کے بیان میں بھی ادبی حسن ظاہر کرتے ہیں وہ چہروں کی عکاسی میں تخلیقی شان پیدا کرتے ہیں نیز وہ اپنے اسلوب کے ذریعے عجائبات فطرت سے قارئین کی توجہ لطف اندوزی پر مرتکز کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ مستنصر انسانی جذبات اور اس کی خلقی قوتوں کو باریک بینی اور معنی خیز تبسم کے ذریعے یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ مناظر کہ قارئین مناظر کے حسن کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرنے لگتے ہیں۔ اس حوالے سے مستنصر کا اسلوب جاندار، خوش اطوار اور توانا ہے۔ وہ زبان کے تخلیقی استعمال پر قدرت رکھتے ہوئے قاری کو اپنی گرفت میں اس طرح لے لیتے ہیں کہ قاری مستنصر کی شوخ رنگوں سے سجائی ہوئی گل افشانی گفتار سے حظ اٹھانے لگتا ہے۔ مستنصر قاری کی نفسی خواہشات کے بیان میں ایسا اسلوب استعمال کرتے ہیں کہ نہ صرف ادب کا قاری بلکہ ایک عام سا قاری بھی ان کی تحریروں کی گہرائی سے واقف ہو جاتا ہے وہ زبان و بیان کے زور سے قاری کو لطف اندوزی کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ ان کے سفرناموں کا مطالعہ کیا جائے تو ان کا رومانوی اسلوب انہیں جدید دور کے قاری کے قریب کرتا نظر آتا ہے۔ مستنصر اپنے رومانوی اسلوب کی گل افشانیاں یوں کرتے ہیں:

''وہ کرسی پر بیٹھ کر ماتھے پر پڑی سنہری لٹ کو ہتھیلی سے سمیٹتے ہوئے بولی۔ میری ممی بہت سویٹ ہیں۔ ہم سفر کے دوران جہاں بھی جاتے ہیں ان کی بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ میں اُکتا نہ جاؤں اور خوش رہوں...... ''نہر کے کنارے'' اس نے سر ایک طرف جھٹک کر مسکراتے ہوئے کہا۔ سنہری لٹ پھر ماتھے پر آ گئی...... میز بڑی نفاست اور سلیقے سے سجائی گئی تھی...... شیشے کا اتنا خوبصورت کام میں نے کہیں نہ دیکھا۔ ربیکا نے اپنی لمبی انگلیوں سے گلدان پر ابھرتے ہوئے نقوش کو پیار سے چھوتے ہوئے کہا ''تمہارا کیا خیال ہے مرینو کا بنا ہوا یہ گلدان خوبصورت ہے نا؟''۔ ''ہاں ہے، لیکن شاید اتنی خوبصورت انگلیاں مرینو کے کاریگر صدیوں میں بھی تخلیق نہ کر سکیں''۔ اس نے ایک دم گلدان سے ہاتھ کھینچ لیا اور میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا...... یہ تو روم سے جدائی کی دھن ہے اور تم کل وہاں جا رہی ہو؟ اس کی مسکراتی ہوئی

آنکھیں سنجیدہ ہوگئیں۔ ''یہی تو میں بھول جانا چاہتی تھی''۔اس نے اداس ہوکر کہا
''مستنصر!تم کل ہمارے ساتھ روم کیوں نہیں چلتے''۔
اس نے یکدم خلافِ توقع میرے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر کہا۔ہم دونوں جی بھر
کے روم کی سیر کریں گے صبح کو دیاوینتو میں گھومیں گے۔پچھلے پہر ہسپانوی زینوں پر
بیٹھ کر پھول بیچنے والوں کی صدائیں سنیں گے اور شام کو.....'' ۳۶

مستنصر کے بیرون ممالک کے سفرناموں میں جنسی جذبات کی ترجمانی نمایاں نظر آتی ہے جو وہاں کی تہذیب کا حصہ ہے۔مشرق کی نسبت مغرب میں جنس کا رجحان سرعام ملتا ہے اور وہاں پر سرعام جنسی حرکات وسکنات کو معیوب نہیں سمجھا جاتا بلکہ مغربی اقوام نے اسے اپنی تہذیب کا حصہ بنایا ہوا ہے۔ادباء اس جذبے کی بدولت ان دیکھی دنیاؤں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں اس طرح ادباء اپنے تجربات ومشاہدات سفرنامے میں شامل کر لیتے ہیں۔ایسے سفرنامے جن میں جنس نگاری کا رجحان نمایاں نظر آتا ہے۔وہ قاری کے منظورِ نظر ہیں۔آج کا قاری قلیل وقت میں بھی سفرنامے شوق سے پڑھتا ہے کیونکہ سفرنامہ نگار قاری سے رشتہ استوار کر کے سفرنامے تحریر کرتا ہے۔مستنصر بھی اس فن کے برتنے میں کافی متحرک نظر آتے ہیں وہ اپنے تجربات کو رومانویت کے روپ میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں۔مستنصر کے گہرے مطالعے کی وجہ سے انہیں انسان شناسی کا ملکہ حاصل ہے۔اُن کے رومانوی اسلوب میں ایسی چاشنی سموئی ہوئی ہے جو ان کے سفرناموں کو زیادہ جاذبِ نظر اور دلکش بنا دیتی ہے۔ان کے اس انداز کی جھلکیاں جگہ جگہ ان کے سفرناموں میں دکھائی دیتی ہیں جیسے وہ ''تتلی پیکنگ کی''میں وہ رومانوی انداز میں لکھتے ہیں:

''اس کا لباس بدل چکا تھا وہ ایک مونگیا رنگ کے ریشمی اور نہایت چینی انداز میں گاؤن
میں تھی جو اس کا بدن بھی تھا اور لباس بھی،اس کے بوٹے سے قد میں کونپلیں پھوٹتی تھیں
اور زور کرتی تھیں۔وہی خاص خوشبو جو میرے کمرے میں اس کے پہناوؤں کے مختصر
قیام سے ٹھہری ہوئی تھی،اب اس کے چینی گاؤن کے نصف بازوؤں کے اندر سے
مہکتی آتی تھی......اکثر جمناسٹ لڑکیوں کے بدن تو ترشے ہوئے اور متناسب ہوتے
ہیں لیکن ان کے چہرے چوسے ہوئے اور پچکے ہوئے لگتے ہیں۔نادیا کمانچی میں بھی
حسن نہ تھا،بچپن کی معصومیت تھی جس نے ایک دنیا کو اپنا اسیر بنالیا تھا......لیکن یہ جو
تصویریں تھیں،ان میں نہ صرف یہ ایک سنہری وانگ لی ایک اگرچہ مختصر مگر لچکیلی ٹہنی تھی،
کچے بانس کی شاخ تھی بلکہ اس کا روشن مہاندرہ بھی ڈلکیں مارتا تھا اور اس کی مسکراہٹ ایسی

تھی کہ اس کی پرفارمنس کو نمبر دینے والے منصف بھی چندھیا جاتے ہوں گے......'' ۳۷

انسان اور انسانی فطرت ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوتے ہیں انسان کا دل اور دماغ قدرت اور فطرت کی دلچسپیوں، رعنائیوں اور حسین ترین قدرتی عوامل کا آئینہ دار ہوتا ہے۔انسان حقیقت اور ادراک تک رسائی اپنے جذبات اور احساسات کے توسط سے کرتا ہے۔انسانی فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ انسان فطرت کے حسن میں اپنے دکھ کا مداوا تلاش کرتا ہے۔اگر چہ فطرت اپنی ہستیوں اور کیفیتوں میں اب تک وہیں ہے جہاں وہ ابتدائے آفرینش میں تھی لیکن ادیبوں اور فنکاروں نے فطرت کے اندر نئے نئے رنگ بھر کر اس کو نئی نئی صورتیں عطا کر کے انسانی فطرت کو مخصوص انداز میں دیکھا ہے۔سفر نامہ نگار کیلئے موجودات میں سے ایسی تجلیات کو تلاش کرنا لازمی ہوتا ہے جو نا قابل یقین ہوں۔قاری سفر نامہ نگار سے توقع کرتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ حقیقت نگاری سے کام لے گا لیکن ایک سچا فنکار مظاہر فطرت اور مظاہر انسانی کو ایسے دیکھتا ہے کہ حقیقت و تخیل کی آمیزش سے ایک عمدہ تخلیق سامنے آجاتی ہے مستنصر بھی حقیقت و تخیل کے توسط سے قاری کے قلب و ذہن کو اپنی گرفت میں لے آتے ہیں۔فکر و تخیل کا بہترین استعمال مستنصر کے سفر ناموں کا خاصا ہے جو اپنا اثر دیر پا قائم رکھتے ہیں۔ان کے سفر نامے حقیقت و تخیل کے امتزاج کی بدولت اہم سمجھے جاتے ہیں۔وہ کائنات کے چاروں طرف بکھرے ہوئے انسانی جذبے کو تہذیبی زندگی کی لطافتوں سمیت شگفتہ مزاج میں بیان کرتے ہیں رقمطراز ہیں:

''بائیں ہاتھ پر جب عمارتیں کم ہوئیں اور وادیٔ کھٹمنڈو کی ہریالی وسیع ہوئی تو اس میں ایک دریا پھیلنے لگا جس کے کناروں پر بے شمار خواتین یا تو گھریلو کپڑے پٹخ پٹخ کو دھوتی تھیں اور اشنان کرتی تھیں......اور ایسے کرتی تھیں کہ کھٹمنڈو ایئر پورٹ پر متعین زنانہ پولیس کے براڈ پٹس کی مانند ان کے براڈ پٹس بھیگتی ساڑھیوں میں بدن سے چپکتے نمایاں ہوتے تھے یا ان کی ناف سے اوپر جو حصے تھے انہیں وہ تازہ ہوا اور دھوپ سے آشنائی کی خاطر کھلا چھوڑتی تھیں اور سوائے ہمارے انہیں کوئی نہیں دیکھتا تھا کیونکہ ہم ایک پاک سرزمین سے پے تھے انہیں جی بھر کے دیکھتے تھے اور لاحول پڑھ کر اپنے اس گناہ کی تلافی کر دیتے تھے......اس جزیرے میں داخلے کی شرط صرف یہ تھی کہ جو بھی آئے صرف برہنہ پا ہی نہیں برہنہ بدن بھی آئے اور اگر وہ از حد شرمیلا ہے تو زیادہ سے زیادہ جاپانی سومو پہلوان کی برائے نام لنگوٹی پہن کر آئے...... میں نے وہاں ایک ہینڈ پمپ سے پانی بھرتی خواتین کے ڈھیلے اور الجھتے ہوئے بدن کو دیکھا۔مقامی

چرچ میں اسی حالت غیر میں موم بتیاں جلاتے دیکھا تو انسانی بدن کی یکسر یکسانیت
سے آگاہ ہوا اور بے زار ہوا......اس کا بھید اور شہوت صرف پردے اور لباس میں
پنہاں تھی......تو میں دیکھ چکا ہوں...... مجھے ترغیب نہ دیجئے......" ۳۸ے

مستنصر کے سفرناموں کو قارئین اس لئے دلچسپی سے پڑھتے ہیں کہ مستنصر اپنے انداز میں جنس کا بیان ایسے کر دیتے ہیں جو کسی پر گراں نہیں گزرتا اور قاری ان کے اس اسلوب نگارش سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ وہ مستنصر کی تحریروں کو پڑھتے وقت اپنے اندر دبے جذبات کی حدت کو محسوس کرنے لگتا ہے کیونکہ وہ اسے اپنے طور پر تصور میں لاتے ہوئے تخیل کی کارفرمائی کے ذریعے تادیر حظ اٹھاتا رہتا ہے۔ مستنصر قارئین کو جنس نگاری کے ذریعے ذہنی عیاشی کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ نوجوان قاری معاشرے کی پابندیوں کو سہتے ہوئے جب ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اپنی زندگی کو ایک نئے زاویئے سے دیکھنے لگتا ہے۔ عورت جس کے ذکر کے بغیر کائنات کا حسن نامکمل نظر آتا ہے۔ سفرنامہ نگار بھی اس کا ذکر کئے بغیر اپنے سفری تجربات کو ادھورا سمجھ رہا ہوتا ہے مستنصر بھی اپنے سفرناموں میں میموں کا ذکر کئے بغیر لقمہ نہیں توڑتے اور وہ خوبصورت زبان اور افسانوی طرز میں رومانیت کا عنصر اپنی تحریروں میں یوں غالب کر دیتے ہیں کہ بعض اوقات وہ واقعات اور جنس کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہوئے نظر آتے ہیں جس طرح کہ "اندلس میں اجنبی" میں لکھا ہے کہ:

"میں نے ڈبے میں سوار مسافروں کا جائزہ لیا۔ ایک غلیظ ہسپانوی مزدور، دو راہبائیں، ایک فرانسیسی جوڑا اور گھٹے ہوئے جسم کی ایک نوجوان عورت جس کا سر نیند کی مدہوشی میں میرے شانے کے ساتھ آ لگا تھا......فرانسیسی جوڑا آپس میں گڈمڈ ہو کر سو رہا تھا۔ نوجوان عورت کا سر بدستور میرے شانے پر آرام کر رہا تھا۔ اس کا سانس بے حد گرم تھا۔

"معاف کیجئے گا" میں نے آہستہ سے اپنا شانہ ہلایا۔

"اُوں" عورت نے نیند میں ڈوبی ہوئی دائیں آنکھ کھول کر کہا اور پھر مسکرا کر میرے اور قریب آ گئی۔

"معاف کیجئے گا"۔ "اوں۔ ہوں"۔ عورت نے سر اٹھایا وہ میری جانب دیکھ کر مسکرائی اور پھر کندھے سکیڑ کر بڑے مزے سے دوسری طرف بیٹھے ہوئے ہسپانوی مزدور کے شانے پر سر رکھ کر سو گئی۔ مزدور کے خراٹے بند ہو گئے" ۳۹ے

اسلوب کسی بھی ادیب کا مخصوص اور منفرد اندازِ نگارش ہوتا ہے جو ادائے مطلب کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔

ادیب اپنی زندگی میں پیش آنے والے واقعات اور بدیہی حقیقت کو پیش کرنے کیلئے جن ذرائع کا سہارا لیتے ہیں وہ زبان و بیان ہوتے ہیں جن کے ذریعے ادباء ہر دور اور ہر زمانے کی نمائندگی کرتے ہیں۔سفرنامہ نگار اپنے ظاہری و باطنی تجربات کو اسلوب کے سانچے میں ڈھال کر پرکشش بناتا ہے۔سفرنامہ نگار مختلف ممالک کی تہذیبوں کا حال الفاظ کی چاشنی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔مغربی ممالک کے سفرناموں میں رومانی اندازِ تحریر خوب نظر آتا ہے باقی ادباء کی طرح مستنصر کے سفرناموں میں رومانی اندازِ تحریر کو بہت فروغ نصیب ہوا ہے۔وہ نت نئے خیالات لاتے ہوئے منظر کشی کا التزام کر کے جذبات و احساسات کی لطافت اور رنگینی سے مرصع کاری کرتے ہوئے ایک رومانی فضا اپنے سفرناموں میں قائم کرتے ہیں جو ان کے منفرد اندازِ نگارش کی آئینہ دار ہوتی ہے۔وہ جذباتی کیفیات کو بڑی فنکارانہ خوبیوں سے بیان کرتے ہیں۔ان کے ہاں بیان کی لطافت بہت اہمیت رکھتی ہے۔مستنصر کے سفرنامے بھرپور فکری و تہذیبی رچاؤ اور رومانی لب و لہجہ کی وجہ سے اوجِ کمال تک پہنچے ہوئے ہیں۔

مستنصر کے بیرون ممالک پر لکھے گئے سفرناموں کا ماحول،رومانی فضا اور معنوی تسلسل وہاں کی تہذیب و ثقافت کو بیان کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔وہ شستہ و شگفتہ زبان میں مسحورکن واقعات و جذبات کو بیان کرتے ہیں چنانچہ اظہار خیال کرتے ہیں:

> ''اب رہا میں...... میں تو کسی شمار قطار میں نہ تھا لیکن ایک اجنبی تو تھا اور ماسکو میں یہی کافی تھا......ایک شام جب میں ہوٹل لوٹتا تھا تو دریائے ماسکو کے ایک پل پر دولڑکیوں سے راستہ پوچھا تو وہ بخوشی میرے ساتھ چل دیں کہ ہم آپ کو چھوڑ آتی ہیں......وہ بھی تجسّس کی ڈور میں بندھ گئیں اور میں ان کی زندگی میں آنے والا پہلا پاکستانی تھا......وہ قریب آئیں اور پھر دور نہ ہوئیں...... چنانچہ یہ تینوں لڑکیاں......اور یاد رہے کہ ہم بھی لڑکے ہی تھے......تو یہ تینوں ہم دونوں کو تقریباً گیارہ بجے صبح جگانے کیلئے پہنچ جاتیں اور ان تینوں میں سے کم از کم دو تو ایسی تھیں جو ہر خوابیدہ شے کو جگانے پر قادر تھیں...... ہم ہمہ تن بیدار ہو جائے......تانیا ایک گھنگریالے بالوں والی کم ڈھینگ سی لڑکی تھی اور اسے کارل مارکس ازبر تھا......ادھر لینا ایک مختصر قد کی جسے ذرا رومانوی ہو کر بوٹا سا قد کہا جا سکتا ہے......لڑکی تھی اور اسے کچھ بھی ازبر نہ تھا،پر وہ یہ جانتی تھی کہ کوئی بھی لڑکا جو اس پر ایک نظر ڈال لے گا تو وہ اسے ازبر ہو جائے گی......
> لینا کی قامت اگر صرف ایک بالشت اور ہوتی تو وہ قیامت ہوتی......ان زمانوں کی

بے ڈھب روسی لڑکیوں کی نسبت اس کے بدنی خدوخال میں ایک الپس کوملتا اور کشش تھی جو اس کے پاس سے گزرتے لوگوں کو مڑ کر اسے دیکھنے پر مجبور کر دیتی ......ویسے لینا ایک خاموش طبع لڑکی تھی اور وہ میری جانب دیکھتی رہتی تھی اور پھر میرا ہاتھ تھام کر روسی میں جانے کیا کیا کہتی رہتی...... میں اسے رات گئے اس کے سٹوڈنٹ ہوسٹل چھوڑنے جاتا......اس کے اندر روسی کردار کی ایک خاص آزردگی اور اداسی تھی......اور اس کے اظہار کیلئے کسی زبان کی نہیں صرف جذبوں کی ضرورت ہوتی ہے'' [۴۰]

مستنصر کے سفرناموں کی شہرت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ انسانی خواہشات کے عین مطابق لکھے گئے ہیں انسان اپنی ذات کے حصار میں رہ کر ہی تسکین حاصل کرتا ہے لیکن قدرت کاملہ نے انسانی زندگی بسر کرنے کیلئے کچھ قواعدوضوابط مقرر کئے ہیں جن پر عمل پیرا ہونا انسان کی انسانیت کا ثبوت ہے یہی وجہ ہے کہ انسان کو اخلاقی سرحدوں میں مقید کیا گیا ہے وہ فارغ الوقت میں اپنے تخیل کی فراوانی کے ذریعے حظ اٹھاتا ہے، مستنصر نے مناظرِ فطرت کے ساتھ ساتھ تہذیبوں کے ٹکراؤ، روایات اور جنسی جذبے کو بڑے فنکارانہ انداز میں بیان کرتے ہیں وہ سفرنامے کا تاثر قاری پر چھوڑ کر اسے سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

رُتھ اور کیرن نے ان وحشیوں کی جانب ہاتھ ہلا کر ان کے جذبات کی قدر کی۔ رُتھ چونکہ کوہ نوردتھی اس لئے اس کا بدن ایک ٹین ایج لڑکی کی طرح کسا ہوا اور ایک سفیدے کی طرح سیدھا اور سفید تھا۔ اس کی کاٹھی بہت مضبوط تھی۔ کیرن اس سے کم عمر تھی لیکن اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی البتہ رُتھ کا چہرہ اس کے تجربے اور بیتے برسوں کی چند کہانیاں سناتا تھا......''نہیں نہیں''۔ رُتھ ہنسنے لگی اور اپنا سیاہ چشمہ اتار دیا کہ دھوپ کی شدت میں کمی آرہی تھی۔ مجھے اپنی عمر پر بہت فخر ہے۔ میں چھتیس برس کی ہوگئی ہوں''۔''اوہ مائی گاڈ''۔ میں نے نہایت سنجیدہ شکل بنا کر ذرا رنجیدہ ہوجانے کی اداکاری کی۔''اگر چھتیس برس کی ہوتو تم نے میرے دو دن ضائع کر دیئے ہیں یعنی کل شام سے اب تک'' [۴۱]

مستنصر کے سفرناموں میں مغربی کھوکھلی تہذیب کی عکاسی معروضی انداز میں کی گئی ہے۔ انہوں نے اپنے سفرناموں کے ذریعے یہ واضح کر دیا ہے کہ مغرب میں عورت کا احترام نہیں کیا جاتا بلکہ ان کی تہذیب کے مطابق عورت ایک نمائشی شے ہے۔ وہ تہذیب کے بیان میں موازنے کی تکنیک کا خوب استعمال کرتے ہوئے مشرقی تہذیب کو برتر قرار دیتے ہیں مغربی تہذیب کی اس کمزوری کو بیان کر کے وہ اس حقیقت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں کہ

عورت کا اصل مقام ہی اسلام نے عطا کیا ہے اورعورت کے تقدس کا خیال اسلامی تہذیب ہی میں رکھا جاتا ہے۔مستنصر اپنے مخصوص رومانی اسلوب کے ذریعے کڑوی حقیقتوں کو بھی مٹھاس کے ساتھ قاری کے دل میں یوں اتارتے جاتے ہیں کہ قاری کے دل کی دھڑکنوں کی تیزی ان کے سفرناموں کو جاذبِ توجہ بنا دیتی ہے کیونکہ وہ سفرناموں میں انسانی نفسیات کو بیان کرتے ہیں اور جس بھی ادیب کی تحریروں میں نفسی ضروریات کا خیال رکھام جاتا ہے وہ ہر قاری کا منظورنظر ہوتا ہے۔مستنصر نے قارئین کے جذبات کی خوب ترجمانی کی ہے۔وہ کڑوے اور تلخ حقائق کو بھی ایسے پرکشش انداز میں بیان کرتے ہیں کہ قاری کے جذبات اوران کے اسلوب میں خلا نہیں رہتا وہ جنس جیسی تلخ حقیقت کو بھی بیان کرنے کیلئے ایسی تکنیک کا استعمال کرتے ہیں ان کا اسلوب جذبات کی عکاسی میں اہم کردار ادا کرتا ہے ان کی تکنیک اور اسلوب کے ذریعے قاری تلخ حقائق کا بڑی رنگینی اور دلکشی کے ساتھ مطالعہ کر کے جذبات کی روانی میں مصنف کے ساتھ بہہ جاتا ہے جیسے مستنصر اس جادوئی انداز کو یوں صفحۂ قرطاس پر لاتے ہیں:

> ''انگلستان میں قیام کے دوران جسے اب پچاس برس ہونے کو ہیں ایلفز جیرلڈ ایسی موٹی اور بھدی خاتون نے مجھ ایسے شخص پر بھی جو گن رس نہیں رکھتا تھا سحر طاری کر دیا تھا......وہ کیسی والہانہ بےخودی کے ساتھ دکھ کے گیت الاپتی تھی......پھر گریٹ نیٹ کنگ کول تھا جس کے گیت ''پارٹی از اوور مائی فرینڈز'' اور خاص طور پر ''ٹرولو'' یورپ کی نوجوان نسل کے خون میں رچ گیا تھا......اور پھر گہری جنسی آواز میں گانے والی اِرتھا کٹ جس کے بیشتر گانے اس کی آواز کی ترجمانی کرتے تھے......''فیور'' اور ''وہاں ایک آگ ہے نیچے...... نیچے میرے دل میں'' ہمارے نوخیز بدنوں کو آگ لگا دیتے تھے......اور اس عہد کی سب سے پسندیدہ موسیقی راک اینڈ رول بھی سیاہ فاموں کے تھرکتے بدنوں میں سے پھوٹی......اگرچہ سفید فام امریکہ نے اپنے ہم نسل ایلوس پرسلے کو اس کا بادشاہ بنا دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ پیانو پر کودنے والے لٹل رچرڈ نے ''گڈ گالی مس مالی'' گا کر اس صنف کا آغاز کیا...... ہیری بیلافونٹے کے گانے ؟؟ڈے اور......ڈے لائٹ کمز اینڈ آئی وانٹ ٹو گو ہوم'' اور خاص طور پر ''ریڈ سیلز ان دے سن سیٹ'' رومانوی ماحول کا ایک اہم جزو تھے اور یہ گیت بازاروں میں گائے جاتے تھے...... بےشک ان دنوں سیمی ڈیوس جونیئر بھی تھا جس کی ایک ٹانگ لکڑی کی تھی اور ایک آنکھ بھی نہیں تھی اور اس کے باوجود وہ ایک زبردست رقاص اور گلوکار تھا......وہ فرینک سناٹرا اور ڈین مارٹن ایسے گلوکاروں کا جگری یار تھا اوران سے کہیں

بڑھ کر لوگوں کا پسندیدہ تھا''۔ ۴۲

مستنصر اپنے سفرناموں میں تکنیک کے نئے تجربات کرتے ہوئے تہذیب وتمدن کا بیان واقعہ نگاری کے ساتھ کرتے ہوئے ماحول کی عکاسی اور فضابندی کا گر سکھاتے ہیں۔سفرناموں کا بیانیہ انداز اور افسانوی طرزِ تحریر مستنصر کے سفرناموں میں دلکشی کے عنصر کو بڑھاتے ہیں۔وہ قصہ در قصہ واقعات کے بیان سے سفرنامے کو جاذبِ نظر بناتے ہیں وہ افسانے کی طرح اپنے سفرناموں میں بھی جزئیات نگاری کا برتاؤ عمدہ انداز سے کرتے ہیں۔وہ معاشرے میں پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے معاملات کو بھی موضوعِ قلم بناتے ہیں جس سے نہ صرف ان کا سفرنامہ مکمل کہانی کی صورت میں سامنے آتا ہے بلکہ قاری بھی سوسائٹی سے متعلق ہر معلومات کو اپنے انداز میں دیکھتا نظر آتا ہے۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی سے پہلے کے سفرناموں کو اگر دیکھا جائے تو ان کا اندازِ تحریر اس طرز سے مختلف نظر آتا ہے۔ان سفرناموں میں قاری اور ادیب کا رشتہ استوار نظر نہیں آتا لیکن دورِ جدید کے سفرنامہ نگاروں نے قاری کی نبض پر ہاتھ رکھ کر سفرنامے لکھے ہیں اور سفرنامہ نگاروں نے قاری کا رشتہ معاشرے سے استوار کر دیا ہے۔قاری ہر واقعے کو پڑھتے وقت اپنائیت محسوس کرتا نظر آتا ہے مستنصر نے اپنے سفرناموں میں طرزِ معاشرت کو شامل کر کے جدید ہونے کا ثبوت دیا ہے۔مستنصر حیرت وتجسّس کو برقرار رکھنے کیلئے جابجا صنفِ نازک کا تذکرہ کر کے سفر کی داستان اور تجربات اسلوب کی دلکشی اور رنگینی سے بیان کر کے قاری کو مسحور کرتے ہیں جیسے ''ہیلو ہالینڈ'' میں مستنصر خود اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اور وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی بناء پر میں نے برسلز کے قیام کی تفصیل درج کرنے سے گریز کیا تھا...... میں نے اپنے پہلے سفرنامے کے مسودے کو جب دوبارہ پڑھا تو مجھے احساس ہوا کہ صنفِ نازک کے تذکرے مسلسل ہیں اگرچہ میں لاچار تھا کہ وہ مسلسل تھیں تو میں کیا کرتا...... علاوہ ازیں سفرنامے کا حجم بڑھتا جاتا تھا اور میں پیرس کی پاسکل کے حوالے سے اس کے جلد از جلد اختتام کی تمنا کرتا تھا...... چنانچہ میں نے برسلز کے قیام کو حذف کر کے مختصر کر دیا اور آگے بڑھ گیا......اور صد شکر کہ میں نے یہ گریز کیا کیونکہ ''نکلے تیری تلاش میں'' کی اشاعت پر جہاں اس کی پذیرائی نے مجھے مسرت اور حیرت سے ہمکنار کیا وہاں حاسدین کے اس اعتراض پر بھی دکھی ہوا کہ مستنصر کو ہر قدم پر ایک لڑکی سے سابقہ کیوں پڑ جاتا ہے اور یہ تو حقیقت سے ماورا اس کی ذہنی اختراع کے کرشمے ہیں...... دراصل وہ اپنے ٹی ہاؤسوں اور باہمی ستائش کی محفلوں سے دور گوالمنڈی کی ایک دکان میں بیٹھے ہوئے ایک سفرنامہ لکھ ڈالنے والے

شخص کو جواُن کی منڈلیوں کا ایک فرد نہ تھا، ایک ادیب کیسے مان لیتے ......تو وہ اس سفرنامے کی مقبولیت اور پذیرائی کیلئے جواز تراشتے تھے اگر چہ اُن میں سے بیشتر نے بہت عرصہ بعد وسیع القلبی کا مجبوراً مظاہرہ کیا جب میرے پاکستانی شمال کے بارہ سفرناموں میں مجال ہے کوئی لڑکی دور دور تک نظر آتی ہو، صرف پتھر اور برفیں نظر آتی تھیں اور پھر بھی وہ مقبول ہوئے''۔ ۴۳

مستنصر جنس نگاری کو حسن و خوبی کے ساتھ پیش کرتے ہیں ۔جنس ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار بنی نوع انسان کی موجودگی سے انکار ہے لیکن اس کڑوی حقیقت کا سر عام بیان اپنی تہذیب سے انحراف کرنے کے مترادف ہے لیکن یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ رومانویت پسند ادباء نے اس فطری جذبے کے بیان میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔مستنصر بھی دیگر سفرنامہ نگاروں کی طرح اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔وہ کردار نگاری کے ذریعے انسانی نفسیات کے تلخ حقائق کو شوخی، شرارت اور چلبلاہٹ پن سے بیان کرتے ہیں ۔وہ مغرب کی معاشرتی برائیوں کا ذکر بے باکی سے کرتے ہوئے ان کے اندازِ زندگی، رہن سہن اور آزادخیالی کو منظر عام پر لاتے ہیں۔مستنصر کا یہ اندازِ تحریر انہیں قارئین کے دل و دماغ میں مقام عطا کرتا ہے کیونکہ قارئین ان کے اسلوبِ بیان سے لطف بھی اٹھاتے ہیں اور یوں وہ مغرب کی گھناؤنی زندگیوں اور اس کی روشن تہذیب سے بھی نفرت کرنے لگتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے وطن اور اپنی تہذیب و تمدن سے محبت کے جذبے کو بھی ہوا دینے لگتے ہیں ۔قارئین کے دل و دماغ میں مغربی و مشرقی اقدار و تہذیب کے امتزاج کو اُجاگر کرنے کیلئے مستنصر نے تکنیک کے تجربات سے استفادہ حاصل کیا ہے۔زبان و بیان کے استعمال اور اسلوب کے ڈھنگ نے انہیں قاری سے ہمدردی حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو ان کے سفرناموں میں فن کا عمدہ استعمال نظر آتا ہے کہ وہ جنس جیسے فعال کردار کو بیان کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں ۔اگر چہ مستنصر کے سفرناموں پر یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ وہ عورتوں کا ذکر بے تحاشا کرتے ہیں اور وہ افسانوی انداز کے مبالغہ آمیز واقعات کے ساتھ وجودِ زن کو پیش کر کے تسکین حاصل کرتے ہیں ۔اس اندازِ تحریر کو بے شمار ناقدین نے بھی ناپسند کیا ہے لیکن مستنصر یہ انداز تہذیب کی کارفرمائی کیلئے اپناتے ہیں ۔ڈاکٹر سلیم اختر اردو سفرناموں میں اس رویئے کے برتنے پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے سفرناموں میں میمیں ڈالنے کے عمل نے اب لطیفہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ٹیڑھی بوتھی، بونگا بندہ لیکن جس ملک سے گزرے گا وہاں درجن بھر روتی بلکتی

بلکہ کرلاتی دوشیزائیں ''استعارتاً) اپنے پیچھے چھوڑ آئے گا یوں نہ کرو تو دوستوں کو منہ
دکھانے کے قابل نہ رہو گے''۔ ۴۴

مستنصر کی اکثر و بیشتر تحریروں میں میموں اور حسین نوجوان لڑکیوں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے لیکن شاید اس کی یہ وجہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ دورِ جدید کا قاری انٹرنیٹ و پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کا قاری ہے اسے کتاب کے قریب کرنے کیلئے انہوں نے اس انداز کو اپنایا ہے جو منفی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ وہ یورپ کی فحاشی کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے باطن کی آواز بلند کر لیتے ہیں جس پر اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ یہ ان کے سفرناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستنصر یورپ کی فحاشی کا تذکرہ تو کرتے ہیں لیکن وہ اس ماحول میں اپنا آپ دامن بچا کر نکلنے کی کوشش نہیں کرتے اور ''صنفِ نازک'' کو بطور ہتھیار استعمال کر کے قاری کی نفسیات کے عین مطابق سفر کے تجربات تحریر کرتے ہیں۔ ان کے سفرناموں میں جنس نگاری کی تکرار اور قارئین کی تعداد نے انہیں ایک کامیاب سفرنامہ نگار بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اس حوالے سے ہم مستنصر کا مقام و مرتبہ اس رائے سے متعین کر سکتے ہیں:

''مستنصر آج سفرنامہ پڑھنے والوں کے سب سے زیادہ پسندیدہ مصنف ہیں کیونکہ انہوں نے اپنا ہر سفرنامہ لوگوں کی نفسیات اور پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے تخلیق کیا ہے۔ انہوں نے بارہ مصالحے کی چاٹ اور معلومات جس کے بارے میں اکثر لوگ کہتے ہیں کہ جہاں بھی مستنصر گئے وہاں کے معلوماتی کتابچوں کی مدد سے افسانوی انداز میں وہ سب کچھ تحریر کر دیا جو قاری پڑھنا چاہتا ہے۔ ایک عام قاری جسے پڑھنے سے کچھ بھی دلچسپی ہے وہ چاہتا ہے کہ ہلکے پھلکے انداز میں سفرنامہ نگار اسے بیرون ملک کی معلومات مہیا کر دے جو اس کے لئے انکشاف کی حیثیت رکھتی ہوں، اس طرح وہ گھر بیٹھے سیر بھی کر لے اور جنسِ لطیف یا میموں کے حوالے سے چٹخارے دار باتوں سے حظ بھی اٹھا لے۔ مستنصر کی یہ خوبی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ قاری کیا پڑھنا چاہتا ہے''؟ ۴۵

اس رائے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مستنصر نے اگر گھناؤنے جذبے کے بیان میں احتیاط نہیں برتی تو اس کی یہی وجہ ہے۔ وہ قاری کی نفسیاتی و ذہنی سطح کو جانتے ہوئے اپنے مشاہدات و تجربات کو تحریر کرتے ہیں۔ وہ قاری کیلئے اپنی تحریروں میں ایسا ماحول تخلیق کر دیتے ہیں کہ قاری تا دیر تخیل کی فراوانی میں بہتا رہتا ہے لیکن اگر اس جذبے کے بیان میں مستنصر الفاظ کا ایسا استعمال کرتے ہیں کہ کوئی بھی انسان ان کے اسلوب بیان اور تکنیکی کارفرمائی کی سحر انگیزی کا اثر قبول کر لیتا ہے۔ کرنل محمد خان مستنصر کے سفرناموں پر رائے دیتے ہوئے یوں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجھے مستنصر کے سفر ناموں میں جس چیز سے جادو ہو جاتا ہے وہ ان کی فضا ہے وہ دلربا سی نیم اداس فضا، نیم اداسی جو مستنصر کی نشیلی آنکھوں میں ہے اس کی تحریر میں بھی محسوس ہوتی ہے۔ایک ایسی نیم اداس فضا جس میں غم کے گہرے بادل ہیں، نہ خوشی کی چمکدار دھوپ۔بس دونوں کے بین بین رومانیت کی بھینی بھینی خوشبو سے معطر، ریشمی سی اداسی میں لپٹا ہوا سفر جو محض سفر برائے سفر ہے۔اس میں دنیا کو فتح کرنے، علم حاصل کرنے یا معاشرے سنوارنے کی کوئی آلائش نہیں۔مسافر صرف دنیا دیکھنے اور اہل دنیا کا تماشا کرنے کی آرزو ہے''۔ ۴۶

مستنصر کے سفر ناموں میں جنس کا غلبہ ہی نظر نہیں آتا وہ صرف عورت کے کردار کے ذریعے ہی اپنے سفر ناموں کو دلچسپ نہیں بناتے بلکہ اگر دیکھا جائے تو ''منہ وَل کعبے شریف'' اور ''غار حرا میں ایک رات'' جیسے سفر نامے بھی مستنصر کے قلم سے تحریر ہوئے ہیں۔ایک قاری اقبال جو مستنصر کے سفر ناموں کو صرف جنس کے ذکر کے حوالے سے ہی جانتا تھا اس نے جب ان مقدس مقامات کے سفر نامے پڑھے تو پاک دھرتی پر جا کر مستنصر کو ایک تار بھیجا اور اپنے اس رویئے پر ان سے معذرت چاہی۔چسپاں رقعہ ملاحظہ ہو۔

حوالہ جات

۱) مستنصر حسین تارڑ، خانہ بدوش، ص۔۲۸۲
۲) مستنصر حسین تارڑ، اندلس میں اجنبی، ص۔۴
۳) مستنصر حسین تارڑ، اندلس میں اجنبی، ص۔۵
۴) مستنصر حسین تارڑ، نکلے تیری تلاش میں، ص۔۳۶
۵) مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص۔۲۹
۶) مستنصر حسین تارڑ، نیپال نگری، ص۔۱۴
۷) مستنصر حسین تارڑ، نکلے تیری تلاش میں، ص۔۲۶
۸) مستنصر حسین تارڑ، نکلے تیری تلاش میں، ص۔۲۷
۹) مستنصر حسین تارڑ، مجموعہ مستنصر حسین تارڑ، ص۔۳۰۹
۱۰) مظفر علی سید، بین السطور مضمون، (مشمولہ، سویرا۔۱۹۷۱ء) ص۔۸۰
۱۱) مستنصر حسین تارڑ، ہیلو ہالینڈ، ص۔۱۱۵
۱۲) مستنصر حسین تارڑ، ماسکو کی سفید راتیں، ص۔۲۴۔۲۵
۱۳) مستنصر حسین تارڑ، الاسکا ہائی وے، ص۔۶۳
۱۴) مستنصر حسین تارڑ، مجموعہ مستنصر حسین تارڑ، اندلس میں اجنبی، ص۔۳۰۱
۱۵) مستنصر حسین تارڑ، پتلی پیکنگ کی، ص۔۳۶۔۳۷
۱۶) مستنصر حسین تارڑ، نیپال نگری، ص۔۱۸۔۱۹
۱۷) مستنصر حسین تارڑ، الاسکا ہائی وے، ص۔۱۹
۱۸) مستنصر حسین تارڑ، سنہری اُلو کا شہر۔ص، ۲۸
۱۹) مستنصر حسین تارڑ، (مجموعہ) اندلس میں اجنبی، ص۔۳۵۴
۲۰) مستنصر حسین تارڑ، پتلی پیکنگ کی، ص۔۳۲
۲۱) مستنصر حسین تارڑ، نکلے تیری تلاش میں، ص۔۲۳
۲۲) مستنصر حسین تارڑ، ہیلو ہالینڈ، ص۔۵۹

۲۳) مستنصر حسین تارڑ، مجموعہ مستنصر حسین تارڑ، اندلس میں اجنبی، ص۔۳۵۰
۲۴) مستنصر حسین تارڑ، نکلے تیری تلاش میں، ص۔۱۳
۲۵) مستنصر حسین تارڑ، مجموعہ مستنصر حسین تارڑ، اندلس میں اجنبی، ص۔۳۰۸
۲۶) مستنصر حسین تارڑ، پتلی پیکنگ کی، ص۔۲۸
۲۷) مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص۔۴۲
۲۸) مستنصر حسین تارڑ، مجموعہ مستنصر حسین تارڑ، مشمولہ "اندلس میں اجنبی" دیباچہ از کرنل محمد خان ص۔۲۸۹
۲۹) مستنصر حسین تارڑ، نکلے تیری تلاش میں، ص۔۳۵۱
۳۰) ڈائی سن کارٹر، گناہ اور سائنس، ص۔۶۱
۳۱) نیاز فتح پوری، جنسی ترغیبات، ص۔۲۳
۳۲) عبدالحئی علوی، پروفیسر، اصول لغیات (جلد دوم) ص۔۳۵
۳۳) مجنوں گورکھپوری، ادب اور زندگی، ص۔۲۳۹
۳۴) مستنصر حسین تارڑ، سنہری الو کا شہر، ص۔۲۵۲
۳۵) مستنصر حسین تارڑ، نکلے تیری تلاش میں، ص۔۲۷۹
۳۶) مستنصر حسین تارڑ، نکلے تیری تلاش میں، ص۔۱۸۲۔۱۸۳
۳۷) مستنصر حسین تارڑ، پتلی پیکن کی، ص۔۳۴۷
۳۹) مستنصر حسین تارڑ، نیپال نگری میں، ص۔۲۹۲۔۲۹۳
۴۰) مستنصر حسین تارڑ، اندلس میں اجنبی، ص۔۱۱۲
۴۱) مستنصر حسین تارڑ، ماسکو کی سفید راتیں، ص۔۲۲۔۲۳
۴۲) مستنصر حسین تارڑ، نیویارک کے سو رنگ، ص۔۹۷
۴۳) مستنصر حسین تارڑ، ہیلو ہالینڈ، ص۔۳۸
۴۴) سلیم اختر، ڈاکٹر، "دیباچہ" مشمولہ: جزیرہ جما کے از شوکت علی شاہ، ص۔۷
۴۵) ذوالفقار علی احسن، اردو سفرنامے میں جنس نگاری کا رجحان، ص۔۲۱۱
۴۶) مستنصر حسین تارڑ، مجموعہ مستنصر حسین تارڑ مشمولہ، دیباچہ۔اندلس میں اجنبی از کرنل محمد خان ص۔۲۹۰

باب چهارم

مستنصر حسین تارڑ کے اندرونِ ملک
شمالی علاقہ جات پر لکھے گئے
سفرناموں کا تجزیہ

★ ہنزہ داستان	۱۹۸۵ء
★ سفر شمال کے	۱۹۸۷ء
★ نانگا پربت	۱۹۹۱ء
★ کے ٹو کہانی	۱۹۹۳ء
★ چترال داستان	۱۹۹۴ء
★ یاک سرائے	۱۹۹۷ء
★ شمشال بے مثال	۲۰۰۰ء
★ سنولیک	۲۰۰۰ء
★ دیوسائی	۲۰۰۲ء
★ برفیلی بلندیاں	۲۰۰۴ء
★ رتی گلی	۲۰۰۶ء

مستنصر کے اندرون ملک پر لکھے گئے سفرناموں میں جنس نگاری کا رجحان

سفر نامہ ایک ایسی صنف نثر ہے جس میں سفر نامہ نگار تہذیب و ثقافت کی عکاسی بھر پور انداز میں کرتا ہے۔ ہر دور کے سفر ناموں میں تہذیب و معاشرت کی آویزش پائی جاتی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ چونکہ ایک سیاح ہیں وہ کائنات کی ہر شے کو سیاحت کی تڑپ سے قریب کر کے محسوس کرتے ہیں۔ وہ فراغت میں زندگی بسر کرنے کی بجائے سیاحت کو ترجیح دیتے ہیں۔ سیاحت ان کا ایک ایسا مشغلہ ہے جس کا مادہ قدرت کاملہ نے ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اپنے اس شوق کی پاسداری کرتے ہوئے مستنصر نے نہ صرف بیرون ممالک کی سیر کی ہے بلکہ وہ اندرونِ پاکستان کی سیر و تفریح سے بھی خوب لطف اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ وہ ہر ایک خطے اور علاقے کے ماحول کی تہہ میں جا کر اپنے تجربات کو محسوس کر کے بیان کرتے ہیں۔ مستنصر کے سفر نامے قارئین کی بڑی تعداد پسند کرتی ہے کیونکہ قارئین ان کے ماحول سے آگاہ ہیں لیکن مصنف اپنے اسلوب کے بل بوتے پر اپنے تجربات کو حسین بنا کر قاری کو اور ہم آہنگ کر کے ان کا ساتھ حاصل کر لیتے ہیں۔ مستنصر کے اندرون ملک اور بیرون ممالک کے سفر ناموں کا تجزیہ کیا جائے تو اندرون پاکستان شمالی علاقہ جات کے سفر نامے زیادہ اہم نظر آتے ہیں کیونکہ ان سفر ناموں میں انہوں نے اپنی تہذیب و ثقافت کو محفوظ کر لیا ہے اور یہ سفر نامے زیادہ تر مقامیت لئے ہوئے ہیں ان سفر ناموں میں مستنصر متعدد اصناف نثر کی تکنیک کا استعمال بھی کرتے ہیں بیانیہ انداز ان کے سفر ناموں میں خوب نظر آتا ہے لیکن کہیں داستانوی رنگ اور کہیں افسانوی انداز تو کہیں ناول کی طرح زندگی کا عکس ان کے

سفرناموں کے واقعات کو کامیاب بناتا ہے۔ مستنصر نے سفرنامے کو قاری کے دل میں اتارنے کیلئے جو اسلوب تراشا ہے اس نے سفرنامے کے قاری کو نیا ذائقہ پیش کر کے سفرنامے کی تکنیک کو نئی کروٹ عطا کی ہے۔

مستنصر نے اندرون ملک پہاڑی علاقہ جات کے سفر کر کے شمال کی خوبصورتی کو اوراق میں محفوظ کر لیا ہے۔وہ حقیقت و تخیل کے امتزاج سے شمالی علاقہ جات کے سفر کے واقعات کو دلچسپ انداز سے بیان کرتے ہیں۔مستنصر کے سفرناموں کے حوالے سے یہ باب بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس باب میں مغالطے کو دور کرنے کی کوشش شامل ہے کہ ''کالاش'' سفرنامہ نہیں ہے بلکہ وہ سفری ڈرامہ ہے جس میں سفرنامے کی تکنیک کا استعمال بھی کیا گیا ہے اس طرح اگر دیکھا جائے تو مستنصر کے شمالی علاقہ جات پر لکھے گئے بارہ نہیں بلکہ گیارہ سفرنامے ہیں۔اس تعداد پر مصنف خود بھی متفق نظر نہیں آتے لیکن دوران تحقیق مستند ذرائع اور تکنیکی حوالوں کے ذریعے یہ حقائق سامنے لائے گئے ہیں اور اس پوشیدہ حقیقت کو آشکارا کیا گیا ہے۔اس حوالے سے مستنصر خود یوں رقمطراز ہیں:

''میں نے بارہ سفرنامے صرف پاکستان کے ناردرن ایریاز پر لکھے کیونکہ میں تقریباً ہر سال Tracking کیلئے ایسے دور افتادہ علاقوں میں جاتا ہوں جہاں عام لوگ نہیں جا سکتے اور ان کے بارے میں سفرنامے لکھتا ہوں۔حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پاکستان کے علاقوں کے بارے میں لکھے گئے سفرنامے بہت پاپولر ہوئے۔میرے سفرنامے زیادہ تر پہاڑوں اور پتھروں کے بارے میں ہوتے ہیں''۔ [1]

مستنصر نے پاکستان کے شمالی علاقہ جات کے سفرناموں میں مظاہر قدرت اور حقائق کو خارج سے باطن میں سمو کر کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ اُن کے مشاہدات و تجربات اور محسوسات داخلی آنچ میں پک کر خود بخود قارئین کے سامنے اپنے طلسماتی انداز میں آجاتے ہیں اور کوئی بھی قاری خوشگوار تاثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اندرونِ ملک کے باقاعدہ سفرنامے لکھنے کا آغاز مستنصر ''ہنزہ داستان'' سے کرتے ہیں۔''ہنزہ داستان'' شمال پر لکھا گیا پہلا سفرنامہ ہے۔ڈاکٹر انور سدید یوں لکھتے ہیں:

''ہنزہ داستان'' میں مستنصر نے شاید پہلی دفعہ بیرونی ممالک سے نظریں ہٹا کر اندرون ملک کی سیاحت کی ہے۔''ہنزہ داستان'' زندگی کی اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ فطرت جو مناظر میں پوشیدہ ہے ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں اور ڈھلوانوں پر سرسراتی ہوا بوڑھی ہو سکتی ہے،انسان پر بھی زوال آسکتا ہے اور وہ عمر رفتہ کو آواز دینے لگتا ہے لیکن فطرت اپنا سحر قائم رکھتی ہے۔چنانچہ ایک طویل عرصے

بعد مستنصر نے بلادِ مغرب کے متعدد ممالک کی سیاحت سے نوادرات کے موتی جمع کر لئے تو وہ اپنی نوجوانی کے گمان کا ثبوت تلاش کرنے کیلئے پاکستان کے شمالی خطوں کی طرف چل نکلا۔ یہ تجربہ اس کے سابقہ تجربوں سے بالکل انوکھا تھا اس لئے میں نے اسے ایک نئے ذائقے کا سفرنامہ شمار کیا ہے''۔ ۲؎

''ہنزہ داستان''مستنصر نے ناول کی تکنیک پر لکھا ہے اس میں پلاٹ بھی بُنا گیا ہے لیکن ڈھیلا ڈھالا ہے، بے شمار کردار ہیں جو زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ مصنف اندرون ملک کے سفرناموں میں شعور کی رُو کی تکنیک کا استعمال بھی کرتے نظر آتے ہیں''ہنزہ داستان''میں فلیش بیک کی تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے وہ قارئین کی بڑی تعداد کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ان سفرناموں میں مستنصر نے زندگی کے ہر دھارے کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔ان کے اندرونِ ملک کے سفرنامے اس لئے بھی قارئین پسند کرتے ہیں کہ وہ مقامیت کا اثر لئے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے قاری کی ہم آہنگی سفرنامے سے برقرار رہتی ہے۔

سفرنامے کے بارے میں ایک سوال اٹھایا جاتا ہے کہ آیا سفرنامہ نگار جو واقعات رقم کرتا ہے اور جو کردار سامنے لاتا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں کہ نہیں؟اس کا مختصر اُجواب یہ ہے کہ سفرنامہ نگار ہر تخلیق کار کی طرح قوتِ متخیلہ سے کام لے کر حقائق پیش کرتا ہے۔مستنصر نے بھی یہی انداز اپنایا ہے ان کے سفرناموں کے حوالے سے اگر وہاں کے رہائشیوں سے پوچھ گچھ کی جائے تو سچ واضح نظر آنے لگتا ہے۔ان کے کردار معاشرے کے جیتے جاگتے سچے کردار ہوتے ہیں۔میرا اتفاق یہ ہے کہ مستنصر کے کرداروں تک رسائی تو حاصل نہ کر سکی لیکن میری نگران ڈاکٹر روبینہ شاہین کا تعلق بھی مانسہرہ کے اسی علاقے سے ہے جس کے رہائشی مستنصر کے''ہنزہ داستان'' کی کردار خانم ہے۔محترمہ نے دوران تحقیق مجھے بتایا کہ خانم ان کے پڑوس میں رہتی تھی اور ڈاکٹر روبینہ شاہین کے گھر والوں سے ان کے ذاتی تعلقات تھے اور خانم ایک ایرانی خاتون تھی جو تنہا اپنے بیٹے کے ساتھ رہتی تھی اور اس کا رہن سہن مانسہرہ کی زندگیوں سے منفرد تھا۔اس کے بیٹے کی وفات کے بعد اسے اتنا صدمہ پہنچا کہ وہ زندگی ہار گئی۔مستنصر کے اندرونِ ملک شمالی علاقہ جات پر لکھے گئے سفرناموں کا ثقافتی اور سماجی پسِ منظر بہت پھیلاؤ رکھتا ہے جس کی ایک وجہ اُن کا مطالعۂ دنیا ہے اور دوسری خاص وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے وطن اور سرزمینِ پاکستان اور اُس کے ہر خطے سے وابستہ تہذیب و ثقافت سے خاص لگاؤ اور دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ یوں کہنا درست ہوگا کہ شمالی علاقہ جات ان کی کمزوری ہیں وہ لکھتے ہیں:

''پاکستان کا شمال میری کمزوری بن چکا ہے۔ یہ درمیانی عمر کی محبت کی طرح مجھے

بے بس کرتا ہے اور بس یہی کہتا ہے کہ میرے پاس آ ...... اور میں جانا چاہتا ہوں......'' ۳؎

شمال سے یہی محبت انہیں کوہِ ندا کی طرح پکارتی ہے وہ عام سیاحوں کی طرح بغیر تیاری کے گھر سے نہیں نکلتے بلکہ سفر کرنے سے پہلے اس علاقے کے بارے میں مکمل معلومات اکٹھی کرتے ہیں۔ان کے ہاں کوئی خطہ محض خطہ نہیں بلکہ ایک نئی دنیا ہے جس کے بارے میں سفر سے پہلے اور بعد میں جاننا ضروری امر ہے۔

''وائن ہولڈ میسنر کی ایک کتاب ''دی بگ والز'' میں اس کے بھائی گنھر کا ایک خط درج ہے جو اس نے اپنے ماں باپ کو اس مہم کے دوران ٹاپ میدان کے ایک بیس کیمپ سے لکھا...... وہ لکھتا ہے...... ''ننگا پربت کے اوپر تک برف پگھل چکی ہے اور ٹاپ میدان بالکل سرسبز ہو چکا ہے۔یہاں ہر جانب پھول ہی پھول ہیں ...... ٹاپ میدان ایک چراگاہ ہے اور بالکل ہموار ہے۔درمیان میں درخت ہیں آندھیوں اور برف کے طوفان کے نشان اب بھی باقی ہیں۔ہر دوسرا درخت پتوں کے بغیر ہے اور سوکھا ہوا ہے...... دھند ٹاپ میدان پر جھکی رہتی ہے اور اکثر بوندا باندی ہوتی رہتی ہے'' ...... ۴؎

''پاکستان کے شمالی علاقے میرے پسندیدہ ترین ہیں۔اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ان تمام علاقوں کو محفوظ شدہ علاقے قرار دے دیتا اور ان کے اندر جدید طرزِ زندگی کو سرایت نہ کرنے دیتا،صرف اس لئے کہ اگر آج سے سینکڑوں برس بعد جب دنیا فیکٹریوں کے دھوئیں کی لپیٹ میں ہوگی اور انسان مکمل طور پر مشینیں بن چکے ہوں گے،تب اگر کوئی بچہ اپنے باپ سے یہ کہے کہ ابو! جب اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا تخلیق کی تھی تو یہ کیسی تھی؟ تو وہ باپ بیٹے کی انگلی تھام کر اسے پاکستان کے ان شاندار علاقوں میں لے آئے اور کہے ''بیٹا! جب اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بنائی تو ایسی تھی''۔ ۵؎

فطری اظہار اور جذبات نگاری ادب کا خاصا ہے۔ادیب کا تجزیۂ کیفیات،سلاست و روانی،زبان کی صفائی اور مناظر کی تصویر کشی ادب کو وسعت عطا کرتی ہے۔ادیب کائنات کی صداقت کو اپنے تخیل میں سمو کر حیاتِ انسانی کیلئے خوشگوار موقع فراہم کرتا ہے۔ایک سفرنامہ نگار بھی اپنے اردگرد کے حالات و واقعات اور مناظر کو تخیل کی عینک پہن کر یوں دیکھتا ہے کہ ذرہ ذرہ اسے اپنی موجودگی کا احساس دلاتا ہے۔یوں سفرنامہ نگار فطرت اور تخیل کے امتزاج سے

جذبات کی عکاسی قلم کے ذریعے کرتا ہوا نظر آتا ہے۔مستنصر بھی ایک سچے سیاح کی طرح حسین مناظر سے لطف اٹھائے بغیر نہیں رہ سکتے ۔وہ دلفریب مناظر کو بیان کرنے کیلئے قلم کا سہارا لیتے ہیں۔

اُن کے قلم میں بڑا زور ہے کیونکہ وہ قدرتی مناظر اور حسن و رعنائی کو بڑے قریب سے دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔سفر ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔آوارہ گردی انہیں بے حد پسند ہے وہ نہ صرف خود آوارہ گردی کرتے ہیں بلکہ عام اور نارمل انسانوں کو بھی آوارہ گرد بنا دیتے ہیں۔وہ عام انسان جو گھر میں رہنا پسند کرتا ہے جو مشکلات کا سامنا نہیں کرنا چاہتا جسے آسائشیں عزیز ہیں وہ بھی مستنصر کے سفر ناموں کو پڑھ کر پہاڑوں کا بے تاب عاشق بن جاتا ہے اور ان مناظرِ قدرت کے نظارے کو تڑپنے لگتا ہے۔راہی بھی ایسا قاری ہے جو سفر نامے پڑھنے کے بعد مستنصر کے ساتھ سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔بلتستان میں وہ مستنصر صاحب کو مخاطب کر کے یوں کہتا ہے:

> ''آپ نے مجھے ڈریکولا بنا دیا ہے......میری نسل تبدیل کر دی ہے''۔میں نے اس پر راہی کی جانب چونک کر دیکھا کہ یہ چاچا کیا کہہ رہا ہے لیکن وہ سر جھکائے متانت سے چلتا جاتا تھا۔''ہاں میں ٹھیک کہتا ہوں...... میں بالکل نارمل نسل کا انسان تھا......اسلام آبادی انسان جو اپنے کام سے کام رکھتا تھا لیکن آپ نے مجھے ڈریکولا بنا دیا......''
>
> ''وہ کیسے؟'' مجھے پوچھنا ہی پڑا''۔
>
> ''یہ جو ڈریکولا ہوتا ہے تو اس میں ایک خاص بات ہوتی ہے اور وہ یہ کہ جب بھی وہ کسی دوسرے انسان کو کاٹتا ہے تو دوسرا انسان بھی ڈریکولا بن جاتا ہے،اس کی نسل بدل جاتی ہے......اس سفر کے دوران،ادھر ترشنگ میں اور تاپ میدان میں......میری نسل بدل گئی......آپ کے پہاڑوں کے عشق نے مجھے کاٹ لیا......اب میں نارمل انسان نہیں رہا......آپ کی نسل کا ہو گیا ہوں......''
>
> ''یعنی میں ڈریکولا ہوں......؟ یہ میری تعریف ہو رہی ہے؟''
>
> ''آپ سمجھتے ہیں کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں......'' اور راہی بے حد سنجیدہ تھا۔
>
> ''دیکھیں جب آپ کسی شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گرد خوب گھماتے ہیں،چکر دیتے ہیں......اور پھر اس کا ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں تو اس کے بعد بھی اسے چکر آتے رہتے ہیں۔مجھ کو آپ نے ہاتھ پکڑ کر گھمایا چکر دیئے اور اب جب میں واپس جاؤں گا تو

وہاں بھی مجھے چکر آتے رہیں گے"۔ ۶

کامیاب ادیب وہی ہوتا ہے جو قاری کا نباض ہو۔سفر نامہ نگار کا کام صرف مناظر کی تصویر کشی، پہاڑوں اور صحراؤں کا بیان ہی نہیں بلکہ اُسے قاری کی داخلی کیفیت کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔سفر نامہ نگار انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کو بھی توازن کے ساتھ بیان کرتا ہے۔وہ واقعات کی تدریجی اُٹھان سے قاری کی دلچسپی کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔سفر نامہ نگار کی یہی شعوری اور فنکارانہ کوشش اسے قاری کے قریب کرتی ہے۔اسی طرح مستنصر اپنی تمام تر تحریروں اور خصوصاً سفر ناموں میں قاری پر مکمل گرفت رکھتے نظر آتے ہیں۔وہ وسیع تر انسانی نقطۂ نظر اور ایک ہمہ گیر آفاقی طرز احساس کے حامل تخلیق کار ہیں۔وہ ہر مذہب و ملّت سے وابستہ کرداروں سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ مستنصر کے سفر ناموں کا کمال یہ ہے کہ اُن کے سفر ناموں میں بہت سی نئی پرانی تہذیبوں کے محاسن جلوہ گر ہوتے ہیں۔مذاہب اور تہذیبوں اور انسانوں کے حسن اور حسن عمل سے برآمد ہونے والی اَبدی اور آفاقی سچائیاں ان کے سفر ناموں کی زینت ہیں۔مستنصر نے پہاڑوں اور چٹانوں میں تہذیب وثقافت کے گمشدہ نوادرات کو قاری کے سامنے دلکش انداز میں پیش کیا ہے جو تہذیب وثقافت سے ان کی گہری وابستگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

انہوں نے سفر نامے لکھتے وقت انسانی تہذیب اور ثقافت کو مختلف حوالوں، تہواروں، رسم و رواج، چیزوں اور عادتوں کے ذریعے بیان کیا ہے۔اُن کے سفر ناموں میں تہذیبی وثقافتی عناصر کو پیش کرنے سے پہلے تہذیب وثقافت کی وضاحت ضروری ہے۔تہذیب کو انگریزی میں Civilization کہا جاتا ہے اور ثقافت کو کلچر Culture کے نام سے جانا جاتا ہے۔سید احمد دہلوی "فرہنگ آصفیہ" میں یوں لکھتے ہیں:

> "ثقافت کے لفظ پر غور کیا جائے تو اس مفہوم کے کئی اور الفاظ بھی ہمارے ہاں رائج ہیں جو کم و بیش ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں۔ان الفاظ میں کلچر، تہذیب اور تمدن شامل ہیں تاہم ان میں کلچر اور ثقافت معنوی اعتبار سے ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں جبکہ تہذیب Civilization کا لفظ وسیع تر ابصاد کا حامل لفظ ہے۔یہ لفظ عربی زبان سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی آراستگی، صفائی اور درستی کے ہیں جبکہ اصطلاحاً یہ لفظ شائستگی، خوش اخلاقی، اہلیت، لیاقت، آدمیت، تربیت، انسانیت اور شرافت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے"۔ ۷

تہذیب دراصل انسان کی ذہنی، سماجی، اخلاقی، مادی اور روحانی کیفیات کے اظہار کا نام ہے۔کسی بھی

معاشرے کے تمام ارکان جو سوچیں یا کریں ان کے تمام افعال ان کے کلچر کے خدوخال ہیں یعنی کلچر ایک طرزِ فکر تخلیقی روایت اور طرزِ معاشرت کا نام ہے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ کلچر کا تعلق اپنی سرزمین، مقامی رہن سہن، رسم و رواج اور زبان و ادب سے ہوتا ہے۔ تہذیب و کلچر پر بات کرتے ہوئے اشفاق احمد رقمطراز ہیں:

''تہذیب ایک طرح سے وہ کینوس ہے جس پر تصویر و رنگ نمودار ہوتا ہے۔ اس طرح کلچر کو اگر رنگ و تصویر سمجھ لیا جائے تو کینوس اس کے بغیر کچھ نہیں کلچر زندگی ہے، حیات ہے۔ تہذیب ضابطہ ہے، عقیدہ ہے، کلچر کا سارا دارومدار اس کی ساری بنیاد، اس کی ساری فاؤنڈیشن، اس کی ساری اساس، اس کے اعتقادات پر ہوتی ہے''۔ ۸

اشفاق احمد کی بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ تہذیب ایک ایسا ارتقائی عمل ہے جو کلچر کی مدد سے پرورش پاتا ہے۔

The History Guide میں Civilization کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"Civilization is a form of human culture in which many people live in urban centers, have mastered the art of smelting metals, and have developed a method of writing." (۹)

اسی طرح انگریزی میں کلچر Culture کی تعریف بھی یوں کی گئی ہے۔

"Culture is the characteristics of a particular group of people, defined by everything from language, religion, cuisine, social habits, music and arts." (10)

تہذیب و کلچر کی تعریفات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی ملک یا قوم کی تہذیب و تمدن کا اندازہ اس ملک میں بسنے والے لوگوں کی روایات، مذہب، زبان، خیالات، عقائد و رسومات، کام کرنے کے طریقے اور قانون سے لگایا جاتا ہے۔ یہ رویے مل کر ثقافت بناتے ہیں کیونکہ ثقافت کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ ادب اگر زندگی کی ترجمانی کرتا ہے تو ادیب تہذیب و ثقافت کا مفہوم بیان کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر دیکھا جائے تو مستنصر نے تہذیب و ثقافت کے اصل مفہوم تک پہنچ کر پاکستانی ثقافت کے رنگوں کو سفرناموں میں سمویا۔ اُن کے اندرون ملک شمالی علاقہ جات کے سفرناموں میں ثقافت کا ہر رنگ جھلکتا نظر آتا ہے۔ مستنصر سفرناموں میں اپنے سفر کے ساتھ ساتھ تاریخ و جغرافیے کا سفر بھی بیان کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے کہ کسی نئے خطے میں جا کر وہاں کی بود و باش، رہن سہن، رسم و رواج اور ثقافت کو پرکھا جائے۔ موصوف خود رقمطراز ہیں کہ:

''میرے میدانوں میں جو سرسوں کے کھیت ہیں وہ ایک اور جہاں ہیں...... ہمارے کنویں کے پانی اور ہیں اور رہنزہ واٹر یقیناً اور ہے......اسی لئے ہم جو ایک مختلف خطے سے ادھر آتے ہیں تو ہر شے کو اپنی بو و باش، درختوں، کھیتوں اور موسموں کے حوالے سے پرکھتے ہیں اور ہم ایک اور خطے میں پہنچ کر......جس کا رہن سہن، دریا، گلیشیئر اور خوراک یکسر جُدا ہیں ہم ان کی داستانوں اور ان کے نفسیاتی محرکات کو پرکھ نہیں سکتے''۔ [11]

اگر چہ مستنصر خود دعویٰ کرتے ہیں کہ کسی نئے خطے کی تہذیب وثقافت کو بیان کرنا مشکل ہے لیکن اُس کے باوجود بھی وہ اس فن سے واقف ہیں اور اس طرح وہ کرداروں کے ذریعے میل ملاپ سے سیاحت کے دوران معاشرے کے تقریباً سبھی طبقوں کو قریب سے دیکھنے، قاری کو دکھانے اور اُن کی سوچ، رسم ورواج اور بودوباش سے آگاہ کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اُن کے سفرناموں میں منظر کشی کے ساتھ ساتھ تہذیب وثقافت کی تصویر کشی بھی یوں کی گئی ہے کہ قاری دورانِ مطالعہ خود کو اس تہذیب وثقافت سے آزاد محسوس نہیں کرسکتا۔ وہ رہن سہن اور طرزِ بودوباش کو اتنے دلکش انداز میں پیش کرتے ہیں کہ چاہیے کسی بھی تہذیب وکلچر کا ذکر ہو وہ قاری کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ اس فن کے بیان میں کامیابی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ مصنف کو بذاتِ خود کلچر سے دلچسپی ہے اور اُن کے لب و لہجے میں تہذیب، ثقافت اور تمدن کی مٹھاس پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ ہر نئے معاشرے، نئے خطے اور نئے علاقے کو دلچسپ بنا کر پیش کرتے ہیں وہ جزئیات کو الفاظ کا جامہ پہنا کر یوں پیش کرتے ہیں کہ قاری معلومات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ نت نئی تہذیب کا لطف بھی اٹھاتا ہے کیونکہ تہذیب کا بیان قاری کی دلچسپی کو دوبالا کرتا ہے جیسے چترال داستان میں تہذیب کا بیان ان خوبصورت الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

''ڈاکٹر احمد حسن دانی کی سٹڈی میں گلگت کے ایک ماہر آثارِ قدیمہ سے ملاقات ہوئی......انہوں نے بتایا کہ اُمت کے سامنے دریا کے پار ایک قدیم قبرستان تھا جہاں سے چرواہوں کو سکے اور نوادرات ملتے رہتے تھے......کچھ لوگوں نے غیر قانونی طور پر وہاں کھدائی بھی کی اور جو ہاتھ لگا، لے گئے......اب اسے محکمہ آثارِ قدیمہ نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے اور سائنسی بنیادوں پر کھدائی شروع ہوگئی......وہ صاحب ان قدیم ڈھیروں میں سے ملنے والی چند نادر اشیاء ڈاکٹر دانی کے پاس لے کر آئے تھے تاکہ وہ اُن کی تاریخی حیثیت اور قدامت کا تعین کرسکیں......ان میں سونے کے زیورات، کنگن، بندے اور گلے کے ہار بھی تھے لیکن جس شے نے مجھے اپنی قدیم

کشش سے مسحور کر دیا وہ دو چھوٹے چھوٹے سونے کے پرندے تھے...... یہ وادیٔ اشکومن میں چھ سات ہزار برس قبل تخلیق کئے گئے تھے اور اُن کی کاریگری حیرت انگیز تھی...... یہ پرندے اُن زمانوں سے پرواز کرتے ہوئے لمحۂ وجود میں آئے تھے تاکہ اس عظیم تہذیب کی خبر دے سکیں جس نے ہزاروں برس پہلے ان وادیوں میں جنم لیا تھا اور ہم اس سے بے خبر رہے...... وہ کون لوگ تھے جو ان قبروں میں دفن ہوئے اور اپنے عہد کی نشانیوں کے ساتھ دفن ہوئے......'' ۱۲

مستنصر سفرنامے تحریر کرتے ہوئے شعوری و لاشعوری طور پر مختلف تاریخی ادوار کی سیاحت بھی کرواتے ہیں۔وہ اپنے سفرناموں میں ناول کی تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے واقعات کو دلچسپ بنا کر پیش کرتے ہیں۔اردو ادب کی روایت سے آگاہی اور زبان و بیان پر دسترس رکھتے ہوئے مستنصر تاریخ و تہذیب کو بیان کرتے ہیں۔وہ ایک ادیب کی طرح سفرنامہ تحریر کرتے ہوئے زندگی سے متعلق ہر پہلو کو بیان کرتے ہیں وہ تاریخ کا بیان جابجا ضرور کرتے ہیں لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ وہ مورخ کی طرح تاریخ کا ذکر نہیں کرتے اور نہ ہی مذہب کے بیان میں وہ مولوی کا روپ اپناتے ہیں بلکہ بحیثیت سفرنامہ نگار وہ ہر موضوع کو اپناتے ضرور ہیں لیکن توازن برقرار رکھتے ہیں۔مستنصر کے سفرناموں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ معاشرے کی تصویر کشی کرتے ہوئے زندگی کے لمس کو بیان کرتے ہیں۔

انہیں معاشرے کی تہذیبی، ثقافتی اور سماجی جھلکیوں کو پیش کرنے میں نہ صرف دلچسپی ہے بلکہ وہ اس حوالے سے مطالعہ بھی کرتے ہیں۔وہ اپنے ذوقِ مطالعہ کی بدولت تہذیب و ثقافت کے معنوں کو صحیح طرح سے استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کے سفرنامے تاریخ کا حصہ بھی بن جاتے ہیں۔لیکن وہ تاریخ نہیں جو مورخ کے قلم سے ٹپکتی ہے بلکہ وہ تاریخ پیش کرتے ہیں جو ادیب الفاظ کے کھیل سے صفحۂ قرطاس پر محفوظ کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں عارف ثاقب کہتے ہیں کہ:

''جہاں تک پاکستانی تہذیب کا تعلق ہے تو تاریخی اور جغرافیائی دونوں کے اشتراک سے اس کے خدوخال واضح ہوتے ہیں۔اس نے ماضی کی تہذیبی روایتوں سے بھی قوت حاصل کی اور 1947ء کے بعد وجود پذیر ہونے والے ایک نئے ماحول میں ان تصورات اور نظریات سے بھی اکتساب کیا جو اس مملکتِ خداداد کی تشکیل کا باعث بنے''۔ ۱۳

مستنصر اپنی تحریروں میں ماضی کی تہذیبوں کو محفوظ کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ان کے سفرناموں میں

تہذیبوں کے دلکش مرقعوں کو یکجا کرنے کی کوشش بھی ملتی ہے اور وہ شمال کے مختلف علاقہ جات کے رہن سہن، گلی کوچے اور معاشرتی ماحول سے جڑے رہنے کی گواہی بھی دیتے ہیں کیونکہ ان کا مطالعۂ تہذیب وتمدن وسیع ہے اس لئے ان کے کردار خالصتاً اس خطے کی پہچان بن جاتے ہیں۔ وہ بڑے خوبصورت انداز میں ماضی کے دریچے وَا کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''موہنجو داڑو کا جتنا بھی کلچر تھا چولستان کے کنارے جتنی بستیاں تھیں وہ یہاں ہی سے ڈویلپ ہوا اور ان بستیوں میں ارتقاء ہوا...... اور موہنجو داڑو میں جا کر وہ اپنی مکمل شکل میں ظاہر ہوا۔ بنیادی طور پر یہ پنجابی سویلائزیشن ہے اگر آپ اس کو کھلے ذہن اور تناظر سے دیکھیں اُن کے نام، اُن کی زبان دیکھیں یہ بہت ساری چیزیں تھیں ویدک لٹریچر میں بھی ہڑپہ کا تذکرہ آتا ہے چنانچہ یہ گنگا جمنی تہذیب سے قطعی طور پر مختلف ہے۔ اس کو آپ علیحدہ شناخت کہہ سکتے ہیں یا نہیں یہ ایک علیحدہ بات ہے کیونکہ تہذیبیں آپس میں جڑی ہوتی ہیں۔ میں گندھارا کے اہم ترین کھنڈروں میں گیا ہوں اور اس تہذیب کے بارے میں بھی میرا خاصا مطالعہ ہے۔ اگر مجھے گندھارا عہد کے چھوٹے موٹے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے بھی مل جائیں تو وہ میں اپنے پاس رکھ لیتا ہوں...... آج کل میں مہاتما بدھ کی حیات کے بارے میں کیرن آمسٹرانگ کی تحقیق کردہ ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا ہوں......'' [۱۴]

مطالعۂ کائنات ایک ایسا ذوق ہے جو ادیب اور خاص کر سفرنامہ نگار کی کامیابی کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے مستنصر نے بھی اس ذوق سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جس بھی خطے یا علاقے میں قدم رکھتے ہیں اس کی بود و باش سے دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ وہ تاریخ و ثقافت کا بیان کر کے اس جدید دور میں بھی جہاں الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا نے ہر طرف ڈیرے ڈالے ہیں قاری کا ساتھ حاصل کر لیتے ہیں یوں قارئین کی بڑی تعداد مستنصر کے سفرناموں کے ذریعے ماضی و حال سے آگاہی حاصل کرتی ہے۔ انہوں نے اپنے بیشتر سفرناموں میں فلیش بیک کی تکنیک کا استعمال کر کے مختلف ادوار کی تہذیبوں کو پیش کیا ہے۔ اگر مستنصر کے سفرناموں کا تجزیہ کیا جائے تو واضح معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سفرناموں میں تہذیب و ثقافت اور تاریخ کا بیان ایک قیمتی سرمایہ ہے۔

مستنصر کے سفرنامے تہذیب و ثقافت کی تاریخی پیش کوئی کرنے میں ایسے ہیرے ہیں جنہوں نے اردو ادب

میں صنفِ سفرنامہ کے تاج میں جگمگاہٹ پیدا کر دی ہے اور یہ ایسی جگمگاہٹ ہے جو کئی دیکھنے والوں کو مسرور اور اپنی طرف متوجہ رکھتی ہے۔تہذیبی تاریخ کے حوالے سے احمد ندیم قاسمی اپنے خیالات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جب موہنجو داڑو اور ہڑپہ کی تہذیب سے ہم اپنی تاریخ اور کلچر کا آغاز کرتے ہیں تو اس کا مطلب خدانخواستہ یہ نہیں ہوتا کہ ہمیں بت پرستی عزیز ہے یا ہم اپنے ماضی قریب کی تاریخ اور اپنے موجودہ کلچر سے بدظن ہیں اس کا مفہوم تو صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم کہاں ہیں اور کہاں کہاں سفر کرتے ہوئے کہاں پہنچے ہیں وہ قدیم تہذیبیں اپنی بعض خصوصیات کو مستقبل کے حوالے کر کے ختم ہو گئیں۔موہنجو داڑو سے اپنی تاریخ کا آغاز کرنے سے یہ معنی کیسے ہوئے کہ ہمیں موہنجو داڑو جیسے شہر بسانے کا شوق ہے اور ایسے ہی ظروف استعمال کرنے کی آرزو ہے اور ایسے ہی بت تراشنے کی اُمنگ ہے۔ویدک اور برہمنی بودھی کلچرز اور شاید بیچ میں یونانی کلچر بھی آئے اور بعض آثار کو مستقبل کے حوالے کر کے چلے گئے۔پھر اس خطۂ زمین میں عرب وارد ہوئے۔اس کے بعد افغان آئے پھر مغل آئے پھر انگریز آئے اور اب انشاءاللہ تعالیٰ قیامت تک یہاں پاکستانی ہی حکمران رہیں گے مگر ہم اتنے بہت سے کلچروں کو آخر کس عقلی دلیل سے نظر انداز کر سکتے ہیں......آخر کلچر کے ان مظاہر کے اختلاف کا اعتراف کرنے میں ہمارا کون سا عقیدہ مزاحم ہے اور اگر کوئی عقیدہ مزاحم نہیں تو ہم اپنی تاریخ سے ڈرتے کیوں ہیں''۔ ۱۵

احمد ندیم قاسمی کی رائے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر قوم اپنا کوئی نہ کوئی ماضی رکھتی ہے اور ماضی ہی اُس قوم کو اصل جڑوں تک پہنچاتا ہے۔مستنصر نے بھی پاکستانی تہذیب کا ناتا موہنجو داڑو اور ہڑپہ کی تہذیب سے جوڑ کر تاریخی حقائق سامنے لائے ہیں۔اُن کے سفرناموں میں حوادث و شواہد معتبر دستاویزات کی صورت میں ملتے ہیں۔وہ کلچر کا بیان اس انداز میں کرتے ہیں کہ معاشرے کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔قاری اُس تہذیب و ثقافت کا حصہ بن جاتا ہے اور وہ خود اپنے آپ کو اسی ماحول کا باسی سمجھنے لگتا ہے۔اُن کے کرداروں کے ذریعے شمالی علاقہ جات کی معاشرت اور سائیکی کو سمجھا جا سکتا ہے جیسے وہ خوبصورت پیرائے میں ''کے ٹو کہانی'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''میں نے جو چہرے اور لباس دیکھے تھے وہ اتنے منفرد اور کمال کے تھے کہ میں اُن کے سامنے اپنے کیمرے لانا چاہتا تھا۔''فوٹو......'' میں نے ایک دو تہذیب یافتہ حضرات

سے بے حد آدب آداب سے دریافت کیا۔

''نوفوٹو......''انہوں نے تیوری چڑھا کر کہا۔

مجھے محسوس ہوا کہ یہاں بھی وادیٔ کیلاش والا سسٹم ہے یعنی ...... ویسے تو بالکل نو فوٹو......اور کیمرہ دیکھتے ہی چہرہ دوسری جانب یا پتھر ہاتھ میں......البتہ دس دس روپے کے دو چار نوٹ وار دیئے جائیں تو ......فوٹو ہی فوٹو۔لیکن یہ سہولت بھی گوروں کی قسمت میں ہی ہوتی ہے......'' [۱۶]

مستنصر کے سفرناموں کا کمال یہ ہے کہ وہ موازنے کی تکنیک استعمال کرتے ہوئے ایک علاقے کے کلچر کو دوسرے علاقے کے کلچر سے موازنہ کرکے پیش کرتے ہیں۔جیسا کہ درج بالا حوالے میں وہ وادیٔ کیلاش اور اسکولے کی ثقافت کی مشترک رسومات کا ذکر کرتے ہیں۔ان ثقافتوں کا موازنہ اتنی خوبی سے کرتے ہیں کہ قاری کے دل و دماغ میں کوئی ابہام نہیں رہتا جیسا کہ لکھتے ہیں:

''مقامی روایت تھی کہ ایک چترالی قدرے آرام طلب ہوتا ہے......وہ اگر ایک دن میں بیس روپے کما لے تو تب تک دوبارہ کام پر نہیں جاتا جب تک وہ بیس روپے خلاص نہ ہو جائیں اور ظاہر ہے بچاتا کچھ نہیں......ایک پٹھان ہر کام کر لیتا ہے......پنجاب کی کشمیری برادری کی طرح...... مشقت اس کیلئے ایک ایسی محبت ہے جس میں وہ ہمیشہ مبتلا رہتا ہے۔وہ روزانہ پچاس روپے کماتا ہے تو ان میں سے صرف پانچ روپے خرچ کرتا ہے اور باقی شلوار کے نیفے میں سنبھال لیتا ہے......جبکہ ایک افغان......اگر وہ بدخشاں کا افغان ہے تو محنت مشقت سے اپنا بدن توڑ لیتا ہے، سو روپے روزانہ کماتا ہے اور پھر عمدہ خوراک کھاتا ہے، قہوہ پیتا ہے اور بدخشانی قالینوں پر براجمان ہو کر موسیقی سنتا ہے......اگر ممکن ہو تو کچھ بچا لیتا ہے اور اگر نہیں تو نہ سہی......چترال میں جتنے کام محنت اور مشقت کے ہیں، وہ پٹھان اور افغان کرتے ہیں اور چترالیوں کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ اس سرزمین کے بیٹے ہیں اور کھوار زبان کی یکتائی اور ثقافت پر فخر کرتے ہیں......ایک ایسی ثقافت جو چاروں طرف سے بلند اور دُشوار گزار پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے......اس پر بیرونی اثرات کم کم اُترتے ہیں......'' [۱۷]

مستنصر جہاں بھی سفر کا رُخ کرتے ہیں وہاں کی بودوباش سے خصوصی لگاؤ رکھتے ہوئے حالات وواقعات کا ذکر بڑے موثر پیرائے اور معلومات افزاء انداز میں کرتے ہیں ۔وہ معصوم اور سادہ لوح باشندوں کی طرف سے کئے گئے سلوک اور سماجی رواجوں کا ذکر ایسے کرتے ہیں کہ معاشرے کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے ۔وہ لوگوں کی مہمان نوازی، میل جول، خلوص کا بیان کھل کر کرتے ہیں ۔انہوں نے معاشرے کے چھوٹے چھوٹے رسوم کا ذکر بھی اتنے پر کشش انداز میں کیا ہے کہ اس خلوص اور بے تکلف گفتگو و مخلصی پر قاری کی ساری ہمدردی کرداروں کے ساتھ ہوتی ہے ۔جیسا ماحول مصنف کو میسر آتا ہے وہ ویسی ہی زبان اختیار کر لیتے ہیں اور مصنف کی یہی حوصلہ افزائی اور معاشرے سے ہمدردی، اس معاشرے کی تہذیب و ثقافت کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے جیسے مستنصر جب چترال کا رُخ کرتے ہیں تو وہاں کے مقامی باشندے متحمل، بردبار اور سیدھے سادے ہونے کے باوجود آنے والے مہمانوں کا نہایت جوش اور خوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں اور اُن کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ۔ مستنصر اِس کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ''ہم پہلی بار چترالی مہمان نوازی کی فراخ دلی اور ذائقوں سے آشنا ہوئے ...... دستور کچھ یوں ہے کہ مہمان کیلئے سجائی گئی کھانے کی میز کا اگر کوئی حصہ خالی رہ جائے تو میزبان اسے اپنی شدید بے عزتی جانتے ہوئے خودکشی کے بارے میں غور کرنے لگتا ہے...... بے شک یہ ناشتہ ہو یا شام کی چائے لیکن پوری میز خوراک سے ڈھکی ہونی چاہئے ......اور یہ بھی نہیں کہ اہل چترال اس دستور کی وجہ سے کھانے کی میزیں مختصر رکھتے ہیں بلکہ طویل ترین رکھتے ہیں چنانچہ ہمارے سامنے شام کی چائے کیلئے جو میز آراستہ ہوئی وہ خاصی طولانی تھی اور مکمل طور پر ڈھکی ہوئی اور خوراک پوش تھی ...... چائے، کافی، شربت، اُبلے ہوئے انڈے، آملیٹ، بسکٹ، چترالی کیک اور کچھ ایسی اشیائے خورد و نوش جنہیں ہم پہلی بار دیکھ رہے تھے''۔ ۱۸؎

مصنف اس خصوصیت کے حامل ہیں کہ وہ جس طرح تہذیب و ثقافت سے دلچسپی رکھتے ہیں اور ہر لمحہ معلومات فراہم کرتے ہیں ۔اسی طرح وہ تجزیئے بھی کرتے ہیں انہیں قدرتِ کاملہ نے یہ خوبی عطا کی ہے کہ وہ مہذب اور غیر مہذب لوگوں کے درمیان فرق کو فوری طور پر گرفت میں لے آتے ہیں اور قاری کو بھی آگاہ کرتے ہیں لیکن ایک مخلص ادیب اور غیر جانبدار ناقد کی طرح کسی کی تذلیل نہیں کرتے بلکہ حقائق سامنے لاتے ہیں کیونکہ رسم و رواج اور معاشرت کی عکاسی سفرنامے کے لوازم میں سے ایک ہے اس کے بغیر سفرنامہ ادھورا قرار دیا جاتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

''کالاش خواتین اپنے ایام کے حوالے سے ازحد بے باک ہیں......وہ ابھی تہذیب یافتہ نہیں ہوئیں کہ ایک قدرتی تبدیلی کو چھپاتی پھریں اور اس کے بارے میں شرمندہ ہوں۔ہم جو تہذیب یافتہ کہلاتے ہیں قدرت سے دور چلے گئے ہیں اپنے بدن میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے خوفزدہ رہتے ہیں انہیں پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں...... کالاش نہیں کرتے!امریکہ میں مقیم نفسیات دان اور پنجابی شاعر ڈاکٹر اختر احسن نے اسی موضوع پر......ایام کے موقع پر ایک پوری کتاب لکھی ہے......جس کا نام اتنا طویل اور ثقیل ہے کہ اس کا حوالہ دینا ممکن نہیں......ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ غیر تہذیب یافتہ معاشروں میں جب ایسی خواتین کو بستی سے الگ کردیا جاتا تھا تو اس لئے نہیں کہ وہ ناپاک ہوتی تھیں بلکہ اس لئے کہ وہ اس حالت میں ایک کلب میں آرام کر سکیں اور دوسری خواتین کے ساتھ اطمینان سے گپ شپ کر سکیں جبکہ تہذیب یافتہ معاشرے میں اب بھی ان ایام کو گردشِ ایام ہی سمجھا جاتا ہے اور خواتین کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اس تبدیلی پر کیا ردِعمل ظاہر کریں......ڈاکٹر احسن تو اسے نسوانی خوبصورتی کے ایک ''گلابی پھول'' سے تشبیہ دیتے ہیں جو خوشبو دیتا ہے...... جب میں نے انہیں بتایا کہ پاکستان کی وادیٔ کالاش میں ''بشالی'' نام کی ایک ایسی ہی کلب اب بھی موجود ہے تو وہ ازحد حیران ہوئے......ان کے خیال میں یہ رسم ہزاروں برس پیشتر متروک ہو چکی تھی......''[۱۹]

کسی بھی سفرنامے میں تہذیب و معاشرت کی عکاسی بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔سفرنامہ نگار کو فکری آزادی کا پورا پورا حق حاصل ہے۔مستنصر کشادہ نظری،فراخ دلی اور دُور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جس بھی معاشرے ملک یا خطے میں جاتے ہیں اس معاشرے و سماج کے اچھے اور بُرے دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہیں وہ اپنی ذہنی صلاحیتوں اور فکری لیاقتوں سے وہاں کے سماجی،تاریخی اور تہذیبی حالات و واقعات کو ایک آزاد ناظر کی حیثیت سے احاطۂ تحریر میں لاتے ہیں۔تاریخ،جغرافیہ اور تہذیب و تمدن کے ساتھ مستنصر کی گہری جذباتی وابستگی ہے۔وہ مروجہ حکایات کی مدد سے اپنے سفرناموں کو معتبر بناتے ہیں اور رسوم و رواج،عقائد اور تاریخ کا خوبصورت بیان کیا ہے۔وہ پیش کردہ کردار کے مکالموں کو اس کی علمی سطح کے مطابق زبان دیتے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ کردار قاری سے ہمکلام ہیں مثلاً:

''ہمارا دادا اس وادی میں ٹھہر گیا اور کاشتکاری شروع کر دی...... ایک روز ہمارا دادا کھیت میں کام کرتا تھا تو اس کے گھر میں اس کی بیوی خدیجہ کے پاس ایک بزرگ آیا......اور اُس کے پاس ایک بھیڑ تھا...... بزرگ نے اس کو دعا دی اور کہا تم یہ بھیڑ کی قربانی کرو تو تمہارے ہاں اولاد آئے گی...... بیوی نے یہ سنا تو فوراً گھر سے باہر نکل کر اپنے خاوند کو اس کا نام لے کر پکارا...... مامون نے جب اپنی بیوی کے ہونٹوں سے اپنا نام سنا تو بہت حیران ہوا کیونکہ ان کے تعلقات اچھے نہیں تھے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ نہیں بولتے تھے...... بیوی ناراض تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو چھوڑ کر کیوں آ گیا ہے...... اس لئے کبھی اس کا نام نہیں لیتی تھی...... اس لئے مامون حیران ہوا اور سمجھ گیا کہ اگر آج بیوی نے اس کا نام پکارا ہے تو کوئی خاص بات ہے...... گھر میں آیا تو بیوی نے بزرگ کا بتایا...... لیکن کیا ہوا کہ بزرگ غائب ہو گیا اور بھیڑ البتہ موجود رہا...... پھر مامون نے وہ بھیڑ قربان کیا تو اس کی برکت سے اُن کا بہت اولاد ہوا...... ہم سب شمشالی اس کا اولاد ہیں......'' ''اتنی قدیم تاریخ ہے آپ کی؟'' ''ہاں......'' رجب نے سر ہلایا''۔ ۲۰

مستنصر ایک کامیاب سفر نامہ نگار کی حیثیت سے تہذیب و تمدن اور تاریخ کی پیش کش میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ قاری کا رشتہ تاریخ سے استوار کر دیتے ہیں۔ تہذیب و تمدن، عادات، مزاج اور رہن سہن کا بیان کرنے اور سماجی رویوں کو پیش کرنے میں مستنصر کامیاب سفر نامہ نگار ہیں۔ وہ تہذیب و تمدن، عادات، مزاج اور سماجی رویوں کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری اور مصنف کا رشتہ تاریخ و روایت کے ساتھ اُستوار ہے۔ شمالی علاقہ جات پر لکھے گئے مستنصر کے سفر ناموں کی جڑیں تاریخ و روایت سے جڑی ہوئی ہیں۔ وہ کھلی آنکھ سے سفر کر کے زبانِ حال سے تاریخِ ماضی بیان کرتے ہیں۔ ایک سیاح جب ماضی میں جھانکنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ تاریخ کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ مربوط تاریخ بیان کرنا سفر نامہ نگار کی ذمہ داری نہیں ہے لیکن سفر نامہ نگار اپنے مشاہدات سفر کی روشنی میں تاریخی و سماجی حوالوں سے بیش بہا معلومات فراہم کرتا ہے۔ مستنصر گہرے اور عمیق مشاہدے کے مالک ہیں۔ وہ ایک انسان ہونے کے ناطے جس چیز کو بھی دیکھتے ہیں اس کے بارے میں رائے قائم کرتے ہیں۔ ایک رائے اُن کی ذاتی ہوتی ہے اور دوسری رائے وہ ہے جو کسی دوسری آنکھ کے مشاہدے کے بعد قائم کی گئی ہو جو تاریخی رائے ہوتی ہے۔ موصوف کا کمال یہ ہے کہ وہ تاریخ نہ لکھتے ہوئے بھی تاریخ رقم کر دیتے ہیں۔ جیسے ہنزہ کی تاریخ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''آپ کو معلومات درکار ہیں؟''......''جی''

''اچھا اچھا...... کس قسم کی معلومات؟''

''یہی کہ...... ہنزہ آخر کیا ہے؟''

''ہنزہ......'' انہوں نے قہوے کا ایک پر تکلف گھونٹ بھرا۔''دراصل اس کے تین حصے ہیں...... ہنزہ بالائی جو گجال کہلاتا ہے۔ہنزہ مرکزی جو بروشال ہے اور زیریں حصہ شنا کی...... گجال جو ہیں زیادہ تر واخان افغانستان کے لوگ ہیں اس لئے واخی زبان بولتے ہیں۔مرکزی ہنزہ میں مخلوط خون ہے،سفید ہن، یونانی، تاتار اور مغل...... کہا جاتا ہے کہ سکندرِ اعظم کا سپہ سالار درم ثیمیم اپنے بیمار سپاہ کے ہمراہ ادھر رہ گیا تھا ان کے چار قبیلے ہیں۔(۱) درامیتنگ (۲) براتلنگ (۳) برونگ (۴) خوروکس''۔ ۲۱

مستنصر سفرنامے کی تاریخی اور سماجی اہمیت سے واقف ہیں اس لئے انہوں نے اُن واقعات کو قلمبند کیا ہے جو بڑی بڑی تاریخی کتابوں میں نہیں ملتے۔اُن کے مختلف سفرناموں میں کسی نہ کسی شکل میں تاریخ،جغرافیے اور سماج کے واقعات و حادثات موجود ہیں۔اُن کے سفرنامے تاریخ نہ ہوتے ہوئے بھی ہمارے لئے ایسا مواد مہیا کرتے ہیں جو خود تاریخ ہوتے ہیں۔وہ تہذیب و سماج کو اپنے نقطہ نظر سے پیش کرتے ہیں اور ایسی معلومات فراہم کرتے ہیں جو عام تہذیبی سماجی اور تاریخی کتابوں میں نہیں ملتی۔کسی خاص زمانے میں لوگوں کا تہذیبی اور سماجی نقطہ نظر کیا تھا یہ سب باتیں اور گزرتے وقت کے ساتھ بدلتے حالات اور رونما ہوتے واقعات تاریخی کتب میں نہیں پائے جاتے یہ معلومات ہر دور کا سفرنامہ نگار ہی پہنچاتا ہے اور ایسی معلومات اور تاریخ سفرناموں میں پائی جاتی ہیں۔ماضی کے گمشدہ زمانے جن کی تاریخ نہیں لکھی گئی ان زمانوں کی اگر کہیں جھلک نظر آتی ہے تو قدیم سفرناموں میں۔اس لئے سفرنامے تہذیب،تاریخ اور تمدن کے میدان میں اپنی منفرد پہچان رکھتے ہیں۔تحسین فراقی ''عجائبات فرہنگ'' کے مقدمے میں اس کی اہمیت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

''جہاں تک سیر و سیاحت کے محرکات کا تعلق ہے تو عہدِ قدیم سے لے کر اب تک تجارت،حصولِ علم وعبرت،تبلیغ دین، سیاسی مقاصد براری،تلاش معاش و زیارت مقاماتِ مقدسہ وہ چند مقاصد ہیں جنہوں نے نسلِ انسانی کے پاؤں میں چکر ڈال رکھا ہے اور یوں ان متنوع مقاصد کے حامل اسفار نے مختلف سفرناموں کو جنم دیا ہے۔جو دیس دیس کی تاریخ،تہذیب،تمدن،تصورِ کائنات، عادات، رسوم، رواج، رجحانات،

معتقدات، میلانات اور علوم کا ایک وسیع خزانہ سمیٹے بیٹھے ہیں اور جو بعض صورتوں میں تاریخ تہذیب وتمدن کا سب سے اہم اور بنیادی مآخذ سمجھے جاتے ہیں"۔ ۲۲

سفرنامے میں حقیقت کا تصور مورخ کی حقیقت سے مختلف ہوتا ہے۔ سیاح ایک چیز کو پورے سیاق وسباق سے پیش کرتا ہے۔ مستنصر واقعات کو اُن کے تاثر اور اُس کی اہمیت کو جس انداز سے دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں اُسے جذبات وخیالات کی رنگینی میں رنگ کر پیش کر دیتے ہیں لیکن تاریخی واقعات کی اہمیت اپنی جگہ اُجاگر رہتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''گلگت کے آس پاس اور ہنزہ سے درہ خنجراب جاتی ہوئی شاہراہ کے نواح میں بدھ عہد کے آثار باقی ہیں۔ بہت کچھ شاہراہ کی تعمیر کے دوران ڈائنامائٹ اور بارود کی نذر ہوا قدیم خانقاہیں اور مجسمے معدوم ہوئے لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ باقی رہ گیا۔ نامعلوم رسم الخط سے کندہ چٹانیں اور مہاتما بدھ کے چپ مجسمے ان وسیع ویرانوں میں کہیں نہ کہیں موجود رہے۔ ڈھائی سو قبل از مسیح میں بدھ مت اِن خطوں میں پھیلا اور قبول کیا گیا اگلے بارہ سو برسوں میں یہ سرزمین بدھ کی تعلیمات پر عمل پیرا رہی......اور اسی طرح آج سے بارہ سو برس بعد ہماری تہذیب کے آثار ہوں گے۔ باقی رہے اللہ کا نام......اور پھر آٹھویں صدی کے بعد شائد چین کے راستے اسلام ان خطوں میں پھیلا پہلے یہ مغلوں کے زیر نگیں رہے، کچھ عرصہ یہاں سکھ قابض رہے اور پھر ۱۸۷۸ء میں انگریز صاحب بہادر نے ہندوستان کی اِس ''آخری چوٹی'' پر بھی قبضہ کرلیا۔'' ۲۳

مستنصر کے سفرناموں کا تاریخی اور سماجی پس منظر بہت پھیلاؤ رکھتا ہے۔ وہ اِردگرد کے تاریخی شواہد سے سفرنامے کا تانا بانا بُنتے ہیں۔ وہ سفرنامے میں دستیاب تاریخ وجغرافیے کا سفر بیان کرتے ہیں۔ انہیں بیک وقت کئی طرح کے سفر درپیش ہیں۔ تاریخ، انسانی رویوں کے علاوہ پاکستان کی نسلی، لسانی، علاقائی اور جغرافیائی تقسیم اور عقیدوں میں بٹی ہوئی قوم کی تاریخ کے سفر، ان سفروں کو وہ اپنے جذبات، محسوسات اور مشاہدات کے ذریعے الفاظ کی زبان عطا کرتے ہیں۔ وہ سفرناموں میں تاریخی معلومات اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ قاری پر تاریخی حوالے گراں نہیں گزرتے بلکہ یہ حوالے سفرنامے میں دلچسپی اور اُس کی اہمیت کو دوبالا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ تاریخ کا ذکر یوں کرتے ہیں:

"بدھ تاریخ دانوں کے مطابق ٹیکسلا مہاتما بدھ کی زندگی میں گندھارا کا صدر مقام تھا......اور گندھارا کیا ہے؟

گندھارا صوبہ سرحد کے ایک حصہ کا نام ہے...... بدھ ازم یہاں تیسری صدی قبل از مسیح میں آیا...... یہ چھوٹا سا علاقہ اپنی شاندار تہذیب اور پرامن ثقافت کے اثرات روس کے دریا آموتک لے جاتا ہے اور اِدھر چین کے سرحدی علاقوں میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں...... ۵۱۸ قبل مسیح کے ایک ایرانی کتبے میں اسے گندھارا کہا گیا ہے۔ آتش پرست ایرانی یونانی اور بدھ اسے اپنا مقدس وطن کہتے ہیں۔ فن مجسمہ سازی میں گندھارا کی الگ پہچان ہے۔ گندھارا کے مجسمے یونانی اثرات میں گندھے ہوئے ہیں...... کہا جاتا ہے کہ پہلے مہاتما بدھ کا مجسمہ نہیں بنایا جاتا تھا اور اس کی پرستش کرنے کا رواج نہ تھا...... پھر کنشک نے بدھ ازم کی چوتھی کونسل بلائی جو کشمیر کونسل کہلاتی ہے اور اس میں کئی اہم فیصلے کئے گئے...... کہا گیا کہ روم اور یونان کے دیوتاؤں کی طرح مہاتما بدھ کے مجسمے بھی تراشے جائیں تاکہ مجسمے کو دیکھ کر خوبصورتی اور امن کا احساس ہو، نہ کہ بدبختی اور کراہت کا۔ چنانچہ روایت ہے کہ یونان سے چند مجسمہ سازوں کو بھی بلایا گیا تاکہ وہ مقامی مجسمہ سازوں کو اپنے طریق کار سے آگاہ کر سکیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گندھارا کا مہاتما بدھ دراصل یونانی دیوتا اپالو کی کاپی ہے......لیکن میں سمجھتا ہوں کہ گندھارا کا یونانی سنگ تراشی سے میل جول تو ہوا لیکن اس کے اثرات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے...... عجائب گھروں میں مجھے رومی اور یونانی مجسمے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے ان میں پوتر تا اور وہ امن مفقود ہے جو گندھارا کے تراشیدہ مجسموں میں پایا جاتا ہے۔" [۲۴]

درجہ بالا حوالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستنصر کا ایک خاص انداز ہے کہ وہ اپنے سفرناموں میں محققانہ رویہ برتتے ہوئے ابہام کی صورت پیدا نہیں ہونے دیتے بلکہ وہ خود ہی سوال اٹھا کر تفصیل بیان کر دیتے ہیں جیسے گندھارا کیا ہے؟ اور قاری کیلئے فوراً راستہ ہموار کر دیتے ہیں اور تاریخی پہلوؤں کو بڑے مبسوط انداز میں پیش کرتے ہیں۔ وہ سماجی زندگی کے نقشے کو قارئین کے سامنے لے آتے ہیں۔ اُن کی تحریریں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جس جگہ کا ذکر کر رہے ہیں وہاں کس قسم کے لوگ آباد تھے اور اب کس قسم کے لوگ آباد ہیں؟ وہاں کی تاریخ کیا تھی؟ اور اب وہ لوگ

کس حال میں جی رہے ہیں؟مستنصر بیان کرتے ہیں کہ وہاں کی سماجی زندگی کتنی ملی جلی اور یکساں ہوتی ہے۔وہ لوگوں کے رہن سہن اور معیار کو اپنی نظر سے پیش کرتے ہیں۔اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''غازی کی بیٹی کے علاوہ بھی پنگل خوش نظر چہروں کا گاؤں تھا...... جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی...... ہر چہرے پر حیرانی اور دور افتادگی کی معصومیت تھی...... اور تمام چہروں پر گل بوٹوں کی حنائی آرائش تھی...... ماتھوں پر سرمے سے بنے ہوئے ایسے نقش تھے جو میں نے صرف کالاش لڑکیوں کے ماتھوں اور رُخساروں پر دیکھے تھے......یعنی چہروں پر ایسے نقش و نگار بنانا کافرستان کی قدیم تہذیب کا ایک حصہ نہ تھا بلکہ یہ آرائش ان وادیوں کی ثقافت میں شامل ہے...... ان دنوں ہمارے ہاں نوجوان لڑکیاں تقریبات کے موقعوں پر اپنے چہرے ''پینٹ'' کرواتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ وہ تازہ ترین فیشن کر رہی ہیں لیکن یہ فیشن صدیوں سے پنگل ایسے دیہات میں رائج ہے اور جب یہ لڑکیاں ماڈرن ہوں گی تو اپنے چہرے صاف رکھیں گی کہ حنائی اور سیاہ رنگوں سے چہرے پینٹ کرنا پرانے رواج ہیں''۔ [۲۵]

ظاہری بات ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ پرانی تہذیب کی جگہ نئی تہذیب جنم لیتی ہے اور کھنڈروں کی جگہ بستیاں آباد ہو جاتی ہیں۔ ہر بوسیدہ شے فنا ہو جاتی ہے اور نئی چیزوں میں بقاء پیدا ہو جاتی ہے لیکن ان سب کا واسطہ انسان سے ہے۔مستنصر کے سفرناموں میں زندگی پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔وہ انسانی تاریخ کو ایک لڑی میں پَرو کر بیان کرنے پر قادر ہیں۔وہ اپنے مشاہدات کو تاریخی اور ثقافتی حوالوں سے آراستہ کرتے ہوئے سفرنامے کو مکمل کرتے ہیں۔یہ ایک فطری امر ہے کہ انسان جس جگہ پر بھی جاتا ہے اسے اس مقام کے تہذیبی رویوں سے واسطہ پڑتا ہے اور ان تہذیبی رویوں کے ذریعے وہ تاریخی واقعات سے بھی آگاہ ہوتا ہے۔مستنصر دوران سفر مختلف کرداروں اور مختلف سماجی رویوں سے خوب استفادہ حاصل کرتے ہیں اور یہ خوبی اُن کے سفرناموں میں نمایاں نظر آتی ہے کہ وہ جہاں بھی جاتے ہیں وہاں کے باشندے نظر آنے لگتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے قاری کی معلومات میں قابلِ قدر اضافہ کرتے ہیں۔لکھتے ہیں:

> ''اِس وادی کا جو میدان ہے جس میں دریائے غدر بہتا ہے اسے بارَ کا میدان کہتے ہیں...... یہ کسی زمانے میں راجوں کی ملکیت ہوتا تھا...... اُن کا گھوڑا اُدھر گھاس چرتا تھا...... پھر عوام نے ان سے چھین لیا''......

''کیسے چھین لیا؟''

''اُدھر ایک بھٹو صاحب آیا وہ بولا کہ ریاست اب ختم ہے۔میر اور نواب لوگ چھٹی کرو اور ملکیت عوام کی ہے تو ہم نے اِدھر میدان پر قبضہ کرلیا......اب ادھر ہم گھوڑا چراتا ہے'' ۲۶؎

مستنصر اپنے گہرے مشاہدے،شوقِ سیاحت،ذوقِ مطالعہ اور بصیرت افروز قلب ونظری کی وجہ سے معاشرے کے تمام پہلوؤں کا ذکر کرتے ہیں اور انسان کا فطری رنگ دکھاتے ہیں۔وہ نئی دنیاؤں کی دریافت کسی ظاہری نمود و نمائش یا عارضی و مادی فوائد کے حصول کیلئے نہیں کرتے بلکہ قومی وملکی جذبات کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔وہ جہاں بھی جاتے ہیں قوم و ملک سے ہمدردی کا جذبہ ساتھ لے کر جاتے ہیں اسی لئے وہ ہر شے کو محسوس کرتے نظر آتے ہیں۔ان کا کمال یہ ہے کہ وہ جس سطح کے لوگوں سے ملتے ہیں اسی سطح پر جا کر ان سے گفتگو بھی کرتے ہیں اور ان کی خواہشات کا خیال بھی رکھتے ہیں۔مستنصر اپنی تحریروں میں کہیں بھی جذبات نگاری کے تقدس کو پامال نہیں ہونے دیتے۔وہ اپنے داخلی احساسات وجذبات اور خارجی محسوسات میں مخلص ہوکر ہر خطے کی زندہ و تابندہ چیز کو نظر میں رکھتے ہوئے اُس کو چابکدستی سے پیش کرتے ہیں۔ان کے اس کشیدگی کے عمل سے قاری پر معاشرے وسماج کا ظاہر و باطن عیاں ہو جاتا ہے،مستنصر اپنے سفرنامے میں قاری کو کسی بھی پل نہیں بھولتے وہ جہاں کہیں بھی جاتے ہیں قاری کی اُنگلی پکڑ کر اسے ساتھ لے جاتے ہیں۔وہ قاری کو اپنے سفری واقعات اور کوائف اس قدر منہمک کر دیتے ہیں کہ قاری ان کا ہمزاد بن جاتا ہے جو ایک اچھے اور کامیاب سفرنامہ نگار کیلئے از حد ضروری ہوتا ہے۔ڈاکٹر خالد محمود اس ضمن میں رقمطراز ہیں کہ:

''یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اچھا سفرنامہ نگار قاری کو اپنا ہمسفر بنا لیتا ہے۔قاری وہ سب کچھ دیکھ لیتا ہے جو سفرنامہ نگار نے دیکھا ہے۔وہ سب کچھ محسوس کرتا ہے جو سفرنامہ نگار نے محسوس کیا ہے، اس کے تجربات میں شریک ہوتا ہے، اُس کے مشاہدات پرکھتا ہے،اُس کے ساتھ ہنستا ہے،افسردہ ہوتا ہے،غرض سفرنامہ نگار کا ہمزاد بن کر اُس کے ساتھ رہتا ہے''۔ ۲۷؎

مستنصر نے قاری کے ادبی ذوق وتسکین کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنے سفرناموں میں سماجی،تاریخی وتہذیبی اور مذہبی حالات وواقعات کو کبھی اپنی ذات اور احساسات کو پس منظر میں رکھ کر اور کبھی پیش منظر میں رکھ کر پیش کیا۔وہ معاشرے کے منفی اور مثبت حوادث کو اپنے جذبات کی تاثیر کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر نقش کر دیتے ہیں۔وہ کسی منظر کو

دیکھ کر کسی شخصیت سے متاثر ہو کر یا کسی تہذیب و ثقافت کا نظارہ کر کے اپنے اندر اٹھنے والے خیالات کو بلا خوف بیان کر دیتے ہیں۔اُن کا غیر جانبدارانہ اسلوب ہر جگہ اپنی جھلکیاں دکھاتا ہے۔وہ بڑی تحمل مزاجی کے ساتھ حقائق سامنے لاتے ہیں۔پوشیدہ حقائق سے پردہ اٹھانے کیلئے مستنصر عمدہ طریقے سے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔وہ واقعات کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے واقعات نہ صرف قصہ یا کہانی کا روپ دھارتے ہیں بلکہ وہ معلومات کا ایک منبع بن جاتے ہیں۔یوں اُن کا سفرنامہ معلومات،مزاح،مسرت اور مذہبی جذبات کا بھی آئینہ دار ہے۔اُن کے اسی تخلیقی پن نے قارئین کو اپنا گرویدہ بنایا ہوا ہے جیسے وہ مذاہب اور عقائد کا ذکر اتنے ہلکے انداز میں پیش کرتے ہیں کہ وہ جہاں گئے ہوتے ہیں وہاں کے مذہب و عبادت گاہوں کو بھی پیش کر دیتے ہیں کہ وہاں کے باشندوں کو بھی گراں نہیں گزرتا اور قاری بھی حظ اٹھا اٹھا کر معلومات حاصل کرتا ہے۔لکھتے ہیں:

''میں نے گلیشیئر کے قریب سانس لیتی ایک عمارت کو سر اٹھا کر دیکھا''
''وہ دوسرے پہاڑ کی چوٹی کے قریب کس کا گھر ہے؟''
''جماعت خانہ ہے باس''!
''کون سی جماعت کا؟'' سلجوق نے بھولپن سے دریافت کیا۔
''ہماری جماعت کا...... آپ کو معلوم تو ہو گا کہ وہ اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں...... جماعت خانہ،عبادت گاہ اور پنچائیت گھر کے طور پر استعمال ہوتا ہے''۔ ۲۸

مستنصر جب بھی تاریخ،تہذیب یا ثقافت و مذہب کی بات کرتے ہیں تو وہ خود ساختہ نظریے پیش نہیں کرتے بلکہ وہ ہر شے کا اصلی چہرہ دکھانے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں۔وہ معاشرے کو سچ کی کڑوی گولی کھلاتے ہیں۔ان کی تحریریں اس لئے کامیاب ہیں کہ وہ قدم بہ قدم حقیقی انداز میں کرداروں کو پیش کرتے ہیں ان کے کرداروں میں زندگی کی تمام تر جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔عام زندگی سے متعلق ہر موضوع مستنصر کی تحریروں کا موضوع بن جاتا ہے۔وہ اتنے حقیقی انداز میں کرداروں کو پیش کرتے ہیں کہ ان کا یہ ڈرامائی اور مکالماتی انداز قارئین کو بوریت کا شکار نہیں ہونے دیتا یوں ان کے پیش کردہ کردار فوراً موقع ملتے ہی زندگی سے متعلق ہر موضوع پر گفت و شنید شروع کر دیتے ہیں یہ ان کا قابل تحسین پہلو ہے کہ وہ معاملات و واقعات کا تجزیہ کر کے کرداروں کی زبانی نتائج مرتب کرتے ہوئے دانشورانہ انداز اور تخلیقی سلیقے سے نسلِ انسانی کو قاری کے سامنے پیش کر دیتے ہیں جیسے وہ ایک بنگالی بابا سے ملاقات کرنے کے بعد اُس سے مکالمہ کرتے ہوئے وہاں کے رسم و رواج،مذہب اور عبادت کو شاندار انداز میں بیان کرتے ہیں کہ:

''بنگالی بابا ادھر کافروں میں کیسے رہتا ہے؟''

''ہمارا بیوی کافر ہے......تو بہ تو بہ''اس نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگایا۔''پہلے کافر تھا......
بچہ لوگ پکا مسلمان ہے......بمبوریت کی مسجد میں نماز پڑھتا ہے''۔
ریسٹ ہاؤس کی قربت میں ایک نہایت دلکش مسجد تھی......عصر کی نماز کیلئے ہم
تینوں ......اس وادیٔ کفار میں...... اس مسجد میں گئے تھے...... میں اپنی حیات میں
بہت زیادہ سجدے نہیں کر سکا......پر جتنے بھی کئے من مرضی سے کئے......میری پیشانی
چٹائیوں کی سختی سے ایسے مسلسل آشنا نہیں ہوئی کہ اس پر جنت کا ویزا ثبت ہو جاتا جسے
محراب کہتے ہیں......لیکن میں نے جب بھی سجدہ کیا میرے اندر نے پکار کی کہ......
تینوں کافر کا فر آکھدے تو آہو آہو آکھ......اور اپنی رضا اور رغبت سے کیا، ثواب
عذاب کا حساب کر کے نہیں کیا......مول تول، لین دین نہیں کیا......وہ ترشنگ کی پگوڈا نما
مسجد ہو یا استنبول کی نیلی مسجد......وہ سنولیک کی برف کائنات ہو جسے شاید آج تک
میری جبین نے ہی چھوا ہو...... یا بر جی لاء درے کی ٹاپ پر ہمالیہ کے سب سے
پر شوکت منظر کے سامنے......وہاں میں نے ایک ہی رمز پائی ہے...... جہاں برف کا
ہو یا پتھر کا......آس پاس کفر ہو، اسلام ہو یا کچھ نہ ہو...... جب آپ سجدے میں جاتے
ہیں تو سب کچھ معدوم ہو جاتا ہے''۔ [۲۹]

مستنصر کا کمال یہی ہے کہ وہ مختصر الفاظ میں ساری زندگی کا نقشہ کھینچ کر سامنے رکھ دیتے ہیں جیسا کہ درجہ بالا حوالے میں وہ اپنی مذہبی زندگی کو پیش کر دیتے ہیں اور کڑوا سچ اُگل دیتے ہیں کہ وہ عبادت پابندی سے نہیں ادا کرتے۔اُن کا یہ فلسفیانہ انداز اُن کی تحریروں میں جا بجا ملتا ہے اور اُن کے اس انداز کو ہر حساس دل اور سوچنے والا ذہن قبول کرتے ہوئے راست فکری پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے۔

مستنصر کا یہ خاص انداز ہے جسے وہ ایک تکنیک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔وہ اپنے جذبات کو خوبصورت الفاظ کے ذریعے قارئین تک پہنچاتے ہیں۔الفاظ کا چناؤ اور زبان و بیان پر دسترس مستنصر کے واقعات کے بیان کو دلکش بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ان کا یہ انداز اس مثال سے واضح ہوتا ہے۔لکھتے ہیں کہ:

''جب آخری پورٹر آپ کے قریب سے گزر جاتا ہے تب آپ سفر کی دعا پڑھتے
ہیں......اور بسم اللہ کہہ کر وہ پہلا قدم اٹھاتے ہیں......دراصل پہلا قدم ہی پوری کوہ

> نوردی ہوتا ہے...... جیسے کہا جاتا ہے کہ ناول کا پہلا فقرہ لکھنا سب سے مشکل ہوتا ہے......وہ لکھ لیجئے تو گویا ناول مکمل ہوگیا...... جیسے چاند پر پہلا قدم......نسلِ انسانی کیلئے ایک عظیم جست ہوتا ہے...... جیسے سڑک پار کرتے ہوئے کسی کے ساتھ آپ کا ہاتھ چھو جائے تو گویا ایک عشقِ خاص کا آغاز ہو جاتا ہے۔جیسے موت کے پہلے لمحے میں ہی قیامت آجاتی ہے...... کہ آپ کی آنکھیں بند ہونے کے بعد بے شک اربوں سال گزر جائیں، جب آپ کی آنکھ کھلے گی تو قیامت ہوگی اور آپ کہیں گے کہ میں تو ابھی ابھی مرا تھا......
>
> کچھ ایسے ہی ٹریک کا پہلا قدم......اور آپ منزل تک پہنچ جاتے ہیں"۔ ۱۴۰

مستنصر کے سفرناموں میں فلسفیانہ اندازِ نظر کی شعوری کاوش جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔وہ تقابلی انداز میں اپنے مشاہدات و تجربات کو جذبات کے روپ میں ڈھال کر قاری کے سامنے ایسے پیش کرتے ہیں کہ قاری کو نہ صرف پیشِ نظر موضوع پر گرفت حاصل ہوتی ہے بلکہ وہ متنوع موضوعات سے بھی آشنا ہو جاتا ہے۔یہ اندازِ بیان مستنصر کو اُن کے سفرناموں میں ایک ہیرو کی طرح اُبھار کر سامنے لاتا ہے۔وہ جہاں کہیں بھی جاتے ہیں اپنی حاضر جوابی اور وسیع المشربی کے نقوش چھوڑتے جاتے ہیں۔جیسے "یاک سرائے" میں وہ اپنے ساتھ گئے پورٹرز کا جب ذکر کرتے ہیں تو اُن سے حاصل کردہ مدد اور سہارے کو وہ ریل کے انجن سے موازنہ کرتے ہیں۔لکھتے ہیں:

> "میں اس لمحے دنیا کا بزدل ترین شخص تھا اور مجبور ترین بھی...... میں نے ہاتھ آگے کیا......احد نے اُسے گرفت میں لے لیا...... دوسری جانب ایک اور پورٹر نے سہارا دیا...... میں نے اپنی زندگی کی ناکامیوں اور محبتوں کو یاد کیا...... جو کچھ مجھے عربی زبان میں یاد تھا اسے دوہرایا اور دیوار کے پہلے پتھر پر قدم رکھا......میرے پیچھے ایک اور پورٹر مجھے سہارا دیئے ہوئے تھا۔وہاں قدم جما کر چڑھنے کا خدشہ یہ نہ تھا......ایک عمودی بلندی پر جو قدم پڑتا ہے وہ اسی لمحے کھسکتا ہوا نیچے جاتا ہے اور وہاں میرے پیچھے خوشحال اپنی ہتھیلیوں کے پیالے بنا کر میرے بوٹوں کی ایڑھیوں کو کچھ دیر کیلئے تھامتا تھا......اتنی دیر کیلئے جتنی دیر میں انہیں اٹھا کر اگلی بلندی پر نہیں رکھ لیتا تھا...... جیسے کوئٹہ جانے والی ٹرین کے آگے پیچھے متعدد انجن لگے ہوتے ہیں ایسے میرے عقب میں اور دائیں بائیں تین انجن اپنی جان پر کھیلتے ہوئے مجھے اوپر دھکیل رہے تھے......" ۱۴۱

مستنصر سفر کے ذریعے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرتے ہیں ۔وہ اپنے ذاتی مشاہدات، تجربات اور سفر کی رُوداد کو خصوصی انداز میں پیش کر کے قاری کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں ۔وہ موقع محل کی مناسبت سے موازناتی و تقابلی طرز اپنا کر تحریر کو پُرتاثیر بنا کر پیش کرتے ہیں ۔اس اندازِ تحریر سے وہ قاری کو خوشگوار احساس بخشتے ہوئے سفرناموں میں مزید نکھار پیدا کرتے ہیں جس سے عام قاری مصنف کے نقطہ نظر کو آسانی سے سمجھ لیتا ہے ۔وہ تصور کشی کو لفظوں کے روپ میں ایسے بیان کرتے ہیں کہ وہ منظر آنکھوں کی گہرائی تک اتر آتا ہے ۔وہ چترال اور گلگت کی مخاصمت کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''چترال ہمیشہ اپنی ثقافت اور زبان کے حوالے سے اپنے آپ کو برتر سمجھتا رہا اور شاید وہ حق بجانب بھی ہے...... اور اس نے گلگت کو ہمیشہ غیر مہذب یافتہ قرار دیا...... چترال پرامن اور تہذیب یافتہ تھا اور گلگت کی کوئی شناخت نہ تھی...... چترال والے بر سک کے سیون اپ چشمے تک اپنی ریاست پھیلاتے ہیں اور درہ شندور کو اپنی جائیداد گردانتے ہیں اگرچہ اب وہ نصف گلگت کا ہے اور بقیہ چترال کے حصے میں آتا ہے...... جب کبھی شندور ٹاپ پر پولو ٹورنامنٹ ہوتے ہیں تو گویا انڈیا پاکستان کے مقابلے ہوتے ہیں چترالیوں کے لئے اہل گلگت کے گھوڑے نرے خچر اور گدھے ہیں...... اور گلگت والوں کا کہنا ہے کہ پولو تو ہم نے ایجاد کیا ہے، یہ ست چترالی تو گھوڑوں کی پشت پر سو جاتے ہیں''۔ ۳۲

یہ انداز مستنصر کا خاص انداز ہے ۔وہ قاری کو جا بجا خارجی سے داخلی احساس سے روشناس کرواتے ہیں ۔اس احساس کی پیش کش میں ان کے قلم کی جولانیاں بطورِ خاص دیکھنے والی ہوتی ہیں ۔مستنصر اپنے سفرناموں میں فکر انگیز اسلوب سے حسن اور دلکشی پیدا کرتے ہیں ۔وہ موازنے کی تکنیک کا استعمال کر کے قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور موازنے کے ذریعے حقائق کو پرکشش بنا کر سامنے لاتے ہیں جیسے وہ شمال کے پہاڑوں اور پہاڑی راستوں کی سفاکی کا موازنہ دلکش اور انوکھے انداز میں کرتے ہیں کہ:

> ''کسی نے کہا تھا شیر چاہے کتنا ہی شریف کیوں نہ ہو خصلت میں شیر ہی رہتا ہے...... کچھ اس طور شمال کے راستے چاہے کتنے ہی محفوظ کیوں نہ ہوں ان کی خصلت تبدیل نہیں ہوتی اور انسانی خون کے بغیر ان کی شخصیت مکمل نہیں ہوتی۔ کہیں آگے چل کر...... کسی اور موڑ پر...... یہ سرخ جھنڈی ان تینوں جیپوں میں سے کسی ایک کی یاد میں پھڑ پھڑا سکتی تھی...... موت کا خوف دل سے جاتا تو نہیں لیکن اس کی مسلسل قربت بندے کو تھوڑا سا

ڈھیٹ ضرور کردیتی ہے اور کچھ لوگ اسے بہادری کا نام دیتے ہیں۔" ۳۳

مستنصر کے اس فن نے مصنف اور قاری کا رشتہ استوار کردیا ہے ۔وہ مثالوں کے ذریعے مشاہدات کو دلچسپ بنا کر پیش کرتے ہیں ۔ یہ طریق کار انہیں کامیاب سفرنامہ نگار بنانے میں معاون ثابت ہوتا ہے کیونکہ کسی بھی شے کو نمایاں کرنے اور اس کی اہمیت برقرار رکھنے کیلئے موازنے کی تکنیک اہم رول ادا کرتی ہے اور یہ تکنیک مستنصر بڑے سلیقے اور مہارت سے برتتے ہیں ۔اس کی مثال یوں ہے وہ اپنے جذبات کو خوبصورت تقابلی انداز میں بیان کرتے ہیں ۔ملاحظہ کیجئے:

"اور سب سے اہم ...... پورٹروں کے ساتھ معاملات طے کرنے کے بعد جب آپ اس ٹریک پر روانہ ہونے کیلئے پہلا قدم اٹھاتے ہیں تو جیسے بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے آزاد ہو کر مصر سے نکلتے ہیں......اس شوق اور خوشی سے......ایک نئی زندگی کی خواہش میں......تو تقریباً ایسی سرخوشی میں ڈوبے ہوئے ...... ایک آوارہ گرد ایک کوہ نورد کہیں بلند پہاڑوں میں جانے کیلئے ...... پہلا قدم اٹھاتا ہے......وہ بھی ایک برس تک معاشرے اور خاندانی بندھنوں کے فرعون کی غلامی کرنے کے بعد اس سرزمین کی جانب جاتا ہے جس کا اس کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا......" ۳۴

مستنصر کے اس بے مثل اسلوب نے سفرناموں میں لطافت اور رعنائی پیدا کردی ہے۔انہوں نے سفرنامے کو تاریخ تہذیب اور مقام کی قیود میں پابند بھی رکھا ہے لیکن ساتھ ہی تاثر کو مستقیم انداز میں قاری تک پہنچانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔وہ ماحول کو ایک ادیب کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور اس کی رنگینیوں اور لطافتوں میں خود بھی شریک ہوتے ہیں اور قاری کو بھی لطف اٹھانے کا موقع بخشتے ہیں اور یہ سب ان کی زبان اور اسلوب کی وجہ سے ہے۔اگرچہ نثری اسلوب شعری اسلوب سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے لیکن اپنی تحریروں میں رنگینی اور چاشنی لانے کیلئے مستنصر نے اپنی شعری دلچسپی کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے اس کا استعمال کیا ہے اس لئے ان کے سفرناموں میں اکثر مقامات پر اشعار کا استعمال بھی ملتا ہے لیکن ایسا جابجا نہیں بلکہ وہ موقع محل کی مناسبت سے اشعار اور مصرعوں کا استعمال کرتے ہیں جس سے اُن کی تحریروں میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے اور قاری کی دلچسپی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔جیسے لکھتے ہیں:

"مجھ میں اب بھی وہ منظر نقش ہے............ایک بے انت سفید دروں کی دُھند میں درجنوں پانی پہاڑوں سے اُتر کر ایک ہموار میدان میں گلوغ میں آرہے ہیں اور گلوغ

کے معنی ہیں...... جہاں بہت سارا صاف پانی آ رہا ہو اور یہاں بہت سارا پانی......
صاف پانی نیچے آ رہا تھا اور سمیرا اور غازی اُس میں ڈوریاں ڈالتے تھے......
اور یہاں سرِ شام ایک عجیب منظر تھا......

؎ سرِ شام کیسا نظارہ تھا مرے باغ میں
ترے ساتھ ایک ستارہ تھا مرے باغ میں
ترا بے کنار بہشت جانے کہاں پہ تھا
مگر اس کا ایک کنارا تھا مرے باغ میں"
(محمد اظہار الحق) ۳۵

مستنصر کا کمالِ سخن اُن کے سفرناموں میں واضح ہوتا ہے۔ وہ اپنے سحر آفرین قلم سے اشعار کو سفرنامے کے نثری پیکر کے ساتھ ایسے تحریر کرتے ہیں کہ وہ فکروفن کی دنیا کو کامیاب اور قاری کی دلچسپی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ یوں قاری کو سیاحت کے مزے لوٹنے کے ساتھ ساتھ سفرنامے میں نئی اور حسین سوغات کا لطف اٹھانے کا موقع بھی ملتا ہے اور نثر پڑھتے پڑھتے عام قاری شاعری کے رنگین مزاج سے بھی آشنا ہو کر تخلیق کار کی فنکارانہ پختگی پر داد دیتا ہے۔ مستنصر کے اسلوب کا یہ پہلو جمالیات کا مظہر بھی ہے۔ وہ قاری کیلئے اجنبی ماحول کو خوبصورتی کے ساتھ اشعار کا حوالہ دے کر بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"جھیل میں پانی کی سیڑھیاں ہیں جو میرے بوجھ سے کھلتی چلی جاتی ہیں اور میں کوشش میں ہوں کہ اُن کی تہہ کو چھولوں...... یہ سیڑھیاں قدموں سے ناآشنا ہیں اور ہر سیڑھی پر میرا نام لکھا ہے اور میں تہہ سے ٹکرا جاتا ہوں...... میرا بدن چھل جاتا ہے اور مجھے سانس نہیں آ رہا اور اس خوابِ مسلسل کا کوئی انجام نہیں......

؎ خواب میں جو کچھ دیکھ رہا تھا اُس کا بتانا مشکل ہے
آئینے میں پھول کِھلا ہے ہاتھ لگانا مشکل ہے

ہاں...... آئینے میں پھول کھلا ہے اور میں اسے ہاتھ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں......
پھول کی رنگت زرد ہے اور وہ مجھ سے دور ہوتا جاتا ہے......" ۳۶

اسی طرح سفر کی داستان بیان کرتے کرتے مستنصر خوبصورت پیرائے میں پھر شعر کا

استعمال کرکے تحریر کی چاشنی میں اضافہ کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

”لیکن جو سفر بھولتے جاتے ہوں...... انہیں بیان کرنا دُشوار ہو جاتا ہے...... جیسے ہر عظیم کھنڈر کی...... ہڑپہ، مہر گڑھ اور موہنجو داڑو کی مختلف تہیں ہوتی ہیں...... بالائی تہہ کو سمجھنا اور اسے بیان کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے لیکن اُس کے نیچے پوشیدہ چھٹی یا ساتویں تہہ تک پہنچنا اور اُس کا قصہ سنانا خطرے سے خالی نہیں ہوتا...... آپ کہیں بھی ٹھوکر کھا سکتے ہیں...... تو پھر میں یہ خطرہ کیوں مول لے رہا ہوں...... میں نے اس سفر کو پہلے کیوں بیان نہیں کیا...... میرے پاس کوئی معقول جواز نہیں ہے لیکن میں صدقِ دل سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ......

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

میں مختلف سفروں کا رہینِ ستم رہا اور اُن کی کہانیاں کہتا رہا......“ ۳۷

مستنصر کا یہ انداز اسلوب اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ ہر انسان کا ذوق وشوق منفرد اور یکتا ہوتا ہے اور ہر انسان کی پسند اور ناپسند میں اجتماعی اور عمومی زوایہ تلاش کیا جاتا ہے۔ وہ ہر جذبے اور ہر شے کو اتنی گہرائی سے بیان کرتے ہیں کہ ایک عمدہ مرقع سامنے آجاتا ہے۔ مستنصر نے سفر کرتے ہوئے مقامات واشیاء کو ایک زیرک اور تیز نگاہ شخص کی طرح دیکھا اور پھر اپنے مشاہدات اور محسوسات کو ایک نئے انداز میں سفرنامے کی صورت میں پیش کیا۔ وہ اپنے مشاہدات مربوط بیانیہ میں پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے مشاہدات اور واقعات کے بیان میں حسن ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔ وہ افسانوی تکنیک میں اپنے واقعات کے ذریعے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ابھارتے ہیں۔ حقائق اور قوت متخیلہ کے امتزاج سے مستنصر ایسے سفرنامے تحریر کرتے ہیں جو جدید دور کے قاری کی نفسیات کے عین مطابق لکھے گئے ہیں اسی لئے میڈیا اور انٹرنیٹ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قارئین اس دور میں بھی سفرناموں کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ مشاہدات اور واقعات کے بیان میں اپنا خاص انداز اپناتے ہیں اور واقعات و مشاہدات کی حسین ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہیں جیسا اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

”میں نے یہ کہانی کسی جذبۂ تفاخر کے طور پر بیان نہیں کی...... شدید شرمندگی کے طور پر سنائی ہے...... اس بی بی نے اپنی والدہ کو الٹی میٹم دیا تھا کہ یاں تو مجھے وہاں لے چلو

جہاں ''کے ٹو کہانی'' ہے...... ''نانگا پربت'' ہے......یا میں گھر سے بھاگ جاؤں گی......
میں نے آج تک اس بے وقوف لڑکی کو نہیں دیکھا...... نہ اس کے نام سے واقف
ہوں......لیکن میری ایک مودبانہ گزارش ہے کہ......میرے سفرناموں کو زیادہ سنجیدگی
سے نہ لیا کریں...... یہ......ایک دیوانے کی بڑ ہوتے ہیں۔دیوانگی جو کچھ دیکھتی ہے،
اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔میری تحریر کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا......
میں اپنے من میں بستیاں آباد کرتا ہوتا ہوں......ان کا وجود نہیں ہوتا پھر بھی......آباد
کرتا ہوں......میرے دل میں کوہ نوردی کا عشق خاص ہے وہ ایسی آبشاریں تخلیق کرتا
ہے جن کا وجود نہیں ہوتا......وہ ایسی ندیوں کو رواں کرتا ہے جن کا نام نہیں ہوتا......
میرے سفرناموں کو زیادہ سنجیدگی سے نہ لیا کریں''...... ۳۸

مستنصر کے اندر قدرت کاملہ نے یہ جذبہ رکھا تھا کہ وہ اپنے تخیل کے بل بوتے پر اپنی محسوسات کو حقیقت کا رنگ روپ دے کر ہمیں نت نئی جگہوں سے واقف کرواتے ہیں کہ اُن کی تحریروں کے قارئین ان کے سفرناموں کے شیدائی بن جاتے ہیں۔درجہ بالا حوالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستنصر قصے اور کہانی کی بُنت میں کمال رکھتے ہیں۔کیونکہ وہ ایک ناول نگار اور افسانہ نگار بھی ہیں اس لئے وہ دیگر اصناف نثر کی تکنیک سے بھی بخوبی آگاہ ہیں یوں وہ سفرنامہ لکھتے ہوئے رنگارنگ تکنیکوں کا استعمال کرتے ہیں۔افسانوی انداز ان کے سفرناموں کی پہچان بھی ہے اسی لئے وہ قصہ یا کہانی کامیابی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔وہ سفرنامے لکھتے وقت واقعات کی بُنت کا خیال رکھتے ہیں۔جیسا کہ ''شمشال بے مثال'' میں لکھتے ہیں:

''اور اب کئی برسوں کے بعد میں اسے یہاں گلگت میں سرینا ہوٹل کے لان میں اپنے
سامنے ایک نفیس سوٹ میں ملبوس دیکھ رہا تھا۔رجب شاہ جو بلاشبہ پاکستان کا سب
سے بڑا کوہ پیما تھا......جس نے پاکستان میں واقع آٹھ ہزار میٹر سے زیادہ بلندی کی
پانچوں چوٹیاں سر کر لی تھیں اور جو ایورسٹ سے صرف چند سو میٹر کے فاصلے پر رہ گیا
تھا...... ''رجب میں تو آپ کی وادی میں جانے کا ارادہ کر رہا تھا اور آپ یہاں گلگت
میں اتنے سمارٹ ہو کر گھوم رہے ہو......'' ''آپ تو کانفرنس میں آئے ہو صاحب''......
''کانفرنس تو ایک بہانہ ہے......شمشال جانے کا'' ''آپ شمشال جائیں گے''؟اس
نے اتنی معصوم حیرت سے کہا جیسے میں نے اس کے ہمراہ اور پھر سے کے ٹو کی چوٹی پر

جانے کا ارادہ کر لیا ہو......" ہاں...... ارادہ تو ہے...... سنا ہے کہ راستہ آسان ہو گیا ہے......ایک خاص مقام تک روڈ بھی پہنچ گئی ہے......پھر چار گھنٹے کی مسافت کے بعد رات کرتے ہیں اور اگلے روز شام تک شمشال پہنچ جاتے ہیں"...... ۳۹

مستنصر جب سفر پر نکلتے ہیں تو سچی سیاحت کی تڑپ کے ساتھ نکلتے ہیں۔ وہ کائنات اور اس کی رعنائیوں سے لطف اٹھانے کا گُر خوب جانتے ہیں۔ وہ مناظر اور حالات وواقعات کو قاری کے سامنے یوں پیش کرتے ہیں کہ قاری بھی سیرو سیاحت کا لطف اٹھائے بغیر کہانی مکمل نہیں کرتا۔ مستنصر جادوئی انداز میں اپنے سفر اور آمد و رفت کے حالات و واقعات ضبطِ قلم میں لاتے ہیں۔ وہ مناظر و حالات کی خوبصورت انداز میں تصویر کشی کرتے ہوئے سفرنامے کے لوازمات پر پورا اترتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان نے سفرنامے کے حوالے سے جو بات کی ہے وہ مستنصر کے لئے کی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"سفرنامے کیلئے غیر رسمی، گھریلو اور نجی قسم کے اسلوب بیان کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ یہ تھری پیس سوٹ، ٹائی بو لگا کر لکھی جانے والی چیز نہیں رہی۔ یہ ساحل سمندر پر نیکر پہنے، برگر کھاتے، تصویریں نکالتے ایک خوش باش ولذت کوش شخص کے داخلی و خارجی تاثرات ہوتے ہیں۔ جنہیں وہ سبق آموز دلآویز بنا کر کاغذ و قلم کے حوالے سے محفوظ کرنا چاہتا ہے"۔ ۴۰

مستنصر ایک سچے سیاح کی عینک پہنے مناظر کو اپنی محسوسات میں سمو کر یوں بیان کرتے ہیں کہ ان کے سفرنامے قارئین کو بے تاب کر دیتے ہیں۔ اُن کے اسلوب کی جادو بیانی اُن کے مقام میں اضافہ تو کرتی ہے لیکن سفرنامے کی صنف میں توازن برقرار رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مستنصر کی تحریروں میں اعتدال و توازن نے سفرنامے کو قاری کیلئے مرعوب بنایا ہے۔ وہ مناظر اور مظاہرِ قدرت کو ایسے تخلیقی انداز میں پیش کرتے ہیں کہ قاری کو یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ مناظر مصنف کی روح میں اُتر جانے کے بعد پیش کئے گئے ہیں۔ وہ اپنی محسوسات کا اظہار ایسے کرتے ہیں کہ ان کا سفرنامہ قاری پر دیرپا اثر چھوڑتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"وہاں میں نے اپنے اردگرد ایسے چہرے دیکھے جن میں ایک ایک چہرہ پورا اسکولے تھا...... عجیب لباس تھے۔ عجیب زیور تھے...... ان میں سے بیشتر نے گھروں میں کھڈیوں پر بنائے ہوئے اونی چوغے پہن رکھے تھے۔ سیاہ چوغوں پر از حد خوبصورت اور پرانے طرز کی شوخ رنگوں کی کڑھائی تھی......عورتوں نے رنگین دھاگوں کی ٹوپیاں

پہن رکھی تھیں اور ان کے بال منکوں اور سیپیوں میں گندھے ہوئے مینڈھیوں کی
صورت میں اُن کے شانوں پر پڑے تھے۔وہ خوش شکل تھیں اور اُن کے چہرے سرمے
اور مہندی کے بیل بوٹوں سے سجے تھے۔سفید رنگت پر سیاہ نقش ونگار کچھ ایسے تھے جو میں
نے وادیٔ کیلاش میں اور وادیٔ پھنڈر سے پرے چند دیہات میں دیکھے تھے''۔ [۴۱]

منظر کشی سفرنامہ نگار کی پہچان ہوتا ہے۔مستنصر بھی اس تکنیک سے خوب استفادہ حاصل کرتے ہیں کیونکہ گھر بیٹھے قارئین کیلئے لمبی لمبی کہانیوں اور ذاتی مشاہدات اور دیگر واقعات میں زیادہ دلچسپی کا سامان نہیں ہوتا۔سفرنامہ نگار قاری کی دلچسپی برقرار رکھنے کیلئے خارج سے داخل میں جھانک کر واقعات کی تصویر یوں کھینچتا ہے کہ اس کے جذبات واحساسات کو ابدیت حاصل ہوجاتی ہے۔اسی لئے یہ امر ضروری سمجھا جاتا ہے کہ ایک سیاح کا ویژن جتنا زیادہ گہرا اور وسیع ہوگا اُس کا سفرنامہ اُتنا ہی کامیاب ہوگا۔مستنصر نے خارجی منظر کو اپنے مشاہدے و تجربے کی سطح پر محسوس کرتے ہوئے خارجیت کو اپنی داخلیت میں اس طرح سمو کر بیان کیا ہے کہ وہ جن مناظر کو پیش کرتے ہیں وہ ایک نیا رنگ لئے ہوتے ہیں جیسے منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

شاہراہ قراقرم کسی بلند اور برف پوش چوٹی کی طرح ہے......کبھی یہ پرامن اور دوست
ہوتی ہے اور صاف موسموں میں دھوپ چمکتی ہے اور کبھی برفیلے طوفان اور تیز ہوائیں
واپسی کے راستے مسدود کردیتی ہیں۔یہاں ہمیں سفر بخیر کی دعا کی ضرورت تھی۔
ٹیلی ویژن سٹیشن کے باہر دو کاریں کھڑی تھیں۔ایک نیلی اور دوسری
فاختائی۔دونوں کی چھتوں پر کیریئر سامان سے لدے پھندے تھے۔سلجوق
نیلی کار میں سے باہر آیا۔''ہیلو ابو'' اور پچھلی نشست پر جا بیٹھا۔میں نے
اسلام آباد کی صبح میں ایک گہرا اور الوداعی سانس لیا اور سٹیئرنگ پر بیٹھ کر نیلی
کار کی چابی گھمادی''۔ [۴۲]

مستنصر کسی بھی منظر کو دیکھ کر یا کسی قصے کو سن کر اُس منظر کو اپنے جذبات کا آئینہ دار بناتے ہوئے ایسے تصویر کشی کرتے ہیں کہ پہلی نظر میں ہی قارئین اصلی روپ تک پہنچنے لگتا ہے۔وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ وہ سارے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔مستنصر اس تکنیک کے برتنے میں بڑے کامیاب نظر آتے ہیں کیونکہ وہ گہری نظر رکھتے ہیں اور انہیں زندگی کو قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کا بھی شوق ہے۔وہ زندگی کی گہما گہمیوں کی تخیل کے بل بوتے پر ایسی عکاسی کرتے ہیں کہ قاری محسوس کرنے لگتا ہے کہ مصنف نے جو تحریر کیا ہے وہ اس کی زندگی کا حصہ ہے لیکن وہ اس سے پہلے اس

حصے سے ناواقف تھااور اب اس نے شعور کی آنکھ کھول لی ہے۔یوں وہ مناظر سے لطف اٹھانے میں مشغول ہو گیا ہے۔ مستنصر کی تمام تر تحریروں میں منظر کشی کا اہتمام، سلجھے ہوئے انداز میں کیا گیا ہے لیکن ان کے سفر ناموں میں یہ انداز زیادہ مستند اور خوش آئند نظر آتا ہے کیونکہ وہ بخوبی آگاہ ہیں کہ سفر نامے کے لوازمات میں سے یہ ایک اہم لوازم ہے، جس کا برتاؤ وہ قاری کی نبض پر ہاتھ رکھ کر کرتے ہیں۔وہ حسین مناظر کو خوبصورت الفاظ اور مشاہدات کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں کہ قاری نا دیر لطف اٹھاتا رہتا ہے جیسے وہ ''سفر شمال کے'' میں منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ملاحظہ ہو:

> ''ابو ادھر دیکھیں......ابو......عینی بار بار کہتی۔
> ہم سب قلعے کی دیوار پر بیٹھے اپنے قدموں میں پھیلے بلتت اور وادیٔ ہنزہ کی وسعت کو تک رہے تھے۔ چراغاں جنگل کی آگ کی طرح تھا، پھیلتا جاتا تھا اور پھر یہ دیئے اور روشنی کے الاؤ جیسے اردگرد کے بلند پہاڑوں پر بھی ظاہر ہونے لگے۔ دور دراز کی گھاٹیاں اور گلیشیئر کے قریب کی چٹانیں روشن ہو رہی تھیں اور یہ ایک خوابناک اور نا قابل یقین منظر تھا کہ پوری وادی میں جگہ جگہ روشنی ہو رہی تھی......
> ''ابو ادھر......'' سمیر نے ان پہاڑوں کی جانب اشارہ کیا جہاں قیمتی پتھروں کی کانیں واقع ہیں...... وہاں سینکڑوں دیئے جل رہے تھے اور ان کی روشنی سے ''یا علی'' کے حروف ظاہر ہو رہے تھے، اسی طرح ایک پہاڑ پر آگ کی مدد سے ایک تاج بنایا جا رہا تھا......مبارکباد کے لفظ کئی گھاٹیوں میں دکھائی دیتے تھے پھر التر کی بلندی سے جیسے آگ کے گولے تیزی سے نیچے آنے لگے پھر ایک اور پہاڑی سے بھی الاؤ نیچے آتے گئے۔
> اس جشن کیلئے مختلف ٹیمیں تیل اور پرانے کپڑے لے کر صبح سویرے بلندیوں کیلئے روانہ ہو چکی تھیں۔وادی کے پہاڑوں میں پہنچ کر اب وہ چراغاں کر رہے تھے۔آگ کے گولے دراصل وہ ٹائر تھے جنہیں آگ لگا کر بلندی سے لڑھکایا جا رہا تھا'' ۴۳

مستنصر منظر نگاری کے ذریعے قارئین کو حقیقی مسرتوں سے ہمکنار کرتے ہیں وہ عام قاری کو زندگی سے متعلق ہر خوشی سے لطف لینے کا شعور اور سلیقہ عطا کرتے ہیں اور اسے زندگی کے اُن گوشوں کا احساس دلاتے ہیں جو اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ یوں اگر دیکھا جائے تو مستنصر کے سفر ناموں میں شگفتگی اور رعنائی جگہ جگہ پائی جاتی ہے۔انہوں نے عام فہم انداز میں چھوٹے بڑے، عام اور خاص واقعات کو قارئین کی نذر کیا ہے۔ان کے ہاں خوبصورت مناظر کی دلفریبیاں جابجا ملتی ہیں۔ان خوبصورت مناظر کی ایک جھلک وہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''ہم پل کے پار جانے کیلئے باشالی سے نیچے اترے تو بائیں جانب ایک عجیب ڈرامہ دیکھا......ایک کالاش لڑکی ہاتھ میں چھڑی پکڑے پتھروں کو پھلانگتی اپنی بھیڑوں کی رکھوالی کر رہی تھی......بھیڑیں کبھی گھاس پر سر جھکاتیں اور کبھی ندی کے پانیوں میں تھوتھنیاں ڈال دیتیں......کوئی ایک بھیڑ اپنے گلے سے الگ ہوتی تو وہ لڑکی اپنا سیاہ لبادہ سنبھالتی اس کا پیچھا کرتی اور چھڑی سے اسے ہانکتی ہوئی واپس لے جاتی......یہ ایک مشقت طلب نگہبانی تھی......وہ بھیڑوں کا پیچھا کر رہی تھی اور دو تین پاکستانی نوجوان اس کا پیچھا کر رہے تھے......وہ اس جستجو میں تھے کہ نہ صرف اس کی تصویریں اتاری جائیں بلکہ ایک کافر حسینہ کے ہمراہ پوز بنا کر اپنی تصویریں بھی اتروائیں......وہ لڑکی اُن سے خاصی عاجز آ چکی تھی......وہ جونہی کیمرے کا رخ اس کی جانب کرتے یا ہنستے ہوئے اس کے ساتھ میل جول بڑھانا چاہتے تو وہ جھک کر کوئی مناسب سائز کا پتھر اٹھا کر ان کی جانب اُچھال دیتی......اور شاید اپنی زبان میں ان کی ماؤں بہنوں کی اخلاقیات پر بھی شدید حملے کرتی......وہ نوجوان اس کے غصے سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور ہنس رہے تھے......اور جوانی کے گھمنڈ میں اور حماقت میں اس کے قریب ہوتے جاتے تھے......
کالاش لڑکی بھی شاید اپنے شکار کی قربت کی منتظر تھی۔اس نے ایک پتھر ایسا تاک کے مارا کہ ان میں سے ایک رومیو کا ماتھا خون آلود ہو گیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا بیٹھ گیا......اور اس کے ساتھی اپنی خرمستیاں فراموش کر کے اسے ابتدائی طبی امداد دینے لگے......'' ۴۴

مستنصر واقعات کی خوبصورت انداز میں تصویر کشی کرتے ہیں کہ ان کے واقعات کے بیان کا تاثر قاری کے داخلی احساس اور جذبے کو بیدار کر دیتا ہے۔ایک کامیاب ادیب ہی یہ کام سرانجام دے سکتا ہے کہ وہ قاری کے داخلی جذبے کو ابھار سکے۔مستنصر اس ہنر کا استعمال اچھی طرح کرتے ہیں وہ قصہ در قصہ سفری داستان کو دلکش بنا کر پیش کرتے ہیں۔واقعات کا چناؤ اور ان کے بیان میں توازن ان کا خاصا ہے جو قاری کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مستنصر جہاں سفری واقعات کو خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں اور لفظوں کے ذریعے صفحۂ قرطاس پر تصویریں اتارتے ہیں وہاں وہ نہایت چابکدستی کے ساتھ انسانی زندگی کی تصویر کشی بھی مختصر الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں۔لکھتے ہیں:

''وہ دن عجیب دن تھے......

ہم ایک خاندان ہوتے ہوئے بھی اپنے اپنے خانوں اور خیالوں میں بٹ گئے شاید میمونہ کو وہ

تمام تر محرومیاں یاد آئیں جو مجھ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس کے نصیب میں آئیں......
سمیر......گھاس کے ایک تنکے اور اس پر اڑتے ایک باریک پتنگے کی جزیات میں کھو جانے والا تخلیقی بچہ......سلجوق......اپنی الگ کائنات میں......ایک گمشدہ روح جس کے بچپن کا بھولپن اور حیرت گم نہیں ہو سکتے تھے......عینی ان سب سے اپنی بات منوانے کی ایکسپرٹ......اکلوتی بیٹی ہونے کے ناتے سے آؤٹ ہونے کے باوجود ناٹ آؤٹ کا فیصلہ کروا لینے پر قادر......
اور میں......اپنے برسوں......اور بزدلیوں میں......ایک ناکام اداکار کی طرح یاسیت اور پژمردگی میں......ہم سب الگ الگ فیئری میڈو کے جنگل میں......جو اس زمانے میں ایک کنوارا اور قدیم جنگل تھا......ماضی کی شبیہیں اور شکلیں تلاش کرتے......
اس جنگل میں ایک ایسا درخت تھا جس کی چھال بھوج پتر کہلاتی ہے......ایک زمانے میں...... جب بدھ بھکشو چلاس کے نزدیک پتھروں پر نقش کھودتے تھے یہ بھوج پتر اظہار کی واحد علامت تھا......اس کے پرت کھلتے جاتے تھے ان پرتوں پر وہ سب کچھ رقم تھا جو ہماری خواہشیں اور محرومیاں تھیں......
سمیر اس درخت پر چڑھ کر نہایت نازکی سے اس کی چھال کے پرت کھولتا جاتا......اور انہیں اتنے غور سے دیکھتا جیسے اُن پر کچھ عبارتیں رقم ہوں'' ۴۵

انسان فطرتاً قصے کہانی کو پسند کرتا ہے۔ ایک ادیب قصے یا کہانی ہی کو موضوع بنا کر اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو منظر عام پر لاتا ہے، خوبصورت اور حسین اشیاء میں دلچسپی لینا انسان کی فطرت کا تقاضا ہوتا ہے اس لئے ادیب جب بھی کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو وہ حسن کی کارفرمائی کیلئے تخیل کی عینک پہن کر حقائق کو دلچسپ انداز سے پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اصناف نثر میں موجودات کو تخیل کے بل بوتے پر پر کشش بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ دیگر ادباء کی طرح مستنصر بھی کہانی بنانے اور قصے کو طول دے کر پیش کرنے میں اپنی ساری توانائی صرف کرتے ہیں۔ ان کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو تجسس کا عنصر ان کی کہانیوں میں جا بجا دکھائی دیتا ہے۔ وہ قصہ در قصہ تجسس پیدا کر کے قاری کو اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ ان کے سفرناموں میں قصوں اور کہانیوں کا بیان سفرنامے کو تقویت بخشتا نظر آتا ہے۔

کہانی پن مستنصر کے سفرناموں کی وہ خوبی ہے جس کا سارا محور انسان کے گرد ہی گھومتا رہتا ہے۔ اُن کے

سفرناموں کے قارئین کو قصے پڑھتے ہوئے کوئی پیچیدگی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ وہ انتہائی دلچسپ انداز میں ڈرامائی اور مکالماتی انداز میں کہانی بیان کرتے ہیں۔ وہ موقع کی مناسبت سے جس طرح کے حالات ہوں اسی طرح کے جذبات کہانی پر غالب کردیتے ہیں اور یوں جذبات کی مؤثر انداز میں عکاسی سفرنامے کے قاری کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ جیسے وہ خوبصورت ڈرامائی انداز میں لکھتے ہیں:

''پار جائیں گے......'' احد نے کہا

''کون جائیں گے؟'' میں نے کہا

''آپ جائیں گے''

''نہ...... ہم تو نہیں جائیں گے''

''میں جاؤں گا......'' زاہد نے سینے پر ہاتھ مارا اور انتہائی لاپروائی سے نالے میں قدم رکھا اور لڑکھڑایا...... اس کا چہرہ زرد ہو گیا اور وہ ہم سے بھی پیچھے ہو کر بولا۔

''ابھی تھوڑی دیر میں جاؤں گا''۔ ''میرا خیال ہے یہیں کیمپ کر لیتے ہیں......'' شاید نے صلاح دی۔

''ابھی پندرہ منٹ چلے ہیں اور ابھی کیمپ کر لیں گے...... ویسے یہ نالہ کل صبح بھی یہیں موجود ہو گا......'' نوید نے ہمت کی، واکنگ سٹک پر اپنی گرفت مضبوط کی اور پورٹر خوشحال کا مدد کیلئے بڑھا ہوا ہاتھ پکڑ کر نالے میں اتر گیا'' ۴۶؎

مستنصر چونکہ ایک ڈرامہ نگار بھی ہیں اس لئے وہ اپنی تحریروں میں لاشعوری طور پر ڈرامائی تکنیک کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کے بیشتر سفرناموں میں ڈرامائی تکنیک کا استعمال عروج پر دکھائی دیتا ہے جس کی وجہ سے قاری سفرنامہ پڑھتے ہوئے ڈرامے کا حظ بھی اٹھاتا ہے۔ وہ بڑے ٹھوس انداز میں کرداروں کے مکالمے درج کر کے سفرنامے کو دلچسپ بناتے ہیں جس سے کسی بھی خطے یا علاقے کی جیتی جاگتی تصویر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ مستنصر کا یہ انداز تحریر اور مکالموں کی روانی اور بے تکلفی کہانی میں جان ڈالتی ہے۔ انہیں مکالمہ نگاری کے فن پر مکمل عبور حاصل ہے۔ وہ پیش آنے والے واقعات کی عکاسی بڑی فنکاری کے ساتھ کرتے ہیں۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

''میں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا کر خوب پیار کیا''

''جیتے رہو بیٹے''

''لیکن کھانے کو کیا ہے؟''

''اس وقت کچھ بھی نہیں......سو جاؤ''

''اس نے بیگ کھول کر اس میں سے ایک لفافہ نکالا''۔ ''کیا آپ اس وقت مزید ارپنیر اور ڈبل روٹی کھانا پسند کریں گے؟''

''ضرور......لیکن سفر کے دوران تم نے......''

''ابو سفر کے دوران نکالتا تو ہمارے حصے میں کچھ نہ آتا...... بقیہ مسافروں کو صُلح مارے بغیر تو نہیں کھا سکتے تھے؟''

اس شاندار ڈنر کے بعد ہم نے کپڑے بدلے اور میں بستر پر لیٹ گیا لیکن سلجوق اِدھر اُدھر تانک جھانک کرتا رہا۔

''اب سو جاؤ''

''ابو سونے کو جی نہیں چاہتا''

''نیند تو مجھے بھی نہیں آرہی لیکن......''

''میرا خیال ہے میں ذرا نہالوں''

''نہاؤ گے؟''میں نے چونک کر کہا

فکر نہ کریں ابو باتھ روم میں انڈس کا پانی نہیں ہوگا''

اور وہ بیگ میں سے تولیہ نکال کر مسکراتا ہوا غسل خانے چلا گیا'' [۴۷]

علم نفسیات سے دلچسپی بھی مستنصر کی زندگی کے میدان میں شامل ہے۔وہ انسانی نفسیات کا مطالعہ عمیق انداز میں کرتے ہیں۔ ان کے سفرناموں میں انسان اور اس کی نفسیات سے آگاہی کی کیفیت غالب نظر آتی ہے۔وہ قارئین کو مکالموں کی وساطت سے انسانی نفسیات کی داخلی کیفیت اور خارجی عوامل سے آگاہ کرتے ہیں۔وہ کرداروں کے دلچسپ مکالموں کے ذریعے کہانی آگے بڑھاتے ہیں۔مصنف کردار نگاری میں اپنے قلم کا جادو چلاتے ہوئے مکمل طور پر کامیاب نظر آتے ہیں اور ان کے اس اسلوب کو سراہا بھی گیا ہے کیونکہ وہ محسوسات کو فنکارانہ اور دلچسپ انداز میں ڈرامائی انداز میں پیش کرتے ہیں جیسے:

''کرس اگر تم زیادہ خاموش رہے تو میں چار انگریز خواتین کے بارے میں بہت ہی نازیبا قسم کے لطیفے سناؤں گا''

کرس نے جواب نہیں دیا۔ ماتھے پر آئے بالوں کو ایک جھٹکے سے پیچھے کیا اور چپ رہا۔
''کرس ہم تمہاری شاعری سنیں گے''مطیع نے فرمائش کی۔
''نہیں'' کرس لڑکیوں کی طرح شرما گیا۔
''تمہیں اس سے بہتر سامعین تو مل سکتے ہیں اس سے زیادہ خوبصورت ماحول نہیں ملے گا سنادو''
''میرے پاس کتاب نہیں ہے''وہ ابھی شرما رہا تھا''لیکن میں کچھ پاکستانی شاعری سننا پسند کروں گا''۔
''چل بھئی مطیع شروع ہوجا''نظامی صاحب نے اس کے کندھے پر تھپکی دی ہمارا یہ شیر سکول کے مباحثے میں ہمیشہ اول آیا کرتا تھا اور اسے بڑا بڑا شعر یاد ہے......''
''بہت ہی دلچسپ'' کرس نے سر ہلایا''تو آپ لوگوں کو شعر پڑھنے کے لئے کتاب کی ضرورت نہیں پڑتی''
''چل بھئی اسے سناوہ والا...... کہ لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری''نظامی صاحب شاید دریا کی قربت کی وجہ سے موج میں تھے''۔ ۴۸

مکالماتی انداز ادیب کیلئے ایک ایسا ہتھیار ہوتا ہے جس کے ذریعے واقعات کو دلچسپ بنا کر پیش کرتا ہے۔ مستنصر اس تکنیک کا استعمال کر کے قاری کی آگاہی کے ساتھ ساتھ اس کا رشتہ مختلف کرداروں سے استوار کرتے ہیں۔مستنصر کے سفرناموں کا تکنیکی تجزیہ کیا جائے تو بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ مستنصر اپنے سفرناموں کو بیان کرتے ہوئے اظہار خیال کیلئے جو بہترین آلہ استعمال کرتے ہیں وہ ان کا مکالمہ ہے۔وہ موقع محل کے عین مطابق برجستہ اور بروقت مکالموں کا استعمال کر کے قارئین کے خیالات میں تبدیلی پیدا کر کے واقعات کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں۔ان کی تحریروں میں کردار کو بے حد اہمیت حاصل ہوتی ہے۔مستنصر کے کردار معاشرے کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔وہ کرداروں سے اس طرح کلام کرواتے ہیں کہ قاری کو بالکل محسوس ہی نہیں ہوتا کہ مستنصر کا قلم کسی دوسرے کردار کی زبانی حال بیان کر رہا ہے۔اُن کے سفرناموں میں طرح طرح کے کردار نمودار ہوتے ہیں۔ ہر ادنیٰ اور اعلیٰ سطح کا کردار مستنصر کے موضوع کا حصہ رہتا ہے۔وہ موقع محل کی مناسبت سے کرداروں کو یوں پیش کرتے ہیں کہ کہیں بھی قاری کو کسی بھی کردار کی کوئی حرکت یا گفتگو ناگوار نہیں گزرتی بلکہ قاری لحہ بہ لحہ کردار سے اپنا ناطہ مستحکم کرتا نظر آتا ہے اور کردار جس سطح کا بھی ہو قاری اسی سطح پر جا کر اس سے ہمدردانہ سلوک کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔یہ مستنصر کی تکنیک کا کمال ہے کہ وہ کرداروں کی زبانی معاشرتی پہلوؤں کو یوں سامنے لاتے ہیں کہ کہیں بھی کردار اور

معاشرے میں کوئی خلا نظر نہیں آتا لیکن ایک بات کا وہ خاص خیال رکھتے ہیں کہ ان کے کردار اپنی اوقات کے دائرے سے تجاوز نہیں کرتے مصنف بڑے حسین اور پر کشش انداز میں کرداروں کی زبان سے معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''صاحب، یہاں ایک میجر صاحب کا ڈیوٹی لگ گیا...... نیچے پنجاب سے آیا ہوا میجر صاحب...... اِدھر اوپر گشت کرتا تھا...... اور اوپر...... آپ دیکھو...... اوپر جہاں بہت برباد قسم کا جگہ ہے پتھروں میں اُدھر ایک چھوٹا قصبہ ہے...... دس بارہ چولہوں کا...... وہاں گشت کے دوران اس پنجابی میجر نے ادھر کی...... ایک عام گنواری لڑکی کو چشمے پر پانی بھرتے دیکھ لیا...... جیسا فلم میں ہوتا ہے اور جانے کیوں خدا جانے کیوں صاحب ہماری سمجھ سے باہر ہے وہ محبت میں پھنس گیا صاحب...... وہ روزانہ پانی بھرنے کے ٹیم اِدھر آتا تھا اور اسے دیکھتا تھا...... دیکھتا تھا اور چلا جاتا تھا...... پھر اس نے مردوں والا کام کیا۔ لڑکی کے باپ کو بولا ''ہم اس کے ساتھ شادی بنائے گا......'' اس کا باپ بھی ادھر کا ان پڑھ لوگ تھا وہ کہنے لگا ''کیسے بنائے گا''، آپ میجر صاحب ہو، بڑا افسر ہو، ہم ادھر کا کوہستانی لوگ ہے...... میجر نے بولا ''نہیں بنائے گا'' ادھر گاؤں والوں نے بولا کہ نہیں ہم یہ شادی نہیں بنانے دیں گے...... تو وہ میجر اپنے بڑے افسر کے پاس گیا کہ صاحب ہم اس لڑکی کے ساتھ قانون اور مذہب کے مطابق بیوی بنائے گا۔ آپ مدد کرو...... اور جب افسر نے لڑکی کے باپ سے بات کی تو وہ کہنے لگا ''نہیں، گاؤں والا نہیں مانے گا'' اور پھر بہت بات ہوا...... روزانہ بات ہوا تو گاؤں والا کے دماغ میں ایک تجویز آئی، وہ کہنے لگے ''ادھر نیچے سے شاہراہِ قراقرم سے ہمارے گاؤں تک کوئی سڑک نہیں...... ہم ادھر چڑھتے ہوئے گرتا ہے اور کئی مر جاتا ہے گدھا اور خچر بھی نہیں آسکتا...... میجر کو بولا کہ اگر اس کا عشق سچا والا ہے تو ادھر گاؤں تک روڈ بنا دے...... اور صاحب تین سال لگے...... اس میجر کو...... کسی کا مدد نہیں لیا...... خود دوستوں کے ساتھ مل کر...... اپنی پونجی لگا کر...... ادھار مانگ کر یہ سڑک بنا دیا اور گاؤں تک لڑکی کے گھر تک لے گیا......''

''واہ'' بقاء بولا۔

''ویل ڈن......'' یہ خالد ندیم تھا۔

بڑا نا مانیم عاشق تھا بھئی'......'' میاں صاحب بھی متاثر ہو چکے تھے۔''فرہاد نے نہر کھودی اور پتہ نہیں کھودی یا صرف قصے ہیں لیکن اس کی سڑک تو ہم نے دیکھ لی ہے......شاباش بھئی''۔ ۴۹؎

مستنصر سفر کی نوعیت اور معاشرے کی تصویر کاری کو صفحۂ قرطاس پر یوں مزین کرتے ہیں کہ قاری کے ذہن و دل کے دریچے کھل جاتے ہیں۔وہ جس ماحول، معاشرے، خطے یا سرزمین کی بات کرتے ہیں اُس کی مقامی و معاشرتی عادتیں واطوار بھی نمایاں کر کے بیان کرتے ہیں۔اس اندازِ تحریر کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ مستنصر کو ہر خطے کی مقامیت سے دلچسپی ہوتی ہے اور وہ اس کو بیان کرتے ہوئے قارئین کو ادھورے پن کا شکار نہیں کرتے۔وہ اتنی جزئیات نگاری سے کام لیتے ہیں کہ وہ جس کردار کو پیش کر رہے ہوتے ہیں اس کی شخصیت کو بھی اس کی حرکات و سکنات کے ذریعے صفحۂ قرطاس پر نقش کر دیتے ہیں۔ان کے کرداروں کی شگفتہ زبان،لطیف انداز اور رسا طبیعت سماجی قدروں کی علمبرداری کرتی نظر آتی ہے۔مستنصر اس تکنیک کو استعمال کرتے ہوئے اپنے خیالات کی حدت اور جذبے کی شدت کو بھی شامل کرتے ہیں اسی لئے کردار نگاری میں مستنصر خاصی مہارت رکھتے ہیں۔وہ کرداروں کے ذریعے ثقافتی ورثے کو متعارف کرواتے ہیں۔وہ کردار نگاری اسی مقصد کے تحت کرتے ہیں انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ جدید دور کا قاری جغرافیائی، سیاسی و سماجی معلومات جدید ذرائع سے فوراً معلوم کر سکتا ہے اس لئے مستنصر زبان و بیان کے زور اور عمدہ اسلوب کے بل بوتے پر ثقافتی ورثے کو بھی زیر بحث لاتے ہیں لیکن ان کا یہ انداز قاری کی بوریت کا سبب نہیں بنتا بلکہ قاری روحانی تسکین بھی حاصل کرتا ہے اور معلومات سے بھی اپنے آپ کو مالا مال کرتا ہے۔مستنصر خوبصورت انداز میں ہر واقعے کو اس کے جزو سے لے کر کل تک پوری کھوج کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔رقمطراز ہیں:

''راولپنڈی کی مال روڈ پر واقع سٹیٹ لائف کی عمارت کی تیسری منزل پر نعمان مرزا نے میز پر بکھری فائلوں اور پالیسی ہولڈرز کے حسابات سے سر اٹھایا اور ایک باریک سگار سلگا کر ایک گہرا کش لیا۔تمبا کو کی نشہ آور مہک اس کے مختصر بدن کے اردگرد پھیل گئی۔وہ بے حد اپ سیٹ تھا اور زندگی سے ایسے بے زار تھا جیسے کسی نوجوان کی پہلی دوست لڑکی اسے ملنے کا وعدہ کر کے وقت مقررہ پر نہیں پہنچتی اور اس بجھے بجھے انتظار میں اس کے بال بکھر جاتے ہیں اور کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں سوکھ جاتی ہیں......اور پھر بارش شروع ہو جاتی ہے اور اس کے پاس برساتی نہیں ہوتی......نعمان مرزا کی زندگی سے بیزاری بھی اس قسم کی تھی......اسے ایک ہسپانوی پارٹی کی جانب سے مالو

بتنگ چوٹی پر جانے والی مہم کا ممبر بننے کی آفر دی گئی تھی لیکن منیجر انٹرنل آڈٹ
ڈیپارٹمنٹ سٹیٹ لائف جناب بٹ صاحب نے اسے چھٹی دینے سے انکار کر دیا
تھا......وہ اپنا کام دیانتداری اور محنت سے کرتا تھا اور اس کے باوجود اس کی رخصت کی
درخواست پر ''ناٹ گرانٹڈ'' کے منحوس الفاظ لکھ دیئے گئے تھے......اس نے ایک اور کش
لگایا اور سوچا کہ......بس یہی سوچا کہ اگلے ماہ تو چھٹی مل جائے گی لیکن اگلے ماہ وہ کہاں
جائے گا...... مرزا نے کوہ پیمائی اور چٹانوں پر چڑھنے کے تکنیکی کورس کر رکھے تھے
پہاڑوں کے اندر جانے کیلئے اس کا سازو سامان مکمل تھا اور اس کے اندر آوارہ گردوں
کی بے چینی کروٹیں لیتی تھی......'' ؂۵۰

اندرون ممالک لکھے گئے سفرناموں میں مستنصر ایک سچے سیاح کے روپ میں بھی سامنے آتے ہیں کیونکہ وہ جس خطے میں بھی جاتے ہیں وطن سے محبت انہیں ہر شے کے قریب کھینچتی ہے۔ مقامیت اور شمالی علاقہ جات سے آ گاہی کی بدولت مستنصر کی محسوسات عروج پر ہوتی ہے اور یوں وہ اپنے جذبات کی روانی سے قدرت کے حسین مناظر کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک بے زار قاری بھی اپنے آپ کو اس سحر بیان سے آزاد نہیں کر سکتا اور حظ اٹھائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شمالی علاقہ جات کے سفرنامے مستنصر کے دیگر سفرناموں کی نسبت زیادہ کامیاب دکھائی دیتے ہیں کیونکہ یہ سفرنامے مقامیت کا رنگ لئے ہوتے ہیں اور ان سفرناموں کو ان علاقوں کے رہائشی پڑھ کر زیادہ لطف اٹھاتے ہیں۔ قاری کی ہم آہنگی کو سامنے رکھتے ہوئے خوبصورت انداز میں منظر نگاری کرتے ہوئے قارئین کو نت نئے تجربات سے آگاہ کرتے ہیں۔ وہ قدرت کے حسین مناظر کو اپنے تخیل کے بل بوتے پر نکھار کر پیش کرتے ہیں۔ اُن کے خیال میں الفاظ کے ذریعے جذبات دوسروں تک یا قارئین تک پہنچائے جا سکتے ہیں لیکن قدرت کے عظیم مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا الگ لطف ہے چنانچہ وہ اپنے حسین تجربات و محسوسات کو یوں بیان کرتے ہیں:

''ترشنگ ایک مجبوری ہے......ترشنگ ایک اور فتوری ہے جہاں پہنچ کر جب میں
جیپ سے باہر نکلا ہوں تو منہ اٹھا کر جب دیکھتا ہوں تو دیکھتا چلا جاتا ہوں...... یہاں
آپ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ گر فردوس بر روئے زمین است...... کیونکہ یہ تو فردوس بر
روئے زمین است و زمین است و زمین است......
نانگا پربت کی چوٹیوں کی سفید اور آسمان تک کی دیواریں اور ان میں گھرا ہوا ایک
وسیع سبزہ زار جس میں کھیت ہیں اور پھول ہیں اور چشمے ہیں، چند مکان ہیں ان کے

مکین ہیں اور کھیتوں میں ابھی جَو کی فصل تیار نہیں ہوئی اور کھیتوں میں جَو کے خوشے کم
ہیں اور ہزاروں رنگ کے پھول زیادہ ہیں...... یہ برفیلی سفید دیواریں اتنی بلند ہیں اور
اتنی قریب ہیں کہ آپ ان کی تصویر نہیں اتار سکتے ہیں ......اور بلندی کی شفاف ہوا ہے
جو آپ کی قمیض اور بنیان کے پیچھے جا کر آپ کے ماس پر سرد بوسہ دیتی ہیں۔ آپ کا
بدن تھرتھراتا ہے اور اسے مزید اور مسلسل بوسوں کی خواہش رہتی ہے اور یہ خواہش پوری
ہوتی جاتی ہے...... ترشنگ کو میں بیان نہیں کر سکتا...... انگریزی محاورے کے مطابق
دیکھنا یقین کرنا ہے لیکن اسے دیکھ کر ہی یقین آتا ہے کہ وہ کیا ہے...... میں ترشنگ کو
اس لئے مجبوری کہتا ہوں کہ اسے آپ کے سامنے زندہ کرنا میرے بس سے باہر ہے
اور یوں بھی اگر قدرت کے تمام عظیم منظر کتابوں میں اور لفظوں میں زندہ ہو سکتے تو مجھ
ایسے آوارہ گرد اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ان تک کیوں جاتے، اپنی سٹڈی کی
خلوت میں بیٹھ کر ان کے بارے میں کتابوں میں کیوں نہ پڑھ لیتے......اور ترشنگ
ایک بلند سطح کا علاقہ ہے......اور اس بلند سطح کے باوجود آس پاس کے پہاڑ اس پر جھکے
ہوئے ہیں شاید اسے پاکستان کا حسین ترین قصبہ کہنا چاہئے''۔ [51]

مستنصر کے سفرنامے ہر قسم کی قید سے آزاد ہیں وہ زمانے کی گرفت سے دور بے پر جذبے کی طرح بے تکان
پرواز کرتے ہوئے اپنے قاری کو وافر مقدار میں آکسیجن کی ترسیل کرتے ہیں۔ اُن کے سفرنامے تسکین حیات فراہم
کرتے ہیں۔ انہوں نے کسی حرص یا لالچ کی خاطر سفرنامے تحریر نہیں کئے ہیں بلکہ اُن کے سفرنامے انسانی زندگی اور
کائنات کی بصیرت اور آگہی کا خوبصورت اظہار ہیں۔ نقطے سے نقطہ پیدا کر کے سفرنامے کا لطف بڑھاتے ہیں۔ وہ
اپنے پرکشش اسلوبِ بیان سے قارئین کی بڑی تعداد کو محظوظ کرتے ہیں۔

''اور اب نیشنل لائبریری کے وسیع ٹیرس...... پر جب وہ ایک منڈیر پر بیٹھا تھا اور میں
فرش پر براجمان اس کے سرخ و سپید اسی برس کی محبتوں والے چہرے کو دیکھتا تھا تو میں
اس سے یہی پوچھتا تھا کہ رسول مجھے یہ بتاؤ کہ محبت کیا ہے......اور اس نے سر اٹھا کر کہا
تھا ''محبت''......وہ ہے جو تمہاری جانب آ رہی ہے......'' میں نے ادھر دیکھا اور وہاں
کچھ بھی نہ تھا...... بے روح دھوپ تھی، چائے کی میزوں کے گرد بے روح ادیب
تھے......وہاں کچھ بھی نہ تھا...... میں نے رسول کی طرف دیکھا...... کہیں وہ مجھ سے

شرارت تو نہیں کر رہا، اس کا سفید چہرہ مسکراہٹ میں ایسے کھلتا تھا کہ عمر کی جھریاں
پنکھڑیوں کی طرح واضح ہوتی تھیں......
تم اگر تنہا ہو...... اکیلی ہو...... اور کوئی بھی تمہاری محبت میں مبتلا نہیں...... تو یقین کر
لینا...... کہیں بلند پہاڑوں میں......' اگر وہ میری جانب آتی تو قیاس ہے کہ عرش منور پر
بانگیں ملتیں اور میں انہیں تخت لہور میں بیٹھے سن لیتا......
''وہاں کچھ بھی نہیں رسول......'' '' ہے...... اگر تم دیکھنا چاہو تو......''
وہاں کچھ ہوتا تو عشق کے مارے ایسے پھرتے جیسے جنگل میں ڈھور...... وادیٔ چپلو میں
دریائے شیوک کے رواں پانیوں میں اس شبِ ماہتاب میں جہاں ہر سائے تلے عکس
جھلکتا تھا...... جو کسی اور کو نظر نہیں آتا صرف میری آنکھیں اسے دیکھتی ہیں یا تخلیق کرتی
ہیں...... شاید ایسے ہی رسول وہ کچھ دیکھنے پر قادر ہے جو مجھے نظر نہیں آ سکتا......'' ۵۲

ایک سفر نامہ نگار کی حیثیت سے مستنصر اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے جس خطے یا علاقے میں جاتے ہیں وہ اس ماحول اور معاشرے میں ایسے سما جاتے ہیں کہ یوں لگتا ہے اُن کی تحریروں میں کرداروں کی زبان سے وہاں کی معاشرت کو دوبالا کیا جا رہا ہے۔ مقامیت کا اثر ان کے سفر ناموں میں جا بجا نظر آتا ہے۔ کرداروں کی زبان اُن کے قلم سے یوں ٹپکتی ہے کہ شائبہ تک نہیں ہوتا کہ مستنصر یہ جملے اس ماحول و معاشرے کو مدِنظر رکھ کر خود تخلیق کرتے ہیں جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

''ہمیں دیکھ کر اس کی منگول آنکھیں سمٹ گئیں، وہ رک گیا ''ہیلو باس! آپ کہاں گھوم
رہا ہے؟''
باس نے اسے بتایا کہ کہاں گھوم رہا ہے اور آزردہ بھی ہوا کہ ان بانکے میاں نے اسے
کسی نہ کسی حوالے سے پہچان لیا ہے اور اب خواہ مخواہ راستہ کھوٹا کریں گے اور ظاہر ہے
بور کریں گے...... بانکے ہمیشہ بور کرتے ہیں۔
''باس یہ بچہ آپ کا ہے''؟ اس نے سلجوق کی طرف دیکھا۔
''ہاں باس'' میں نے جواب دیا۔'' آپ کہاں سے آئے ہیں''؟
میں اُدھر کراچی میں ہوتا ہوں۔ آپ کا ڈرامہ دیکھا ہے ٹی وی پر...... ایک دم فسٹ
کلاس باس''

یعنی موصوف کراچی کے تھے اور ہنزہ میں ململ کا کرتہ پہنے گھوم رہے تھے۔

حد ہے!

آپ شاید کہیں جا رہے تھے؟ میں نے پیچھا چھڑانے کی غرض سے کہا۔

''ہاں باس ادھر اوپر جا رہا تھا قلعہ دیکھنے..... ہم نے سوچا کہ اتنے لوگ آتا ہے یورپ سے اسے دیکھنے تو ہم بھی دیکھیں کہ وہ سالا کیا دیکھنے آتا ہے''۔ ۵۳

مستنصر اپنے سفرناموں میں انسانی فطرت اور نفسیات کی گرہیں بڑے پرلطف انداز میں کھولتے ہیں۔وہ اپنی ذات کو موضوع بنا کر اپنے مخصوص طرز نگارش کے ذریعے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرتے ہیں۔وہ دھیرے دھیرے موضوع کو بڑھاتے ہوئے قاری کی ہمدردی حاصل کر کے اسے اپنا ہمنوا بنا لیتے ہیں۔وہ شعوری سطح پر جا کر کرداروں کو اتنا دلچسپ بنا کر پیش کرتے ہیں کہ ان کے اُسلوب کی پہچان اور لہجے کی شگفتگی اُبھر کر سامنے آنے لگتی ہے۔وہ کرداروں کی زبانی قارئین کو بصیرت اور آگہی بخشتے ہوئے قارئین کو بھی گاڑی کی طرح سوچ کی ایک پٹڑی سے اتر کر دوسری پر جانے کو مجبور کر دیتے ہیں۔مستنصر کے سفرنامے رنگارنگ کرداروں کی شخصیت کا عکس جمیل ہیں جو ان کی طبیعت کی دلآویزی اور شگفتہ مزاجی کی جھلکیاں بھی دکھاتے ہیں اور معاشرے کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔مستنصر کے کرداروں کا تعلق کسی ماورائی دنیا سے نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے ہی معاشرے کی زندہ مثالیں ہوتے ہیں۔وہ اپنے سفرناموں کے شگفتہ اسلوب کے ذریعے کرداروں کے مزاج کو ایسے پیش کرتے ہیں کہ قاری کیلئے اخلاقیات کی گتھیاں سلجھتی ہوئی نظر آنے لگتی ہیں ان کے اس حوالے کی مثال یوں ہے۔ رقمطراز ہیں:

''ایک مکان کے برآمدے میں دو بوڑھے رسے بُن رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائے اور میں رک گیا۔وہ اردو بہت کم سمجھتے تھے۔

''آپ اوپر جھیل جاتا صاحب......'' ان میں ایک جو بالکل بے دانت تھا پوپلے منہ سے سوال کرتا تھا۔

''اوپر بھی جھیل ہے؟''

''ہاں......'' دوسرے نے سر ہلایا چھوٹا کچورا اوپر......''

''اور ادھر سے دیوسائی کو بھی راستہ جاتا ہے؟''

''ہاں......دیوسائی بہت سردی......برف......ریچھ......آپ جاتا؟''

''ہاں...... میں اور یہ......'' میں نے نظامی اور مطیع کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''میرا دوست جاتا''

وہ دونوں ہنسنے لگے اور نظامی کو دیکھ دیکھ کر ہنسنے لگے ''یہ نہیں جاتا یہ......انہوں نے بازو پھیلا کر بتایا کہ یہ بہت موٹا ہے''۔ ۵۴؎

مستنصر نے ادب کے ہر موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے انہوں نے سفرنامے تحریر کرتے ہوئے ادب کی روایت کا خاص خیال رکھا ہے۔انہوں نے زبان و بیان اور اسلوب کے ذریعے جزئیات نگاری کو شگفتگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مجموعی طور پر اگر ان کے سفرناموں کا اسلوبیاتی مطالعہ کیا جائے تو یہ فرق واضح نظر آتا ہے کہ مستنصر نے عمدہ اسلوب میں سفرنامے بیان کئے گئے ہیں۔اُن کے سفرناموں میں اسلوب کی سادگی، روانی اور حقیقت نگاری جیسی خوبیوں کے ساتھ سفری واقعات مزین کئے گئے ہیں۔وہ اپنے سفری بیانات کو دلکش بنا کر پیش کرنے کیلئے تکنیک کے مختلف انداز کی جھلکیاں بھی نمایاں کرکے پیش کرتے ہیں ان کے سفرنامے کا قاری بیک وقت مختلف اصنافِ نثر سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے۔وہ اتنے خوبصورت اور سلجھے ہوئے انداز میں اپنے سفرناموں میں دیگر اصناف نثر کی تکنیک کا استعمال کرتے ہیں کہ سفرنامے کی جاذبیت اور روانی کو ٹھیس نہیں پہنچتی۔جدید دور کے سفرناموں کو اگر دیکھا جائے تو مستنصر کے سفرنامے اسلوب و تکنیک کے حوالے سے نمایاں نظر آتے ہیں کیونکہ وہ رنگارنگ تکنیکوں کا استعمال کرکے قاری کو ہمزاد بنا لیتے ہیں۔ان کے اس اندازِ تحریر میں کامیابی کی خاص وجہ ہے کہ مستنصر نے بے شمار اصنافِ نثر پر طبع آزمائی کی ہے جس کی وجہ سے لاشعوری طور پر بھی وہ سفرنامے کو تکنیک کے تجربات سے نوازتے نظر آتے ہیں اس تکنیک کی وجہ سے انہوں نے معلومات اور مشاہدات و تجربات کی فراہمی دلچسپ انداز سے کی ہے۔مختلف اصناف کی تکنیک کے استعمال سے مستنصر معلومات میں باریک بینی اور جزئیات کی فراوانی کو برق رفتار قلم سے ایک خاص اور سلجھے ہوئے انداز سے یوں بیان کرتے ہیں کہ قارئین سفرنامہ پڑھتے ہوئے بے شمار اصناف کا لطف بھی اٹھاتا رہتا ہے اور یوں قاری مصنف کے سفر کو اپنی زندگی کا سفر گردانتے ہوئے مثبت و منفی رویوں سے دوچار ہوتا ہے۔رقمطراز ہیں:

''دراصل شندور بٹ کا یہ رکھوالا بینظیر۔ضیاء الحق اور شہزادی ڈیانا کے بعد ہم سے متاثر ہونے سے انکاری تھا اور اسے ہم سر و کرتے ہوئے سبکی سی محسوس ہو رہی تھی...... بلکہ ہم اس کے لئے وہ شودر تھے جو چوری چھپے سومنات کے مندر میں داخل ہو گئے تھے اور ہم نے اس پوتر عبادت گاہ کو ناپاک کر دیا تھا......اس نے منسٹر کی بکنگ کی وجہ سے ہمیں

> قبول تو کر لیا تھا لیکن اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا کہ مجھ پر یہ دن بھی آنے تھے کہ میں بینظیر اور ڈیانا کے بعد ان معمولی انسانوں کے سامنے کورنش بجا لاؤں......اس نے جو تھوڑی بہت تعظیم ہمیں دی یعنی بولنے کا روادار ہوا تو صرف اس لئے کہ غازی نے اسے بتایا تھا کہ ہم ایک جنرل صاحب کے مہمان بھی ہیں......'' ۵۵

ادب چونکہ ایک تہذیبی قدر ہے اور ادیبوں نے اس قدر کو نثری اصناف میں پیش کر کے عوام و خواص کیلئے آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ مستنصر بھی دیگر اصناف کی طرح سفرنامے کے میدان کی آبیاری کرتے ہوئے تہذیب و ثقافت کو صفحات میں محفوظ کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے سفرنامے زبان و بیان کا ایک منفرد انداز پیش کرتے ہیں کیونکہ مستنصر نے اپنے سفرناموں میں تکنیک کے تجربات کو بخوبی برتا ہے اس لئے وہ جب بھی اپنے کسی سفر کا قصہ بیان کرتے ہیں یا واقعہ رقم کر رہے ہوتے ہیں تو انہیں کوئی دقت پیش نہیں آتی وہ بلا جھجک اپنے جذبات و احساسات کو واقعات کے روپ میں پیش کر دیتے ہیں کیونکہ وہ قلم کے استعمال سے آشنا ہیں اور ان کے قلم کی روانی قارئین کی نفسیات کے عین مطابق ہوتی ہے۔ مستنصر اپنے سفرناموں میں کسی ایک تکنیک کا استعمال نہیں کرتے کبھی ان کے سفرنامے ناول کی تکنیک کی صورت میں سامنے آتے ہیں کبھی ڈرامے اور کبھی افسانے کی لیکن افسانوی رنگ غالب آنے کی وجہ سے زیادہ دلچسپ بن جاتے ہیں سفرنامے کے لوازمات کا بھی مستنصر خاص خیال رکھتے ہیں۔ ان کے سفرناموں کے بیانیہ انداز نے سفرنامے کے قاری کو بے شمار معلومات سے مالا مال کیا ہے۔ انہوں نے اپنے سفرناموں میں بیانیہ انداز میں جا بجا اپنی شخصیت، تہذیب و تمدن اور ثقافت کو رواں دواں تبصرے سے نمایاں کرتے ہیں جو اُن کے وسیع مطالعے اور قوی مشاہدے کی غمازی کرتے ہوئے ان کی آنکھوں میں پائے جانے والے کیمرے کی تاثیر کو قاری سامنے رکھتا ہے۔ مستنصر سے کسی خطے، علاقے یا معاشرے کا کوئی پہلو پوشیدہ نہیں رہتا بڑے خوبصورت اور دلکش انداز میں نہ صرف مناظر و مقامات کی تصویر کشی کرتے ہیں بلکہ وہ عوامی زبان کو بھی کرداروں کے ذریعے یوں بیان کرتے ہیں کہ اُن کی تحریر ہر عام و خاص کیلئے خاص ہو جاتی ہے۔ زبان چونکہ رابطے بڑھانے کا ذریعہ ہے یوں مستنصر علاقائی زبانوں کو بھی اپنے سفرناموں میں زندہ کر کے رابطے بڑھاتے ہیں۔

مستنصر کے سفرناموں کی کامیابی کی وجہ ان کے بہترین اُسلوب کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ وہ واقعات کے بیان کے ساتھ ساتھ کرداروں کا انتخاب بھی بہترین طریقے سے کرتے ہیں۔ وہ معمولی معمولی کرداروں کی خصوصیات کا اطلاق بھی عمدہ انداز میں پیش کرتے ہیں اُن کا سفر انفرادی نفسی مطالعوں سے اجتماعی نفسیاتی مطالعوں تک نہایت سلیقے اور فنی چابکدستی سے قارئین پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ان کا مخصوص رومانوی انداز انہیں تشبیہات،

استعارات، رمز و کنائے اور محاورات استعمال کروا کے اُن کے شعور اور الفاظ میں معنی آفرینی پیدا کر کے انسانی نفسیات کو اُجاگر کرتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> مرزا صاحب نے موٹل کے لان میں چندان پیکڈ قسم کی ٹانگیں پھیلائے دھوپ سینکتے ملاحظہ کیا تو نہ صرف ان کی باچھیں کھل گئیں بلکہ جانے کیا کیا کھل گیا...... انہوں نے فوراً دوبارہ شیو کی ایک سگار سلگایا اور رزدیک ترین میم کے ساتھ دھڑا دھڑ انگریزی بولنی شروع کر دی...... میم ہکا بکا رہ گئی اور سر ہلانے لگی کہ میں نہیں سمجھ سکی۔ ''کمال کی میم ہے انگریزی نہیں سمجھتی......'' مرزا صاحب بولے۔ ''میرا خیال ہے میم جرمن ہے......'' شاہد صاحب نے اطلاع دی اور شاہد صاحب کے ٹو موٹل میں داخل ہوتے ہیں وہاں مقیم نسوانی آبادی کا مکمل بائیوڈیٹا حاصل کر چکے تھے...... یہ نہیں کہ انہیں خواتین میں دلچسپی تھی بلکہ یونہی...... برسبیل ٹھرک!'' ۵۶

مستنصر اپنے سفرناموں کو جہاں دلکش پیرائے میں عمدہ تکنیک کا سہارا لے کر بیان کرتے ہیں وہاں وہ قاری کو کہیں بھی بور نہیں ہونے دیتے بلکہ زبان کی مٹھاس سے خوب استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ اندرون ملک لکھے گئے سفر میں مستنصر اپنی علاقائی زبان کے الفاظ بھی خوب استعمال کرتے ہیں انہیں مادری زبان سے خود بھی محبت ہے اور وہ قارئین کو بھی اپنی مادری زبان کی قدر کرنے پر اُکساتے ہیں، اپنے سفرناموں میں جا بجا پنجابی الفاظ کا استعمال اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں جیسے وہ تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''یہ تھوڑی سی دیسی شکر ہے سر...... گرم گرم سویوں پر ڈالیں گے اور یہ پگھلے گی تو سرجی سواد آ جائے گا......'' ۵۷

اسی طرح ''ہنزہ داستان'' میں پنجابی الفاظ کا استعمال بڑے پرکشش انداز میں کرتے ہیں:

> یہ اچھا ہوٹل ہے چوہدری صاحب، نہ کوئی آوے نہ کوئی جاوے...... سارا دن برآمدے میں بیٹھ اور نظارے لو، چائے پیو پر جی کھان پین کا بہت برا حال ہے...... نہ مرغی عام ہے اور نہ گوشت...... بندہ بھوکا مر جاتا ہے۔ ساگ اور آلو کھا کھا کے......'' ۵۸

مستنصر کے اندرونِ ملک شمالی علاقہ جات کے سفرنامے پڑھ کر اُن کے ذوق وشوق، وطن سے محبت اور تخیل کی پرواز کو داد دینے کا جی چاہتا ہے۔ وہ ایک پلک جھپکنے میں قارئین کو تاریخ، ماضی اور حال کا نظارہ کرا دیتے ہیں۔ اُن

کے اسلوبِ نگارش کا لطیف پہلو یہ ہے کہ وہ قاری کے ذہن کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور یوں قاری اُن کی آنکھوں سے سارے مناظر دیکھنے لگتا ہے۔

وہ اپنے مخصوص انداز سے کرداروں کو انتہائی دلچسپ بنا کر یوں پیش کرتے ہیں کہ وہ ان کا مقام ومرتبہ قاری کے دل میں بنا لیتے ہیں۔ مستنصر سفرنامے کو دلچسپ بنانے کیلئے کرداروں کی پوشیدہ صلاحیتوں، خوبیوں اور معصومیت کو حقیقت کے روپ میں رنگ کر سامنے لاتے ہیں۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

> وہ جیپ کا سٹیئرنگ چھوڑ کر باہر آ گیا اور سیلوٹ کی حالت میں منجمد ہو گیا۔ میں نے عرض کیا تھا ناں کہ اسلم کے چہرے پر کچھ بھی بیان کرنے کے قابل نہ تھا...... گندمی رنگ، ہلکی مونچھیں، سیدھے بال...... اکڑی ہوئی وردی اور لشکتے فل بوٹ...... اسے بھی میں نے ''ایٹ ایز یار'' کی درخواست گزار کر نارمل کیا۔
>
> ''اسلم...... آپ اس سے پیشتر شندور اوڑ پر چترال تک جیپ لے کر نہیں گئے؟''
>
> نہیں...... نہیں، سر...... میں نے تو تو...... چند روز پہلے...... یہ شن شن دور کا نام سنا ہے۔
>
> سر...... نہیں گیا'' نہ وہ شندور روڈ پر گیا اور پھر ستم بالا کے ستم ہکلا کے بات کرتا تھا......
>
> ''تو پھر کیسے جاؤ گے؟''
>
> ''صاحب...... ڈ...... ڈرائیور تو...... ڈ...... ڈرائیور ہوتا ہے...... میں ڈرائیور ہوں...... روڈ ہو ہو گا...... تو چلا جاؤں گا......''
>
> ''میرے ساتھ میرا بال بچہ ہے اسلم......''
>
> میرا بھی ب بال بچہ ہے سر...... گ گراں میں...... ویسا خیال رکھوں رکھوں گا...... سر سر میں...... مک مکینک بھی ہو''
>
> کوپس پہنچتے پہنچتے ہم جان گئے کہ غازی باتوں کا دھنی ہے اور اسلم جیپ چلانے کا...... اور اس نے درست کہا تھا کہ انسان ڈرائیور ہو اور روڈ ہو تو بے شک ان دیکھی ہو تو وہ چلائے گا...... اسلم یقیناً ڈرائیور تھا...... اور غازی، گفتار کا غازی'' 59

مستنصر کے سفرنامے اُسلوب، رومانویت اور تکنیک کا حسین امتزاج ہیں۔ انہوں نے شمالی علاقہ جات کے سفرناموں میں سفرنامے کے حسین اُسلوب کی بلندیوں کو چھوا ہے۔ یہ سفرنامے مستنصر کی پہچان بنے ہوئے ہیں کیونکہ مستنصر اپنے وطن اور اس کے پتھروں و پہاڑوں سے محبت کرتے ہیں اور یوں وہ اپنی اس محبت کو قارئین کی بڑی

تعداد میں بانٹتے ہیں۔

اندرونِ ملک پر لکھے گئے مستنصر کے سفرنامے زندگی کی عکاسی خوبصورت الفاظ اور سچے جذبات کے ساتھ کرتے ہیں۔ان سفرناموں کے بیان میں مستنصر اس لئے کامیاب نظر آتے ہیں کہ وہ اپنے ملک اور اُس کی تہذیب وثقافت کو گہرائی سے بیان کرتے ہیں اور یوں ان کے اُسلوب کی چاشنی اور دلفریبی قارئین کو اپنی گرفت میں لے کر ادب سفرنامے کی تاریخ میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کے اندرونِ ملک شمالی علاقہ جات کے سفرناموں میں جنس نگاری کا رجحان

جنس نگاری اردو ادب کا اہم ترین موضوع رہا ہے اسی طرح اردو سفرنامے بھی جنسی موضوعات کی حیثیت سے انفرادیت کے حامل ہیں۔سفرناموں میں جنسی موضوعات کے ذریعے معاشروں کی اصل تصویر دکھائی جاتی ہے۔ انگریزی زبان میں ''جنس'' کیلئے ''Sex'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو وسیع تر مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ Webster's Dictionary میں ''Sex'' کو یوں بیان کیا گیا ہے:

"The Character of being male or female all the attributes by which males and females are distinguished any thing connected with sexual gratification or preduction or the urge for these esp, the attraction of those of one sex for those of other" (60)

اردو زبان میں ''جنس'' سے مراد ذات قماش، صنف اور نوع ہے۔ اگر سماجی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو جنسی تعلق دراصل ایک سماجی تعلق ہے جو حیاتیاتی جنسی ضرورتوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اردو ادب میں جنس نگاری کا رجحان ابتداء ہی سے دکھائی دیتا ہے اسی طرح مستنصر کے سفرناموں میں جنس نگاری کا رجحان کہیں دبا ہوا اور کہیں صراحت کے ساتھ نظر آتا ہے۔ مستنصر کے سفرنامے قاری کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ وہ جہاں بھی جاتے ہیں وہاں کی تہذیب و ثقافت کا نظارہ کر کے جنس نگاری کا سہارا لیتے ہیں اور اپنے اندر اٹھنے والے جذبات اور خیالات کو بلاخوف بیان کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سفرنامے قاری کو محظوظ کرتے ہوئے روز بروز قارئین کی تعداد میں اضافہ کر رہے ہیں۔ مستنصر کی تحریروں میں جنس نگاری کے حقیقی اور تہذیبی نمونے جابجا ملتے ہیں جیسا کہ وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''چنگیزی صاحب یہ جو اسکولے کے راستے میں مشہور زمانہ گرم چشمے ہیں۔ یہ کس مقام پر ہیں ہم نے سنا ہے کہ جونہی کوئی غیر ملکی کوہ پیما ٹیم ان کے قریب پہنچتی ہے تو یہ واہیات لوگ اور ان میں خواتین پیش پیش ہوتی ہیں۔ اپنے تمام کپڑے اتار کر قدرتی حالت میں ان میں ڈبکیاں لگانے لگتے ہیں'' یہ سوال عامر نے پوچھا تھا۔

''اچھا......'' ڈاکٹر عمر جو آنکھیں بند کر کے دھوپ کے مزے لے رہے تھے یکدم بیدار ہو گئے...... ''ویری انٹرسٹنگ...... طبی نکتہ نگاہ سے نیوڈ میں نہانا صحت کیلئے مفید ہوتا ہے''۔

خالد صاحب کو بھی پسینہ آ گیا اور وہ ذرا شرما شرما کر پوچھنے لگے...... ''تو چنگیزی صاحب بالکل ننگے ہو جاتے ہیں یہ کافر کے بچے......''

''جی جناب''...... چنگیزی مسکرائے...... ''ہاں تو چنگیزی صاحب یہ جو گرم چشمے ہیں تو یہ...... کیا ہم بھی ان میں نہا سکتے ہیں۔ ہم تو خیر جانگئے پہن کر نہائیں گے اور اگر وہ میمیں بھی نہا رہی ہوئیں تو ہم اُن کی طرف دیکھیں گے ہی نہیں''......

> شاہد صاحب رک رک کر کہہ رہے تھے۔ "ہاں بالکل نہیں دیکھیں گے شاہد بھائی جان، گناہ ہوتا ہے......" مرزا صاحب نے اپنے باریک سگار کا کش لگایا اور کھانسنے لگے"...... ۶۱

مستنصر دبی دبی خواہشات کو کھلتے انداز میں بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی معاشرے کی عریانیوں کو زیرِ موضوع لاتے ہوئے تہذیب و تمدن کو بھی پیش کر دیتے ہیں۔ وہ کرداروں کے ذریعے عام انسان کی ذہنی اور جسمانی ضروریات اور آرزوؤں کا ذکر کر کے رومانوی اور جنسی مناظر کو خوبصورتی کے ساتھ بیان کرتے ہیں وہ حقیقت نگاری کیلئے جنس کا سہارا لے کر انسان کا اصلی روپ سامنے لاتے ہیں۔ مستنصر اندرونِ ملک کے سفرناموں میں جنس کا ذکر اپنے مخصوص انداز میں کرتے ہیں۔ وہ انسانی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے زندگی کو آسودہ حال شخص کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ واقعات کو بیانیہ انداز میں دلچسپ بنا کر تحریر کرتے ہیں کہ قارئین اُن کے سفرنامے پڑھ کر محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مستنصر نے انسان کی جنسی جبلّت کو قلم کی روانی کے سپرد کیا ہے چنانچہ "ہنزہ داستان" میں تحریر کرتے ہیں کہ:

> "اگر میں اُس تصویر کو دیکھوں تو وہ مجھے صرف ایک عام سی لڑکی دکھائی دے لیکن ان دنوں اس ویران پہاڑی سلسلے کے درمیان جہاں ڈھلوانوں پر سر دلیوں کے بو سے ہوا تھی۔ کاغذ پر چھپی اس رنگین تصویر نے ہم سب کو قید کر لیا، ہمارے دلوں کو کھینچا کہ آؤ میرے پاس آؤ میں دنیا کی خوبصورت ترین لڑکی ہوں، کیا تم نے مجھ جیسی کوئی دیکھی۔ اور ہم سب اسے دیکھ کر ابنارمل ہو گئے اور ہماری شریانوں میں دوڑتا تمام خون ہمارے چہروں میں سے پھوٹنے لگا۔ ہمارے ہونٹ کپکپائے، حلق خشک ہوئے اور شاید ہمیں بخار بھی ہو گیا۔ میں صرف اس لڑکی کو دیکھنے ہنزہ جا رہا ہوں اس نے تصویر پر جھکے ہمارے سروں کو پرے کیا اور میگزین اٹھا کر پھر سے جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا" ۶۲

مستنصر کے سفرناموں میں جنس کی اس فعال قوت کے دو اندازِ بیان ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک ان کا وہ اندازِ بیان ہے جو بھرپور جذبات کی روانی اور جوانی کے ساتھ ان کے بیرون ممالک کے سفرناموں میں دکھائی دیتا ہے جس میں مغرب کی تہذیب کی چمک دمک اور روشن خیالی عیاں ہے اور آخر الذکر وہ طرزِ تحریر جس میں مستنصر کا تصورِ جنس سلجھے ہوئے انداز میں رومانیت کی رنگارنگ سیڑھیاں طے کرتا ہے۔ مستنصر نے اندرون ملک نگر نگر اور بستی بستی گھوم کر فطرتِ انسان کے گہرے مطالعے اور حیات معاشرتی کے باریک مشاہدے کا بیان لطافتوں سے معمور انداز میں کیا ہے۔ وہ جہاں بھی جاتے ہیں گوشت پوست کے انسانوں کی محبتیں، نفرتیں اور انسانی زندگی سے حد تک قریب ہو

جاتے ہیں۔ان کا رومانی مزاج معاشرے میں حسن و جمال کا متلاشی نظر آتا ہے اور اُن کی یہ کاوش ان کے سفرناموں کے قارئین کے ذہن پر لطیف اور خوشگوار اثرات چھوڑتی ہے۔مستنصر تہذیب کو مدنظر رکھتے ہوئے تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے فطرت کے جھکاؤ کو اپنے جذبات کا آئینہ دار بناتے ہیں۔مستنصر کے سفرناموں میں جنس نگاری کا رجحان اُن کے تخیل اور جذبات کی آماجگاہ نظر آتا ہے لیکن اندرونِ ملک شمالی علاقہ جات کے سفرنامے تحریر کرتے ہوئے مصنف اپنے جذبات کو کبھی بے مہار نہیں ہونے دیتے وہ اپنے اس رویئے کو برقرار رکھتے ہوئے انسانی زندگی کی عسرت و مسرت کو نشاط انگیز کیفیات سے اپنی تحریروں کا موضوع بناتے ہیں جو انسان کی ذہنی ترنگ اور فطری تسکین کا جزو لاینفک ہے۔مستنصر کا یہی سحر انگیز اندازِ تحریر قارئین پر اُن کی تحریروں کی کیفیت طاری کرتا ہے کہ ان کا سفرنامہ پڑھتے ہوئے قاری پر دنیا کی حقیقتیں تحلیل ہونے لگتی ہیں۔جیسا کہ مستنصر رقمطراز ہیں:

جان جی ......کے لبوں پر جو مسکراہٹ آئی، وہ شیخ جی کی ان فیکٹریوں کی وجہ سے تھی جن کے گھمنڈ میں......انہوں نے ماہانہ بنیاد پر خان جی کو ہائر کیا تھا......لیکن اس مسکراہٹ میں سے بے بسی اور بے چارگی بار بار جھلکتی تھی...... جان جی کی بھی آنکھیں اور خوبصورت آنکھیں تھیں اور وہ بھی دیکھ سکتی تھیں کہ شیخ جی میں دیکھنے کو کچھ نہیں، اس کے باوجود تن تندور بھرنے کیلئے روٹی تو کسی طور کما کھائے مچھندر......تندور یہ تو نہیں دیکھتا کہ اسے گرم کرنے کیلئے......اس میں روٹی پکانے کیلئے اس کے اندر کیسا کیسا جھاڑ جھنکار پھونکا جارہا ہے......گلاب کی کلیاں مہک آور ہوں تو ہوں لیکن......اس تندور کو تو گرم نہیں کر سکتیں جو جان جی کا تھا...... جو ہم سب کا ہے......اسے بھرنے کیلئے روٹی کیلئے ہم سب کو مفاہمتیں کرنی پڑتی ہیں......لیکن جان جی نے کچھ زیادہ ہی مفاہمت کرلی تھی......کھانے کے بعد جان جی اپنے کمرے کی طرف روانہ ہوئیں اور اُن کے پیچھے پیچھے شیخ جی پھدکتے ہوئے ......اس موقع پر قاضی جی نے اپنا فیورٹ شعر سنا کر اس شب چترال کا اختتام کیا کہ......

ے تھی حیا مانع فقط بندِ قبا کھلنے تلک............

پھر تو وہ جانِ حیا ایسا کھلا......ایسا کھلا......

جان جی بھی بس ایسے ہی کھلی ہوں گی......'' ۶۳

مستنصر کے اس رومانی اندازِ تحریر کو بہت فروغ نصیب ہوا ہے۔اُن کے سفرنامے جذبات و احساسات کی لطافت

اور رنگینی سے قارئین کے دلوں کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔اُن کے سفرناموں میں متوازن شعریت اور رنگین خوش نوائی ان کے منفرد اسلوبِ نگارش کی آئینہ دار نظر آتی ہے۔

مستنصر نے ماضی، حال، احساسِ جمال، فطرت پرستی اور تخیل پرستی کے عناصر سے اپنے سفرناموں میں رومانی و جنسی فضاء پیدا کی ہے جسے پڑھنے کے بعد قاری ذرا بھی اجنبیت محسوس نہیں کرتا بلکہ اسے اس میں اپنی ہی زندگی کی تصویر نظر آتی ہے۔یہی مستنصر کے فن کا کمال اور فکر کی بلندی کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے اُن کے قارئین کی تعداد اَن گنت ہے کیونکہ اُن کی تحریریں Readable یعنی پڑھنے کے لائق ہیں۔

مستنصر سماجی معاملات اور رومانی احساسات و جذبات کو واقعاتی حسن سے ہم آہنگ کر کے یوں پیش کرتے ہیں کہ ان کی زبان و بیان کی حلاوت انسانی زندگی کے نفسیاتی پہلوؤں کی عکاسی کرنے لگتی ہے چنانچہ رقمطراز ہیں:

> ''جب ہم آسودہ ہوئے اور اس آسودگی میں چینی سوپ کے ذائقے کا بہت عمل دخل تھا اور تھکن کی بے چینی آہستہ آہستہ زائل ہونے لگی تو ہم نے پہلی بار جھیل کرومبر کو دیکھا......تھکاوٹ کے ہزار پائے نے گرفت ذرا ڈھیلی کی، اعصاب نارمل ہوئے تو ہم نے جھیل کرومبر کی طرف نگاہ کی......
>
> ہمارے نیلے، سرخ اور سلیٹی رنگ کے خیمے جھیل کے بلند کناروں پر دیوزاد پھولوں کی طرح کھلے ہوئے تھے۔
>
> آپ جس شکل کے عشق میں ہوں اور وہ بے شک دنیا کی خوبصورت ترین شکل ہو...... اگر آپ......اُسے میلے کچیلے لباس میں باورچی خانے میں برتن صاف کرتے دیکھیں گے یا اگلی صبح اسے بستر پر خراٹے لیتے ہوئے سنیں گے، منہ کھلا ہوا، نیند کی ناگوار مہک کے ساتھ......یا اخبار کے بل پر بحث کرتے ہوئے عینک لگائے ہوئے اس کے دانتوں میں جو دراڑیں ہیں اور جو گھن لگا ہوا ہے اسے غور سے دیکھتے ہوئے تو آپ فرار ہو جانے کے منصوبے بنانے لگتے ہیں......لیکن اسی خاتون کو اگر آپ ایک شاندار دمک والی دعوت میں داخل ہوتے دیکھتے ہیں......اس کے بہترین ملبوس میں......اس کے بدنی زاویوں کی کشش اور دودھیا ابھاروں کی مناسب نمائش کے ساتھ اور اس کی مسکراہٹ کے ساتھ اور آنکھوں میں کنٹیکٹ لینز کی ہلکی چمک کے ساتھ تو آپ...... حواس کھو بیٹھتے ہیں......اور مبتلا ہو جاتے ہیں۔جھیلیں بھی عورتوں کی طرح ہوتی ہیں۔

آپ جانے انہیں کس روپ میں دیکھتے ہیں...... کس رنگ میں نگاہ کرتے ہیں۔ جب ہم یہاں پہنچے تھے تو ہم نے جھیل کرومبر پر تھکاوٹ اور پژمردگی کی بدنی کیفیتوں سے نگاہ کی تھی......'' ۶۴

مستنصر کے نزدیک عورت تصورات کا ایک اُمڈتا ہوا سیلاب ہے جس کے تصور کے بغیر مرد کی طاقت زاول پذیر دکھائی دیتی ہے۔ وہ عورت کے تصور سے خارجی ماحول اور باطنی کیفیات سے ربط پیدا کر کے اپنی تحریروں کو پرتاثیر بناتے ہیں اسی لئے اُن کے سفرناموں میں رومانی و جنسی طرزِ احساس کو اپنانے کا رویہ عام ملتا ہے۔ وہ اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ان لومڑی جتنے بڑے بڑے خرگوشوں کو...... گلہری نما گل کو تھنے جانوروں کو جنھیں انگریزی میں مارموٹ کہتے ہیں...... بلتی زبان میں ''پھیا'' اور شینا میں ''تروش'' کہہ کر پکارتے ہیں......
وہ ایک عمر رسیدہ مارموٹ بدستور سیٹیاں بجا رہا تھا...... اور اپنی متحرک گردن کو چار چفیرے گھما رہا تھا لیکن نظر ہم پر رکھتا تھا کہ اِن کا ردعمل کیا ہے......
کیمرے کی پہلی کلک ہوئی تو اس نے ذرا چونک کر اپنی سیٹی منقطع کر دی...... یہ گھنے بالوں اور نرم کھال کا خرگوش ایسا تھا کہ اسے آغوش میں لے کر بھینچنے کو جی چاہتا تھا...... جیسے سمور کی کھال کے کوٹ میں ملبوس کرسمس کی شام میں برفباری کے دوران ایک لڑکی کو گلے لگانے کو جی چاہتا ہے''۔ ۶۵

مستنصر کے سفرناموں میں انسان کی ذہنی نفسیاتی کیفیت کو مختلف کرداروں کے مختلف زاویوں، مختلف رُخوں اور مختلف رنگوں سے بیان کیا گیا ہے۔ اُن کے کرداروں کی تلاطم خیزیاں اُن کے رومانی رویئے کی غمازی کرتی ہیں۔ وہ منظر نگاری کرتے ہوئے اپنی تحریروں میں تازگی، شگفتگی اور رومانوی حسن کو سحر انگیز بنا کر منظر عام پر لاتے ہیں۔ اُن کی رومانیت سفرنامے کے ماحول کو دلکش اور قاری کی دلچسپی کو قائم رکھنے کا فریضہ انجام دیتی ہے جیسا کہ ناران کی سیاحت کے دوران یوتھ ہاسٹل کے چوکیدار نے انہیں پہاڑی ریچھوں کے خطرات سے خبردار کیا تو وہ خوفزدہ ہو گئے اس واقعے کو انھوں نے بڑی خوبصورتی سے رومانوی انداز میں بیان کر کے قاری کو محظوظ کیا ہے رقمطراز ہیں کہ:

''یقیناً آج کی ہوش مند اور باخبر نسل اس خبرداری پر ذرہ برابر اعتبار نہ کرتی اور اسے ہنسی

میں اڑادیتی لیکن ...... میں پھر یاد دلاتا ہوں کہ یہ سینتالیس برس پیشتر کا قصہ ہے۔
جب ہم بہت معصوم اور بے خبر تھے...... لاہور میں تو تھے ہی لیکن کسی نامعلوم کاغان وادی
میں گھرے ناران سے کہیں بڑھ کر معصوم اور بے خبر تھے اور نوجوانی کے اوائل میں تھے
جب ہم مکمل طور پر برقع پوش لڑکی کا ایک ٹخنہ نظر آنے پر اُس پر عاشق ہو جاتے تھے اور
خودکشی پر مائل ہو جاتے تھے'' ۶۶

مستنصر ایک زندہ دل آدمی ہیں۔شوخ مزاجی اُن کے سفرناموں کی پہچان ہے۔وہ اپنے سفرناموں میں نوجوان لڑکیوں کا کثرت سے تذکرہ کرتے ہیں۔وہ غیر محسوس انداز میں جنسی جذبے کو بیان کر کے دلچسپ واقعات سنا رہے ہوتے ہیں جو خود ان کی نگاہوں نے دیکھا ہوتا ہے اور جو خود انہوں نے محسوس کیا ہوتا ہے وہ اسے قاری تک بھی ویسے ہی پہنچاتے ہیں اور قاری کو بھی شاملِ حال کر دیتے ہیں:وہ لکھتے ہیں:

''بیس کیمپ کا نام بھی ہسپانوی ہے یعنی ...... ہسپاں ......''
''کیا واقعی؟''
''ہاں واقعی ...... اگرچہ نام رکھنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ ہسپانوی سے ہیں''......
میڈم نے دل کھول کر اپنے مصنوعی اور چند اوریجنل دانتوں کی نمائش کی اور بہت خوش
ہوئی ...... ''آپ میری ٹانگ کھینچ رہے ہیں ......''
''بالکل نہیں ......'' میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔بھلا مجھے اس عمر کی خاتون کی ٹانگ
کھینچنے سے کیا فائدہ ہو سکتا تھا......
''اب مجھے اجازت دیجئے میڈم ......آپ نے دیکھا ہو گا کہ میں ایک بار لیش پورٹر کے
پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا جب آپ کی خاطر رک گیا اور اب دیکھئے کہ وہ بہت دور نکل گیا ہے
اور مجھے اس کمبخت کو نظر میں رکھنا ہے۔اس لئے ......آدیوس ......خدا حافظ ......'' ۶۷

مستنصر کی تحریروں میں جنس نگاری کے نمونے جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔وہ انسانی نفسیات کو عام فہم اور سلاست سے بیان کرتے ہیں۔اُن کے سفرناموں میں افسانوی انداز اور قصہ در قصہ واقعات کے بیان سے انسانی جذبات کے سوتے پھوٹتے ہیں نسوانی حسن کی مدح سرائی مستنصر کے اُسلوب کا خاصا ہے۔نسوانی حسن و جمال کے بیان میں مستنصر کے قلم میں زیادہ تیزی اور حدت آجاتی ہے یوں وہ جذبات کی روانی کو قلم کے سپرد کر کے سفرناموں میں تلخ حقائق کو رنگینی اور دلکشی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔اس حوالے سے ''نانگا پربت'' میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ ایسا وقت تھا جب نانگا پربت کے سائے رینگتے ہوئے ترشنگ کی روشنی کم کر رہے تھے۔ ہوا نہیں تھی لیکن ترشنگ کے ٹھہراؤ میں، فضا کے سکوت میں ٹھنڈک بڑھتی جا رہی تھی اس لمحے ان کمروں میں سے جنہیں احسان، نانگا پربت ٹورسٹ کاٹیج رویل ترشنگ کا نام دیتا تھا ایک خوش شکل اور مناسب مقامات پر بھری بھری خاتون باہر نکلی...... اس کے کاندھے پر ایک چھوٹا سا تولیہ تھا اور ہاتھ میں برش جس پر لگی ٹوتھ پیسٹ کو وہ سنبھالتی چلی آتی تھی۔ اس نے ہماری طرف ذرا ناراض نظروں سے دیکھا اور پھر اسی دو تین چوڑی ندی کے کنارے بیٹھ کر دانت صاف کرنے لگی...... دلچسپ بات یہ تھی کہ پہلے اس نے ندی پر جھک کر منہ دھونے کی کوشش کی اور جہاں تھی وہیں سُن ہو کر رہ گئی کہ پانی بالکل برف تھا پھر اس نے منہ دھونے کا ایک طریقہ نکالا۔ وہ ایک ہاتھ سے منہ پر چھینٹا مارتی اور فوراً دوسرے ہاتھ میں تھامے تولیے سے منہ پونچھ لیتی تاکہ برفیلا پانی زیادہ دیر چہرے پر رہ کر اسے برف نہ بنائے...... اس منظر کو دیکھ کر ہم نے اپنے آپ کو کچھ بے گھر اور مسکین سا محسوس کیا...... اور ہمارے مسکین محسوس کرنے میں اس سردی کا بڑا عمل دخل تھا جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتی چلی جاتی تھی......'' ۶۸

مستنصر قدرت کے حسین مناظر سے ہی متاثر نہیں ہوتے بلکہ عورت کی خوبصورتی انہیں زیادہ متاثر کرتی ہے۔ حسن و جمال سے متعلق بے شمار واقعات کے بیان سے مستنصر کی شخصیت کا بالواسطہ طور پر بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ مستنصر واقعات کا بیان کرتے ہوئے عورت کے حسن و جمال کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی جھیل کو عورت کے روپ میں دیکھتے ہیں اور کبھی سر سبز و چٹیل میدانوں میں انہیں عورت نظر آتی ہے۔ وہ اپنے منفرد اور دلکش انداز میں منظر کشی کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

شمشال وہائٹ ہارن پر سورج ڈوبتا تھا اور زردی میں نہائی ہوئی ایک وادی میری نظروں کے سامنے ایک پکچر پوسٹ کارڈ کی مانند زندہ ہو رہی تھی اور اس میں زندگی کا شور تھا، آوازیں تھیں، کھیتوں کی منڈیروں پر بھاگتے ہوئے بچے تھے اور یہ کھیت سرسوں کے تھے کوئی درخت نہ تھا۔ کوئی جھاڑی نہ تھی جو اس منظر میں رکاوٹ ہوتی صرف سر سبز کھیت تھے اور ان میں سرسوں پھوٹتی تھی اور ان کھیتوں میں جو شمشالی لڑکیاں جھکی تھیں، وہ سر اٹھا کر ہمیں دیکھتی تھیں تو وہ زرد تھیں۔ جیسے چینی شہزادیاں ہوتی

ہیں اور زرد ہوئی ہوتی ہیں...... یہاں سب سے بڑی حیرت یہی تھی کہ یہاں پہاڑوں کے اندر..... چین کی سرحد کی قربت میں ایک وادی تھی، پوشیدہ...... جس میں زندگی تھی خواتین، جو خوش شکل اور خوش لباس تھیں۔ قدیم طرز کی ٹوپیوں میں، کھیتوں میں کام کرتی اور اپنے دور افتادہ دیار میں اجنبیوں کی آمد سے پُر تجسس ہوتیں اپنے آپ کو وادی کی مانند پوشیدہ بھی رکھتیں اور پھر ظاہر ہو کر ہمیں بھی تکتیں۔ کھیتوں میں پانی لگاتے...... گوڈی کرتے اور رات کے چولہے کیلئے سرسوں کا ساگ بھی توڑتی، خوش شکل اور خوش لباس حیرتیں...... ایک مختصر اور دنیا جہاں سے چھپی ہوئی جنت ارضی...... جو زرد تھی۔ ایک پوشیدہ راز جس کا چہرہ...... جب میں نے اسے دیکھا تو زرد تھا''۔ ۷۹

مستنصر کے سفرناموں کا یہ خاص انداز اُن کے فن کی قدرتی اور جبلتی صلاحیتوں کی بناء پر سامنے آتا ہے۔ انہیں قدرت نے یہ فنی صلاحیت ودیعت کی ہے کہ وہ واقعات کو اس انداز میں پیش کر دیتے ہیں کہ قارئین کی نظریں خیرہ ہو جاتی ہیں اور یوں انہیں مستنصر کی تحریریں پڑھ کر ذہنی تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔ مستنصر کی تحریریں قارئین اس لئے زیادہ پسند کرتے ہیں کہ انہیں ان تحریروں میں اپنا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔ مستنصر کے سفرناموں کی خوبی ہی یہی ہے کہ وہ ابہام کا شکار نہیں ہونے دیتے اور اپنے جذبات و محسوسات کو، دل کے نہاں خانے میں محفوظ نہیں کرتے بلکہ اپنے جذبات کو تخیل کے بل بوتے سے صفحۂ قرطاس کے سپرد کر کے قارئین کے دل کی آواز پر لبیک کہتے ہیں جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

''اور وہ ''کورے'' میں اترتی ہوئی برفیلی شام کا اندھیرا تھا جب اس نے دستانہ اتار کر اپنا ہاتھ آگے کر دیا ''شاید ہم کبھی دوبارہ ملیں''...... اور اس کا ہاتھ گرم تھا اور جب وہ چلنے لگی تو میں نے کہا، رُکو...... کیا تم جانتی ہو کہ تم ابھی ابھی ایک ایسے یکتا تجربے میں سے گزری ہو جو دوبارہ کبھی نہ ہوگا...... یہاں ہمارے آس پاس اس وقت کوئی نہیں سوائے اس برفیلی شام میں جمی ہوئی لینڈ سکیپ کے...... اور یہاں کوئی ہے جو ہمیں دیکھتا ہے...... سوائے مشابرم کے، گشابرم کے...... مشاگ ٹاور کے...... دنیا کی بلند ترین چوٹیوں کے سائے میں ایک مکمل طور پر ویران گلیشیئر پر ایسی سرد شام میں کبھی کوئی تم سے ہاتھ نہیں ملائے گا...... یہ یاد رکھنا...... اور کچھ عرصہ بعد اسلام آباد ایئر پورٹ پر ایک بدن کو بخار دینے والی خوبصورت انگریز خاتون میرے پاس آتی ہے...... کیا تم

مجھے پہچانتے ہو؟......

''میں وہ ہوں جس سے تم نے بالتورو گلیشیئر پر ایک سرد شام میں ہاتھ ملایا تھا......''

میں نے اسے دیکھا......نہیں، تم وہ نہیں ہو......وہ وہیں ہے شاہ گوری کے آس پاس اور

وہ منجمد ہو چکی ہے کہیں میرے اندر......اور میں بھی وہ نہیں ......میری آنکھوں میں تو

وحشت تھی......پچھلی شب میں نے......

اور کیا ایک خواب اتنا طویل ہو سکتا ہے......

اور یہ خواب اور کس کس نے دیکھا ہوگا......'' ۳؎

مستنصر کی بے قرار روح نے انہیں سیر و سیاحت پر مجبور کر کے اُن کے شوخیٔ قلم سے نوع انسانی کیلئے ایسے ایسے سفرنامے تحریر کروائے جنہوں نے مستنصر کو انفرادیت کا درجہ بخشا ہے اور انہوں نے اعلیٰ ادب کی صف میں جگہ بنا لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مستنصر کے سفرناموں کی تکنیک اور انوکھا اسلوب بیان آنے والے مصنفین کیلئے بھی مشعلِ راہ بن گیا ہے۔

حوالہ جات

۱؎ روزنامہ سیاست، لاہور/ گجرانوالہ خصوصی رپورٹ، مستنصر حسین تارڑ، ۳۱ مئی ۲۰۰۵ ص ۔۷۵

۲؎ مجلس فروغ اردو ادب، مشمولہ، ہنزہ داستان، ڈاکٹر انور سدید ۲۰۰۲

۳؎ مستنصر حسین تارڑ، سفر شمال کے، ص۔۱۰۳

۴۔ مستنصر حسین تارڑ، نانگا پربت، ص۔۲۶۴، ۲۶۳

۵۔ مستنصر حسین تارڑ، نانگا پربت، ص۔۱۶

۶۔ مستنصر حسین تارڑ، نانگا پربت، ص۔۳۲۳، ۳۲۴

۷۔ سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، ص۔۶۴۴

۸۔ اشفاق احمد، عرضِ مصنف، ص۔۱۰۳

۹۔ www.historyquide.org/ancient/lecture1b.html

۱۰۔ www.livescience.com/21478-what-is-culture.html

۱۱۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۱۹

۱۲۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان۔ص ۲۱

۱۳۔ عارف ثاقب، ڈاکٹر، بیسوی صدی کا جدید طرزِ احساس ص، ۱۲۵، ۱۲۶

۱۴۔ ہفت روزہ عزم، مشمولہ نامور ادیب اور معروف ٹی وی کمپیئر مستنصر حسین تارڑ سے انٹرویو ۳۰ جولائی تا ۵۰ اگست ۲۰۰۶ء، ص۔۴۹

۱۵۔ احمد ندیم قاسمی، تہذیب وفن، ص۔۹۲

۱۶۔ مستنصر حسین تارڑ، کے ٹو کہانی، ص۔۱۴۹

۱۷۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۱۳۳

۱۸۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۱۰۱

۱۹۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۱۷۳

۲۰۔ مستنصر حسین تارڑ، شمشال بے مثال، ص۔۱۹

۲۱۔ مستنصر حسین تارڑ، ہنزہ داستان، ص۔۹۳

۲۲۔ یوسف خان کمبل پوش، عجائبات فرہنگ (مقدمہ)، ص۔۲۷، ۲۸

۲۳۔ مستنصر حسین تارڑ، ہنزہ داستان، ص۔۸۱

۲۴۔ مستنصر حسین تارڑ، سفر شمال کے، ص۔۲۵

۲۵۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۳۷

۲۶۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۵۵

۲۷۔ خالد محمود، ڈاکٹر، اردو سفر ناموں کا تنقیدی مطالعہ، ص۔۳۲

۲۸۔ مستنصر حسین تارڑ، ہنزہ داستان، ص۔۲۲۲

۲۹۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۱۷۶

۳۰۔ مستنصر حسین تارڑ، برفیلی بلندیاں، ص۔۲۰۴

۳۱۔ مستنصر حسین تارڑ، یاک سرائے، ص۔۲۲

۳۲۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۱۳۷

۳۳۔ مستنصر حسین تارڑ، یاک سرائے، ص۸۶

۳۴۔ مستنصر حسین تارڑ، برفیلی بلندیاں، ص۔۷۶

۳۵۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۵۸

۳۶۔ مستنصر حسین تارڑ، یاک سرائے، ص۔۳۶

۳۷۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۸۔۹

۳۸۔ مستنصر حسین تارڑ، دیوسائی، ص۔۲۷

۳۹۔ مستنصر حسین تارڑ، شمشال بے مثال، ص۔۲۷۔۲۸

۴۰۔ ظہور احمد اعوان، ڈاکٹر، چہار سفر نامہ، ص۔۱۱

۴۱۔ مستنصر حسین تارڑ، کے ٹو کہانی، ص۔۱۴۵،۱۴۶

۴۲۔ مستنصر حسین تارڑ، سفر شمال کے، ص۔۱۰۵،۱۰۶

۴۳۔ مستنصر حسین تارڑ، سفر شمال کے، ص۔۲۲۹،۲۳۰

۴۴۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۱۹۷

۴۵۔ مستنصر حسین تارڑ، یاک سرائے، ص۔۵۴،۵۵

۴۶۔ مستنصر حسین تارڑ، یاک سرائے، ص۔۱۳۵

۴۷۔ مستنصر حسین تارڑ، ہنزہ داستان، ص۔۷۳

۴۸۔ مستنصر حسین تارڑ، نانگا پربت، ص۔۵۴

۴۹۔ مستنصر حسین تارڑ، کے ٹو کہانی، ص۔۱۷،۱۸

۵۰۔ مستنصر حسین تارڑ، نانگا پربت، ص۔۲۱۴،۲۱۵

۵۱۔ مستنصر حسین تارڑ، یاک سرائے، ص۔۱۳،۱۴
۵۲۔ مستنصر حسین تارڑ، ہنزہ داستان، ص۲۰۲
۵۳۔ مستنصر حسین تارڑ، نانگا پربت، ص۳۲،۳۳
۵۴۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۸۹
۵۵۔ مستنصر حسین تارڑ، کے ٹو کہانی، ص۔۴۹
۵۶۔ مستنصر حسین تارڑ، دیوسائی، ص۔۵۰
۵۷۔ مستنصر حسین تارڑ، ہنزہ داستان، ص۔۱۷۶
۵۸۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۳۰،۳۱
۵۹۔ webster's Dictionary-egland;world publishing company 1986-P-1305
۶۰۔ مستنصر حسین تارڑ، کے ٹو کہانی، ص۔۵۳
۶۱۔ مستنصر حسین تارڑ، ہنزہ داستان، ص۔۱۰
۶۲۔ مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۲۰۶
۶۳۔ مستنصر حسین تارڑ، یاک سرائے، ص۔۲۹۹
۶۴۔ مستنصر حسین تارڑ، دیوسائی، ص۔۱۷۲
۶۵۔ مستنصر حسین تارڑ، رتی گلی، ص۔۲۱
۶۶۔ مستنصر حسین تارڑ، برفیلی بلندیاں، ص۔۳۸۵،۳۸۶
۶۷۔ مستنصر حسین تارڑ، نانگا پربت، ص۔۲۱۶
۶۸۔ مستنصر حسین تارڑ، شمشال بے مثال، ص۔۱۷۴،۱۷۵
۶۹۔ مستنصر حسین تارڑ، کے ٹو کہانی، ص۔۱۳

مستنصر حسین تارڑ

اور

ہم عصر ادباء

- ★ مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں میں تکنیک کے تجربات
- ★ مستنصر حسین تارڑ اور ہم عصر ادباء
- ★ ہم عصر ادباء میں مستنصر حسین تارڑ کا مقام و مرتبہ

مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں میں تکنیک کے تجربات

تخلیقی عمل ایک ایسی واردات ہے جو اسرار و جستجو کی تلاش میں سرگرداں ہے۔زمانے کا تغیر تخلیقی عمل کو وسعت اور تقویت عطا کرتا ہے۔تخلیقی ادب نت نئے انکشافات سے انسانی تجسّس کی تسکین کا باعث بنتا ہے۔اُردو ادب میں مستنصر کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے مشاہدِ فطرت اور حقائق حیات کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے

زندگی وقف کی ہے۔قدرت نے انہیں ایسے تخلیقی اوصاف ودیعت کئے ہیں کہ وہ جس صنفِ ادب پر بھی قلم اٹھاتے ہیں اپنے رنگا رنگ خیالات، افکار اور خوبصورت تکنیک کی وجہ سے بجا طور پر کامیاب ہوتے ہیں۔

ادب بذاتِ خود کوئی رنگ و روپ رکھتا ہے جیسے تخلیقی، تنقیدی اور ہنگامی ادب۔ زندگی اور اُس کے مسائل کی رنگ آمیزی کے بغیر ادب ایک جسدِ بے روح کی مانند ہے۔مستنصر تخلیقی ادب کے ذریعے زندگی کی بیکراں وسعتوں کو احساس و شعور کے احاطے میں لانے کا فریضہ بہترین طریقے سے سرانجام دیتے ہیں۔وہ اپنے سفرناموں کے ذریعے احساس و شعور کو نظامِ حیات کے قالب میں ڈھالنے کیلئے بھرپور کوشش کرتے ہیں۔اگرچہ ہر بڑے ادیب کی طرح مستنصر کا قلم بھی کسی ایک صنف تک محدود نہیں ہے انہوں نے بے شمار اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن ذوقِ علم، شوقِ سیاحت اور اپنے عمیق مشاہدے کی بدولت وہ سفرناموں میں انسانی نفسیات و انسانی حیات کو بھرپور انداز میں بیان کرتے ہیں جس کی وجہ سے جدید اُردو سفرنامہ نگاری کی تاریخ مستنصر کا نام لئے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

مستنصر کے سفرناموں میں بیانیہ کو خاصی مقبولیت حاصل ہے۔وہ بیانیہ میں تہذیب و ثقافت اور معاشروں کو بڑے پیمانے پر اُجاگر کرتے ہیں۔ان کے سفرناموں میں اندھیروں اجالوں کی ایسی دنیا بستی ہے جو انسانی رشتوں کے خلوص، محبت اور رویوں سے سجی ہوئی ہے لیکن مستنصر کے سفرناموں کی یہ خاص شناخت ہے کہ وہ بیانیہ سفرنامے تحریر کرتے وقت سادہ خطِ مستقیم پر چلنے کے بجائے مختلف اصنافِ ادب کی تکنیک کے دائروں میں حرکت پذیر ہوتے ہیں لیکن دیگر اصناف کی تکنیک کے ان دائروں کو مستنصر ایک ماہر مداری کی طرح ایسے گھماتے ہیں کہ تکنیک کا کوئی بھی دائرہ سفرنامے کی تکنیک کے دائرے کو اپنی جگہ سے سرکنے نہیں دیتا اور یوں مستنصر کامیابی کے ساتھ تکنیک کے تجربات کرتے ہوئے سفرنامے کو دلچسپ اور منفرد بنا کر پیش کرتے ہیں۔مستنصر کے سفرناموں میں تکنیک کے تجربات کو سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ تکنیک پر روشنی ڈالی جائے۔

لفظ تکنیک پر غور کیا جائے تو یہ لفظ انگریزی کے وسیلے سے اُردو میں آیا۔انگریزی نے تکنیک کے لفظ کو یونان سے مستعار لیا ہے۔یونان میں اسے Technikos اور انگریزی میں Technique کہا جاتا ہے۔ویبسٹر کالجیٹ میں تکنیک کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"Tech-Nique

The manner is which technical details are treated (As by a writer)" (i)

اسی طرح آکسفورڈ ایڈوانس لرنرز ڈکشنری میں تکنیک کے یہ معنی ملتے ہیں:

"Method of doing or performing something specially

in the Arts or Science." (ii)

اسی طرح اگر اردو میں لفظ تکنیک پر غور کیا جائے تو قومی انگریزی اردو لغت میں اس سے یوں مراد لی جاتی ہے۔

"Technique: تکنیک، فنی پہلو، ڈھنگ، اسلوب، صنعت گری، لائحہ عمل، طریق کار، آدابِ فن، کاریگری، مہارت کا، تکنیکی مہارت"۔ ۱۳

یعنی تکنیک سے مراد فنکار کا طریقۂ اظہار ہے۔ وہ طریق کار جسے اپنا کر کوئی بھی فنکار اپنے موضوع کو پیش کرتا ہے وہ تکنیک کہلاتا ہے۔ ہر ادیب اور ہر فنکار اپنی تحریروں کو پُر کشش اور کامیاب بنانے کیلئے تکنیکی لوازمات کا خاص خیال رکھتا ہے یوں اگر مستنصر کو دیکھا جائے تو وہ اپنی تمام تر تحریروں میں مختلف تکنیکی لوازمات کا اہتمام کرتے نظر آتے ہیں اسی طرح سفرنامے میں بھی وہ خوبصورت انداز میں مختلف اصنافِ سخن کی تکنیک کے تجربات کرتے نظر آتے ہیں۔

منشا یاد مستنصر کے سفرناموں میں تکنیکی تجربات پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مستنصر حسین تارڑ کا شمار ملک کے معدودے چند فل ٹائم اور بیسٹ سیلرز مصنفین میں ہوتا ہے آپ کسی بھی لائبریری میں چلے جائیں جو کتابیں سب سے زیادہ میلی اور خراب حالت میں ہوں گی وہ مستنصر حسین تارڑ کے سفرنامے ہوں گے۔ بنیادی طور پر وہ ایک سیاح ادیب ہیں اور انہیں بھی راکھ کے مرکزی کردار مشاہد کی طرح کشتی کے کیل کی گڑھی ملی ہوئی ہے مگر وہ محض سفرنامہ نگار نہیں ہیں اُن کے اندر ایک بہت توانا افسانہ نگار اور ایک باکمال ناولسٹ چھپا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ سفرناموں میں بھی فکشن کی آمیزش کرتے رہے اور اردو ناول سے مایوس قارئین کی ادبی پیاس کی تسکین ہوتی رہی"۔ ۱۴

مستنصر کا کمالِ فن ہی یہی ہے کہ وہ سیدھے سادے سپاٹ انداز میں معلومات فراہم نہیں کرتے بلکہ وہ افسانوی انداز میں ایسے تجربات و مشاہدات کو پُر تاثیر بنا کر مبالغہ آرائی سے بیان کرتے ہیں جو اندازِ تحریر کی دلکشی و حسن میں تو اضافہ کرتا ہے لیکن سفرنامے پر افسانے کا شائبہ ہونے لگتا ہے۔ بعض ناقدین کو اُن کی تحریروں سے جھوٹ کی بُو آنے لگتی ہے۔ مستنصر اپنے سفرناموں میں جھوٹ اور سچ کے تناسب کو مقامی و بین الاقوامی سفرناموں کے موازنے کے ذریعے یوں واضح کرتے ہیں:

"'نکلے تیری تلاش میں' جب شائع ہوئی تو لوگوں نے پہلی دفعہ میرا نام سنا تھا۔ کافی

ہاؤس نہ ادبی پرچے۔ میرا گزر کہیں نہ تھا۔ میں نے بیجوں کی دکان پر بیٹھ کر سفرنامہ لکھا اس کا اپنا سحر تھا۔ سفرنامہ سامنے آیا تو لوگوں نے کہا کہ پتا کرنا چاہیئے یہ کون ہے پھر میں نے دیکھا کہ ہمارے نقاد یکلخت میرے ہم عصر بن گئے۔ اس میں لڑکیوں کا بڑا ذکر ہے۔ میری نو کتابیں شمال کے بارے میں آئی ہیں۔ پتھروں، ویرانوں اور پہاڑوں کے ذکر سے بھری ہوئی ان میں تو کوئی لڑکی نہیں۔ وہ کیوں مشہور ہوئیں۔ جھوٹ کہیں نہیں ہوتا یہ تو انحصار کرتا ہے کہ میری کیفیت کیا تھی۔ کیفیت میں مبالغہ آ گیا ہے، شدت آ گئی ہے، جھوٹ کہیں نہیں ہے''۔ ۵

مستنصر اپنے تجربات کو جذبات کے سیل رواں میں ڈھال کر اپنی تحریروں میں یوں پیش کرتے ہیں کہ قارئین نادیر اُن کے سحر انگیز سفرناموں کا لطف محسوس کرتے رہتے ہیں کیونکہ مستنصر نہ چاہتے ہوئے بھی غیر شعوری طور پر اپنے سفرناموں میں فکشن کا عنصر لے آتے ہیں اور وہ اپنے تجربات و مشاہدات کو جوں کا توں بیان کرنے کے بجائے بحیثیت انسان جذبات کی رُو میں بہتے ہوئے اپنے سفرناموں میں تکنیک کے نئے نئے تجربات کرتے ہیں اور یوں اپنے سفرناموں میں داستان کا سا انداز اور افسانے کا سا ذائقہ لے آتے ہیں جو قاری کیلئے لذیذ بیانیہ بن جاتا ہے جیسے وہ لکھتے ہیں:

''شاہراہِ قراقرم کا معجزہ ظہور پذیر ہونے کے بعد بھی گلگت کی تنہائی اور دُور افتادگی کا یہ حال ہے تو اُن زمانوں میں یہ نام کتنی دہشت اور تجسّس کا حامل ہوگا جب قراقرم کی بلندیوں میں بل کھاتا ایک کچا راستہ تھا جس پر انسان صرف جھک کر اور رینگ کر آگے بڑھ سکتا تھا۔ خچر پر سامان لادتے وقت اس امر کا خیال رکھا جاتا تھا کہ اُس کے بورے میں دائیں جانب سامان نسبتاً کم ہوتا کہ بوجھ کی وجہ سے وہ اُلٹا ہو کر دریائے سندھ میں نہ جا گرے...... گلگت کے ریسٹ ہاؤس کے ایک بوڑھے چوکیدار کا کہنا ہے کہ بہت عرصہ پہلے ایک چینی تاجر نے گلگت میں آکر دہائی دی کہ میں چین سے چاندی لا رہا تھا اور میرے دو خچر دریائے سندھ میں گر گئے ہیں۔ خچر تو بہہ گئے ہوں گے لیکن چاندی اپنے وزن کی وجہ سے اب تک دریا کی تہہ میں پڑی ہوگی اور جو شخص میری چاندی وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہوگا وہ آدھی چاندی کا حقدار ٹھہرے گا...... بے شمار لوگ اس مہم پر نکلے لیکن کسی کو بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی اور کسی کی بھی چاندی نہ ہو سکی۔

ایک یورپی سیاح جو تقریباً اسی برس پیشتر ان علاقوں میں آیا تھا کہتا ہے کہ جناب
اب تو بہت آسانی ہو گئی ہے پہلے تو گلگت کو تو صرف ایک کچا راستہ جاتا تھا بلکہ اسے
راستہ کہنا زیادتی ہے دراصل پہاڑی بکریوں کے چلنے سے ایک پگڈنڈی بن گئی تھی جس
پر سیاح حضرات بھی سفر کر لیتے تھے لیکن اب...... اب تو بہت شاندار سڑک ہے''۔ ۶

مستنصر کا اسلوبِ بیان اتنا دلکش اور دلآویز ہے کہ وہ ایک عام سی بات یا عام سے واقعے کو ایسے پُر کشش اور پُر تجسّس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ سفر نامہ پڑھتے ہوئے قاری کی دلچسپی کا تار کہیں بھی نہیں ٹوٹتا۔ وہ دلچسپ واقعات کے ذریعے شگفتہ اسلوب میں قصہ در قصہ سفر نامے کو مکمل کرتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید مستنصر کے سفر ناموں کی تکنیک کے حوالے سے یوں رائے دیتے ہیں کہ:

''مستنصر جس حیرت کو جگاتا تھا، اب وہ حیرت ختم ہو گئی ہے اور وہ سیاح کے بجائے
افسانہ نگار نظر آنے لگے ہیں ''ہنزہ داستان'' اور ''خانہ بدوش'' پڑھ کر مجھے ایسا ہی
محسوس ہوا''۔ ۷

مستنصر کے سفر ناموں کے لب و لہجے میں اصنافِ ادب کی مٹھاس کی روانی پائی جاتی ہے۔ اُن کے سفر ناموں سے ناول کی تکنیک کی بھی خوشبو آتی ہے کیونکہ مستنصر کے اکثر سفر ناموں میں ناول کے عناصر بھی ملتے ہیں جو سفر نامے میں زندگی کے واقعات کو مربوط انداز میں پیش کرتے ہیں جیسے مستنصر کے سفر نامے ''اُندلس میں اجنبی'' اور ''خانہ بدوش'' میں ناول کا سا دلکش اندازِ تحریر ملتا ہے اسی طرح ''چترال داستان'' میں وہ ناول کی تکنیک کے موتی یوں بکھیرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''میں ابھی یہ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ بسم اللہ کہاں سے کی جائے کہ تاریکی میں سے محبوب صاحب
جھکے ہوئے داخل ہوئے...... ان کے ایک ہاتھ میں لالٹین جھولتی تھی جھکے جھکے میرے
کان کی قربت میں آئے اور اپنے تئیں ایک سرگوشی میں بولے ''یور میجسٹی...... میں کچھ
عرض کرنا چاہتا ہوں......''
''کہیئے......'' میں نے مسکرا کر کہا...... مجھے ہمیشہ سے اس قسم کے کردار مرغوب رہے
ہیں......
'' آپ فی الحال کھانا اگر نہ تناول فرمائیں تو میں شکر گزار ہوں گا...... یور میجسٹی آپ

میرے ساتھ آئیں......''

''کہاں؟''

''جہاں میں آپ کو لئے جاتا ہوں جناب......''محبوب نے لالٹین بلند کر کے میرے چہرے کو غور سے ایسے دیکھا جیسے پہلی بار دیکھ رہے ہوں......

''لیکن کہاں؟'' میں نے ذرا جھلا کر کہا......'' وہ پھر اتنا جھکا کہ اس کی عینک کے شیشے پلاؤ کی ایک طشتری کو چھونے لگے اور شاید اس پر کچھ دانے چاولوں کے بھی چپکے جن کی وجہ سے اُس کی بصارت بھی قدرے دھندلائی۔

''ادھر ذرا اوپر ہمارے آبائی قلعے میں چند دوست آپ کا انتظار کرتے ہیں''۔ ۸

اس حوالے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مستنصر کرداروں کے ذریعے سفرنامے کو دلچسپ بناتے ہیں اور جگہ جگہ تجسّس پیدا کر کے دلچسپی بڑھاتے ہیں۔اُن کی تحریروں کا کمال یہ ہے کہ وہ قاری کو کشمکش یا ابہام میں نہیں ڈالتے بلکہ پرشکوہ الفاظ میں کہانی بیان کرتے ہیں جو ناول کی تکنیک کی خاصیت ہوتی ہے۔وہ خود اس حوالے سے رقمطراز ہیں کہ:

''بنیادی طور پر میں ناول نگار ہوں میرے جتنے بھی سفرنامے ہیں ان کا پیٹرن ناول کا ہے اُن میں کیریکٹرز ہیں۔کلائمکس ہے سارا کچھ ہے......'' ۹

اسی طرح مستنصر کے سفرناموں میں ڈرامائی بیان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بظاہر وہ سفرنامہ تحریر کر رہے ہوتے ہیں لیکن اندازِ تحریر ڈرامے کا سا ہے جس میں وہ مناظر کی تبدیلی کرتے وقت ہر منظر کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مناظر کی ترتیب اور قارئین کے ذوق وشوق اور دلچسپی کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔وہ ڈرامے کی طرح تصادم اور کشمکش کا ماحول پیدا کر کے تہذیب و ثقافت کو اُجاگر کرتے ہیں۔وہ انسانی جذبات کے تضاد کو خوبصورت ڈرامائی انداز میں کرداروں کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔ان کے سفرناموں کے کردار ڈراموں کے کرداروں کی طرح اپنے اعمال و افعال اور حرکات وسکنات سے زندگی کی سچائیوں کو سامنے لاتے ہیں جس میں دلچسپی لینا انسان کا فطری تقاضا ہے۔

مستنصر اپنے سفرناموں میں کرداروں سے ہمکلام ہوتے ہیں۔اُن کے کردار اپنے عمل اور ارادے کا اظہار مکالمے کی صورت میں کرتے ہیں جیسے وہ کونج سے مخاطب ہو کر یوں مکالمہ کرتے ہیں:

''تم مجھے یہ کہاں لے آئے ہو؟'' کونج جو اس سفر سے اُکتا چکی تھی اور بہت دیر سے

اونگھ رہی تھی، بیدار ہوئی، اس کی سیاہ سحر انگیز بنگالی آنکھیں وا ہوگئیں۔ ''میں اچھی بھلی فلوریڈا کے گرم آسمانوں کی حدت بھری آسودگی میں اُڑان کرتی تھی......

یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو......''

''میں نے تمہیں مجبور نہیں کیا تھا کونج......''

تم نے مجھے اپنے ہاتھوں سے تشکیل دیا تھا تو میں مجبور ہوگئی...... میں کیسے اپنے تخلیق کار سے انکاری ہوسکتی تھی لیکن میں جو طویل اُڑانوں کی عادی ہوں، میں اس زمینی سفر کی یکسانیت سے اُکتا گئی ہوں......'' ۱۰

مستنصر اپنے منفرد انداز میں ایک علامتی کردار کونج سے ہمکلام ہو کر اُلجھنوں اور پیچیدگیوں کو بیان کرتے ہیں۔ اُن کا مکالماتی انداز ایسا ہوتا ہے کہ اُلجھنیں سلجھاؤ کا رُخ اختیار کر لیتی ہیں۔ یہ ان کے سفرناموں کی تکنیک کی اہم پہچان ہے۔ مستنصر کے مکالمے انتہائی دلچسپ اور عام فہم ہوتے ہیں جنہیں سفرنامے کے قارئین بوجھل محسوس نہیں کرتے بلکہ اُن کی گفتگو سے لطف اٹھاتے ہیں جیسا کہ وہ ''کے ٹو کہانی'' میں فطری مکالماتی انداز سے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

''غلام ذرا میری بات سنو......''

وہ کچن ٹینٹ سے نکل کر باہر آ گیا...... جی صاحب!

''لوٹا لے کر آؤ......'' میں نے سرگوشی کی

''لوٹا؟'' وہ قدرے پریشان ہوا۔ ''کون سا لوٹا......''

''بھئی کوئی سا بھی لوٹا......''

''کیوں؟''

''کیوں کا کیا مطلب ......بس لوٹا لے کر آؤ......''

''اچھا......وہ والا لوٹا......'' غلام نے ایک لگڑی بگڑی ہی ہی کر کے درختوں میں سے چند پرندے اڑا دیئے۔ ''صاحب میرا خیال ہے کہ ہم لوٹا نہیں لائے......''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم دنیا کی ہر چیز لائے ہوں اور لوٹا جیسا مفید آئٹم نہ لائے ہوں......''

''نہیں لائے جناب......میرے پاس سامان کی فہرست ہے......نو لوٹا......'' ۱۱

مستنصر کے اسلوب کی جمالیات اور رنگین بیانی کا رشتہ اُن کے جذبات سے استوار کیا جائے تو اُن کا اسلوب جدید سفرنامے میں جدا نوعیت کا حامل نظر آتا ہے۔وہ دلکش انداز میں جذبے کے مختلف مدارج کو واضح الفاظ و تراکیب کے ذریعے بیان کرتے ہیں۔کلاسیکی ڈراموں کی طرح مستنصر اپنے سفرناموں میں دلکشی بڑھانے کیلئے متعدد جگہوں پر اشعار کا استعمال بھی کرتے ہیں جو مستنصر کے فنی وفکری جذبے کو جلا بخشتا ہے۔مستنصر انتہائی شستہ انداز میں تحریر کرتے ہوئے شعر کا حوالہ دے کر سفرنامے کو مؤثر بناتے ہیں۔جیسے وہ ''یاک سرائے''میں رقمطراز ہیں:

''میں اُس جھیل کے پانیوں پر جھکتا ہوں......اور اُس کے شفاف پانیوں کی تہہ میں آرام کرتے کائی زدہ پتھروں پر رقم عبارتیں پڑھتا ہوں......نہیں عبارتیں نہیں...... سب پر میرا نام ہے......شکستہ حرفوں میں...... میں مزید جھکتا ہوں اور اُس کے پانیوں میں گرتا ہوں، اُن میں اتر جاتا ہوں اور وہاں ایک عجیب دنیا ہے......جھیل میں پانی کی سیڑھیاں ہیں جو میرے بوجھل سے کھلتی چلی جاتی ہیں اور میں کوشش میں ہوں کہ اُن کی تہہ کو چھولوں...... یہ سیڑھیاں قدموں سے ناآشنا ہیں اور ہر سیڑھی پر میرا نام لکھا ہے اور میں تہہ سے ٹکرا جاتا ہوں......میرا بدن چھِل جاتا ہے اور مجھے سانس نہیں آ رہا اور اس خوابِ مسلسل کا کوئی انجام نہیں......

ے خواب میں جو کچھ دیکھ رہا تھا اُس کا بتانا مشکل ہے
آئینے میں پھول کھلا ہے ہاتھ لگانا مشکل ہے

ہاں......آئینے میں پھول کھلا ہے اور میں اُسے ہاتھ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں...... پھولوں کی رنگت زرد ہے اور وہ مجھ سے دور ہوتا جاتا ہے......'' [۱۲]

مستنصر ایک نثر نگار ہوتے ہوئے بھی شاعری سے رغبت رکھتے ہیں اور کہانی بیان کرتے ہوئے موقع کی مناسبت سے اتنے خوبصورت انداز میں شعر کا استعمال کرتے ہیں کہ گمان گزرتا ہے کہ یہ شعر بھی مستنصر ہی کی تخلیق ہو گا لیکن وہ اشعار کا استعمال سلسلۂ معانی کو اُجاگر کرنے کیلئے کرتے ہیں۔مستنصر خواہ اپنے سفرناموں میں کسی بھی صنف کی تکنیک استعمال کریں اُن کے سفرناموں میں حقیقی سیاح کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔یوں وہ ایک نئی ڈگر اور جدت پسندی کو دعوت دیتے ہیں جیسے وہ خاکے کی تکنیک کا استعمال کر کے بہترین حلیہ نگاری سے سفرنامے کو دلچسپ بناتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''مس خان کے ہمراہ اُن کا ایک ''بغل بچہ'' تھا......

اس قسم کے بغل بچے اکثر ہیروئنوں کے ہمراہ ہوا کرتے ہیں......اور ہیروئنوں سے زیادہ اہم ہوتے ہیں...... یہ وہ طوطے ہوتے ہیں جن میں ہیروئن کی جان ہوتی ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ جن میں ان کا مال ہوتا ہے......

یہ کوئی شیخ صاحب تھے......جنہوں نے غالباً کسی الف بے کے قاعدے کا بھی منہ تک نہ دیکھا تھا......اپنا منہ بھی نہ دیکھا تھا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے کسی خاص فضل کے تحت کوئی ایک شے بھی نہ تھی جو دیکھنے کے لائق تھی ......اس سونے پر سہاگہ یہ تھا کہ موصوف قد کے معاملے میں نکلتے نکلتے رہ گئے تھے اور بہت ہی رہ گئے تھے...... چنانچہ جب اپنی گوری چٹی لمبی تڑنگی مس خان کے ہمراہ ہوتے تھے تو اس کی بغل سے بھی کہیں نیچے اختتام پذیر ہو جاتے تھے، اس لئے اتنے بھی بغل بچہ نہ تھے......'' [۱۳]

مستنصر اپنے ہلکے پھلکے انداز میں مزاح کا عنصر پیدا کر کے شیخ صاحب کا حلیہ یوں بیان کرتے ہیں کہ اُن کے نین نقش، قد و کاٹھ اور عمر کو بھی سامنے رکھ دیتے ہیں۔

سفر نامہ اگر چہ انسانی زندگی کے متعلق معلومات فراہم کرنے کا فریضہ سر انجام دیتا ہے۔ سفر نامہ نویس قاری کو قوموں کے مزاج و مذاق اور روزمرہ کی زندگی کے بارے میں آگاہ کرتا ہے۔ مستنصر نے اس فریضے کے ساتھ ساتھ آپ بیتی کا سا انداز بھی اپنایا ہے۔ وہ سوانح عمری کی طرح اپنے ذاتی حالات کو بھی غیر جانبداری سے یوں بیان کرتے ہیں:

''اور میں...... میں بھی گھاس پر لیٹا سستی اور کاہلی کے مزے لے رہا تھا......تو مجھے ایک خیال آیا......اور یہ خیال جہاں میں پانی دیکھتا تھا، وہاں پہلے سے موجود ہوتا تھا...... کیونکہ جس شخص کے آباؤ اجداد چناب کے کناروں پر آباد تھے اور جس کے والد سکول جانے سے پیشتر اپنے چاچا کا ناشتہ لے کر دریا پار کر کے دوسرے کنارے پر جو چراگاہ تھی، جہاں ان کے چاچا کے مویشی چرتے تھے، وہاں ناشتہ دے کر چناب میں تیرتے واپس گاؤں آتے اور پھر سکول کیلئے روانہ ہو جاتے ......تو ایسا شخص بے شک لاہور میں پیدا ہو...... گورنمنٹ کالج کے سوئمنگ پول کی ریلنگ تھام کر ہی پانی میں اترتا ہو، اسے چھوڑنے پر تیر نہ سکتا ہو اور یار دوست ڈوبنے سے بچاتے ہوں ......پھر بھی اسے ساری زندگی سوہنی کے کچے گھڑے کی سوندھی مہک تنگ کرتی رہتی ہے......، وہ چناب میں کبھی

نہ اُترا......لیکن جھیل جنیوا، ونڈرمیر اور جھیل کرومبر میں تو اترا......''   ۱۴؎

مستنصر ایسے لکھاری ہیں جنہوں نے سفرنامے کو زبان زد کرنے اور قارئین میں اپنا مقام بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے کیونکہ اُن کے سفرناموں میں تکنیکی رنگارنگی پائی جاتی ہے۔وہ سفری تجربات کو اپنے احساسات اور جذبات میں ڈھال کر خوبصورت کہانی اور دلچسپ قصے کے طور پر بیان کرتے ہیں اور اپنی تحریروں میں اصنافِ نثر کی رنگینیاں یوں صفحۂ قرطاس پر لاتے ہیں کہ قارئین کیلئے مستنصر کے سفرنامے لطف اندوزی کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں جیسے وہ اپنے سفری واقعات کی عکاسی دلکش انشائی انداز میں یوں بیان کرتے ہیں کہ قارئین مستنصر کے سفرنامے پڑھنے کے بعد اُن کے نئے آنے والے سفرناموں کا بے تابی سے انتظار کرنے لگتے ہیں جیسا کہ وہ تحریر کرتے ہیں:

''باہر ابھی تک گھپ اندھیرا تھا ہوا کی غیر موجودگی کے باوجود خنکی اتنی شدید تھی کہ شاید میں اگر اپنے سر کو زور سے جھٹکتا تو میری ناک اور کان فی الفور پکے ہوئے سرخ بیروں کی طرح جھڑ کر میری جھولی میں ٹپ ٹپ گر جاتے۔ میں نے کپکپاتے ہاتھوں سے بمشکل سگریٹ سلگایا اور باہر کھڑے کنڈیکٹر سے کہا۔'' آغا خیلے خنکی است''۔اس نے ہاتھ بڑھا کر چابی گھما دی اور ساکت بس کا انجن رُکی رُکی سسکیوں کی طرح ہولے ہولے چلنے لگا۔تھوڑی دیر بعد انجن گرم ہوا تو خوشگوار حدت کے ہلکورے میری جانب جھولنے لگے۔ میں نے اس پاؤں کی طرح آرام دہ اور گرم محسوس کیا جو تازہ پالش کئے ہوئے بوٹ میں داخل ہوتا ہے تو پالش کرنے والے غریب ہاتھ کی گرمی ابھی اندرونی حصے کے چمڑے میں سے پھوٹ رہی ہوتی ہے اور وہ انگلیاں پھیلا کر اس پرائی حدت سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے۔

چار بجنے کو تھے مگر ابھی تک میرے سوا اور کوئی مسافر بس میں سوار نہیں ہوا تھا۔

''خان بابا! کوچ کب ہوگا؟'' میں نے کنڈیکٹر سے پوچھا۔

''صبر صبر''۔اس نے بے زاری سے تلقین کی۔

باہر چند مزدور ڈرائیور اور کنڈیکٹر کی زیرنگرانی روئی کی بڑی بڑی گانٹھیں رسّوں کی مدد سے چھت پر باندھ رہے تھے۔چھت پر روئی کا پہاڑ تیار کرنے کے بعد بقیہ گانٹھوں کو بس کے اندرونی حصے میں سارڈین مچھلیوں کی طرح پیک کیا جانے لگا۔میرے برابر خالی نشست پر بھی تیل کے کنستر جما دیئے گئے تاکہ سفر کے دوران میری لوزشنگ کا

امکان باقی نہ رہے''۔ ۱۵؎

مستنصر مختلف اصناف کی تکنیک کی وساطت سے سفرنامے کو فطری لب و لہجے میں بیان کر کے قارئین کے جذبات کو متحرک رکھتے ہیں۔سادگی اور برجستگی کے استعمال نے مستنصر کے سفرناموں کے قارئین کو اندرونی کیفیت سے آگاہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔مستنصر اپنے سفرناموں میں کہانی کا رنگ بھر کر روانی اور بے تکلفی سے سفرنامے میں جان ڈال کر تحریر کرتے ہیں۔اُن کے سفرنامے پڑھ کر زندگی کی حقیقی تصویر سامنے آجاتی ہے۔اُن کے سفرنامے جدید تکنیک کے عین مطابق ہیں۔سفرنامے کے لوازمات میں قوتِ مشاہدہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

قوتِ مشاہدہ جو سفرنامے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔اس پر مستنصر خاصی گرفت رکھتے ہیں۔ڈاکٹر انور سدید سفرنامے کے اس فنی لوازم پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

> ''سفرنامہ ایک ایسی صنف ادب ہے جس میں مشاہدے کی قوت سب سے زیادہ روبہ عمل آتی ہے......سفرنامہ نگار اپنے عہد کو زندہ حالات میں دیکھتا ہے اور زندگی کے اس مشاہدے کو سفرنامے میں یوں منتقل کر دیتا ہے کہ آنے والا زمانہ اس دور کی روح کا محرک محسوس کر لیتا ہے اور اس میں مکمل کامیابی اُس وقت ہوتی ہے جب سفرنامہ نگار ادب کے جملہ تقاضوں سے بخوبی واقف ہو اور مشاہدے کو تخلیقی انداز میں پیش کرنے کی قوت رکھتا ہو''۔ ۱۶؎

مستنصر اپنے عمیق قوت مشاہدہ کے ذریعے اَن دیکھی دنیاؤں کو داستانوی رنگ دے کر قارئین کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اور دلکش تخلیقی انداز میں وہ قارئین کے آتش شوق کو حسین مناظر کی تصویر کشی کے ذریعے اپنے احساسات و جذبات میں شریک کرتے ہیں۔وہ چشم دید واقعات کے ذریعے قارئین کو حقائق سے روشناس کرواتے ہوئے اُن کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔اُن کا کمال یہ ہے کہ وہ واقعات کا بہترین انتخاب کر کے بہترین اُسلوب میں جزئیات نگاری کرتے ہوئے داخلیت و خارجیت کے امتزاج سے زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔

مستنصر کے سفرناموں میں مختلف اصناف سخن کی تکنیک کے استعمال نے اُن کے اُسلوب کی زبان و بیان کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔جس کی وجہ سے مستنصر کو جدید سفرنامہ نگاروں میں نمائندگی کا درجہ عطا کیا گیا ہے۔ذوالفقار علی احسن مستنصر کی سفرنامہ نگاری پر یوں رائے پیش کرتے ہیں کہ:

> ''مستنصر حسین تارڑ کا شمار دورِ جدید کے اہم سفرنامہ نگاروں میں ہوتا ہے انہوں نے نہ صرف سفرنامے بلکہ ناول اور ڈرامے بھی تحریر کئے ہیں۔شاید اسی لئے ان کے

سفر ناموں میں افسانوی رنگ غالب نظر آتا ہے اور ان کے بعض ناولوں میں سفر نامے کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔انہوں نے سفر نامے کی صنف کو بہت سی نئی جہات سے آشنا کیا۔ان کے فن کا کمال یہ ہے کہ دورانِ سفر پیش آنے والے واقعات،معلومات اور تاریخ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ سفر نامے کی فضا بوجھل کیئے بغیر قاری کو ان مقامات کی سیر کرا دیتے ہیں ان کا اسلوب ایسا ہے کہ وہ جن مقامات پر بھی گئے اور جن لوگوں نے ان کے دل کو متاثر کیا وہ قاری کے محسوسات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

مستنصر کا یہ مخصوص اسلوب ہم آہنگ ہو کر اُن کی تحریروں میں خوبصورتی اور دلکشی پیدا کر کے قاری کی آنکھوں کو سیراب کرتا ہے۔یوں رنگا رنگ تخلیقی جہات کے استعمال سے مصنف کے لاشعوری تخیل کی اصل تصویر نکھر کر سامنے آتی ہے جو انسانی نفسیات کا فطری تقاضا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ اور نامور ہم عصر اُدباء:

مستنصر کی طرح اُن کے ہم عصر ادباء کی تخلیقی شخصیت کے نقوش بھی مختلف اصناف میں بکھرے ہوئے نمایاں نظر آتے ہیں لیکن اگر جدید سفر نامہ نگاری کے حوالے سے بات کی جائے تو محمود نظامی کا سفر نامہ ''نظر نامہ'' جو ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا اردو ادب میں اہم اور چونکا دینے والا سفر نامہ ہے جو محمود نظامی کے تجربات و مشاہدات پر مبنی خارج سے داخل کا سفر کرتے ہوئے قاری کو حقائق کی دنیا میں لے آتے ہیں۔محمود نظامی کے سفر ناموں میں عقلی اور وجدانی کیفیت کے ساتھ ساتھ تخیل کی فراوانی بھی زیادہ ملتی ہے جو انہیں جدید سفر نامہ نگاروں کی سرزمین پر سرسبز و شاداب کرتی ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

''میں سوچنے لگا کہ وینس کا حسن دن کی نسبت رات کو کس قدر نکھر کر آتا ہے اس میں ایک ایسی بے نیاز کشش پیدا ہو جاتی ہے جس کے سامنے باہر سے آنے والا مسافر اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہے اس حسن کا تعلق برقی قمقموں یا تیز روشنیوں سے نہیں بلکہ اس تاریکی سے ہے جو شام کے دُھندلکے کے ساتھ ہی وینس کی نہروں سے اترنا شروع ہو جاتی ہے۔جوں جوں شام گزرتی جاتی ہے اس تاریکی کی گہرائی خود وینس کے حسین چہرے کو اس طرح پر کشش بنا دیتی ہے جس طرح بعض اوقات سیاہ پلکوں میں لپٹی ہوئی شفاف آنکھوں کا حسن کاجل کی سیاسی سے ابھر آتا ہے'' [۱۷]

محمود نظامی کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اردو سفرنامے کو نیا لب و لہجہ عطا کیا ہے جس سے قدیم سفرناموں کے فن کی روایت بدلنے کا آغاز ہوا۔ اس دور کے سفرنامہ نگاروں میں بیگم اختر ریاض الدین نے اپنے دو سفرناموں کو ''سات سمندر پار'' اور ''دھنک پر قدم'' لکھ کر قدرت کی رنگینیوں کو قارئین کے سامنے لا کر رکھ دیا۔
بیگم اختر ریاض الدین وہ مصنفہ ہیں جنہوں نے اپنی پہلی تخلیق ''سات سمندر پار'' میں ہی ادب میں مقام پا لیا تھا۔ اُن کی تحریروں میں فنکارانہ پختگی پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان بیگم اختر ریاض الدین کی سفرنامہ نگاری پر رائے قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''بیگم اختر ریاض الدین کے بیان میں ایک ماہرانہ گرفت اور ایک فنکارانہ آراستگی اپنے عروج میں نظر آتی ہے اور وہ ہلکا ہلکا مزاح جو اُن کی نگارش کو ہریں میں ایک سلک ریشمی کی طرح بَل کھاتا چلا جاتا ہے اس کی سب سے دلکش خصوصیت کا امتیاز رکھتا ہے پھر وہ جس بے ساختگی اور بے تکلفی سے آپ کو جاپان کے خیابانوں اور گیتا خانوں اور صنعت و تجارت کے ہنگامہ زاروں اور تعلیم و تربیت کے دبستانوں کی سیر کراتی ہیں، اسی خوبی اور ملائمت سے آپ کا ہاتھ تھام کر روس کے برفستانوں اور عجائب خانوں اور مقبروں اور زیارت گاہوں میں لئے پھرتی ہیں اور اس طلسم کدہ حیرت سے آپ تبھی برآمد ہوتے ہیں جب یکا یک اُن کا سحر آگیں بیان ختم ہو جاتا ہے اور آپ چونک اٹھتے ہیں اور بے اختیارانہ سوچنے لگتے ہیں اے کاش! اے کاش!'' ۱۸

بیگم اختر ریاض الدین ایک خاتون ہونے کی حیثیت سے نسوانیت کا در اپنے سفرناموں میں وا کرنا نہیں بھولتی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے معاشرتی پہلوؤں پر بڑی مہارت سے قلم اٹھایا ہے۔ اُن کے سفرناموں میں جو جا بجا نسوانی رنگ پایا جاتا ہے وہ کسی بھی مرد سفرنامہ نگار کی تحریروں میں نظر نہیں آتا، اسی لئے وہ اپنی منفرد حیثیت رکھتی ہیں۔
جمیل الدین عالی نے بھی دو سفرنامے لکھ کر خوب نام کمایا ''تماشا میرے آگے'' اور ''دنیا میرے آگے'' لکھ کر قارئین کو رواں دواں اور غیر آرائشی اسلوب میں پوری دنیا کی سیر کروائی ہے۔ ''تماشا میرے آگے'' میں جمیل الدین عالی اپنے امریکہ، اٹلی، جرمنی، سوئٹزرلینڈ اور ہالینڈ کے سفر کے واقعات و تجربات بیان کرتے ہیں اور ''دنیا میرے آگے'' میں وہ فرانس، روس، برطانیہ، لبنان، مصر، ایران اور دہلی کے سفر کا حال سناتے ہیں۔
جمیل الدین عالی اپنے سفر میں ایک شاعر ہونے کا احساس دلاتے ہوئے دنیا اور اس کے حسن سے اپنا دل بہلاتے ہیں۔ وہ تاریخی و جغرافیائی معلومات بھی قارئین تک پہنچاتے ہیں لیکن ان کا اسلوب نگارش اتنا خوبصورت اور

دلکش ہے کہ قاری کہیں بھی بوریت کا شکار نہیں ہوتا اور ان کی منظر کشی سے خوب لطف اٹھاتا ہے اور قاری اُن کی تحریر پڑھتے ہوئے ان کا بھرپور ساتھ دیتا ہے۔اُن کے اس اسلوب کی مثال یوں ہے: ''دنیا میرے آگے'' میں رقمطراز ہیں:

''اتنے میں برابر والی گلی سے ایک مضبوط اور خوش شکل خاتون نمودار ہوئیں جوان کا دوسرا گھونسا دیکھ کر چیخنے لگیں۔ ''مرڈر......مرڈر'' ان کی چیخیں بلند ہونے لگیں اور وہ صاحب گھبرا گئے۔میں نے جلدی سے اپنا فلیٹ ہٹ منہ کے آگے کیا اور دونوں مٹھیاں ملا کر ایک جوابی گھونسہ مارا جوان کی ناک پر لگا۔وہ چکرا کر گر گئے اور گرتے ہی اُٹھ بھاگے''۔ ۱۹

جمیل الدین عالی کے اسلوب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اُن کے ہاں رواں دواں اور غیر آرائشی اسلوب پایا جاتا ہے۔
بشریٰ رحمان کا سفرنامہ ''براہ راست'' بھی اُن کے افسانوی انداز کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔وہ خوشگوار موڈ میں اٹلی، پیرس، واشنگٹن، کینیڈا اور برطانیہ جیسے ترقی یافتہ مما لک کی سفری داستان کو چٹکلوں اور شعری لذت سے بیان کرتی ہیں۔وہ اپنے سفرنامے میں وہاں کی تہذیب و معاشرت کی بڑے خوبصورت انداز میں عکاسی کرتے ہوئے مغربی تہذیب کو نشانہ بناتی ہیں۔
اسی طرح ڈاکٹر وحید قریشی کا سفرنامہ ''چین کی حقیقتیں اور افسانے'' اُن کے سیاحتی مزاج کا بہترین آئینہ دار ہے۔یہ سفرنامہ وحید قریشی نے ایک نئے شبنمی اور سلکی اسلوب میں تحریر کر کے ایک نئی تکنیک کو جنم دیا ہے جو شعور کی متحرک رو سے گزر کر ایک دلنشیں رپورتاژ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔اس سفرنامے کا تجزیہ اگر بحیثیت جدید سفرنامے کی تکنیک کے حوالے سے کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر وحید قریشی نے یہ سفرنامہ شگفتہ اور تخلیقی اسلوب کے ساتھ شیریں زبان میں پیش کیا ہے۔
اس دور یعنی جدید دور کے سفرنامہ نگاروں میں ابن انشاء کا نام خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ابن انشاء اپنا مخصوص ہلکا پھلکا اندازِ تحریر رکھتے ہیں۔انہوں نے ''چلتے ہو تو چین کو چلیے''، ''دنیا گول ہے''، 'ابن بطوطہ کے تعاقب میں'' اور ''نگری نگری پھرا مسافر'' فطری انداز میں تحریر کر کے سفرنامہ نگاری کی مقبولیت میں اضافہ کیا۔
ابن انشاء کے سفرنامے پڑھتے ہوئے قاری کے ہونٹوں پر مسلسل تبسم کھلتا رہتا ہے۔وہ اپنی جادو بیانی کے زور سے لطافت و مزاح کو صفحۂ قرطاس پر یوں بکھیرتے ہیں کہ قاری بھی ان کے ساتھ شریکِ سفر بن جاتا ہے جیسے ''چلتے ہو تو چین کو چلیے'' میں وہ لکھتے ہیں۔

''چین کا لاکھوں مربع میل علاقہ اس کے شمال میں پھیلا ہوا ہے، اب سے بائیں، تئیس سو برس پہلے جب یہ بنی تھی تو اس کا مقصد شمال سے تاتاریوں کے حملے کو روکنا تھا......

چین والے اپنی زبان میں اس کو دس ہزار میل لمبی دیوار کہتے ہیں لیکن فی الحقیقت یہ ڈیڑھ ہزار میل کے لگ بھگ ہے۔ کہیں یہ پندرہ فٹ اونچی ہے کہیں پچاس فٹ۔ کچھ حصہ بڑی بڑی اینٹوں سے بنا ہے کچھ پتھروں سے...... یہاں سیر کو آنے والوں کا ہجوم ہمیشہ رہتا ہے اور اتوار کو بالخصوص زیادہ تر لوگ ریل سے آتے ہیں اور ریل کے سٹیشن سے جو غالباً میل بھر دور ہے۔ پیدل اس کے بعد میلوں تک چڑھے جاتے ہیں''۔ ۲۰

ابن انشاء اُردو ادب کے بلند پایہ مزاح نگار ہیں وہ نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شاعر بھی ہیں لیکن ان کی شاعری اور نثر نگاری دونوں میں ان کی شخصیت بالکل مختلف رنگ میں نظر آتی ہے کیونکہ ان کی شاعری باطنی کیفیات پر مبنی ہے اور ان کے سفرنامے خارجی روداد اور تجربات پر مبنی ہیں۔ وہ سفرناموں میں سنجیدہ معلومات کو ہلکے پھلکے طنز و مزاح کے رنگ میں بیان کرتے ہیں ان کا اندازِ تحریر اپنے اندر طنزیہ و مزاحیہ رنگ سمیٹے ہوئے ہے۔ وہ شاعر تھے اس لئے ان کے سفرناموں میں بھی شاعری کا انداز جھلکتا ہے جیسے لکھتے ہیں:

؎ گر ہو شراب و ساغر و محبوب خوبرو
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

ادھر تو نوجوانوں کیلئے بے شمار مواقع ہیں کسی بھی دوشیزہ کو اپنی راہ پر لانے کیلئے بس ذرا تیکھی مونچھیں ہوں۔ روپے پیسے کی بھی شرط نہیں کیونکہ لڑکی خود کماتی ہے۔ ادھر لڑکی کو روکنے والی کوئی چیز نہیں۔ دوسروں کو دیکھ دیکھ کر اس کی ذہنی کیفیت ایسی ہوگئی ہے کہ اگر کوئی پیار کرنے کے لئے اس کا طالب نہیں ہوتا تو وہ نکو بنتی ہے خود کو ہم چشموں کی نظر میں حقیر محسوس کرتی ہے جہاں سات سہیلیاں ملتی ہیں اور اپنے معاشقے بیان کرتی ہوں وہاں اس کا احساسِ کمتری میں مبتلا ہونا قدرتی بات ہے۔

کلیورڈن صاحب نہ وعظ کرتے ہیں۔ نہ قربِ قیامت کی نوید دیتے ہیں۔ ان کی دہائی یہ ہے کہ یارو کچھ لڑکیاں تو ایسی ہوں گی جو اپنی عصمت بچانا چاہتی ہوں اور شریفانہ شرطوں یعنی شادی کا انتظار کرنا چاہتی ہوں گی پرانے زمانے میں ایسی لڑکیوں کو اس خیال سے تقویت رہتی تھی کہ معاشرے کا اخلاقی ضابطہ ان کی پشت پر ہے ان کو بنظرِ تحسین دیکھتا ہے آج ایسی کوئی روک نہیں معاشرہ انہیں سراہے گا تو کیا عجیب نظر سے دیکھتا ہے کہ یہ کیسی لڑکی ہے۔

؎ یہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں'' ۲۱

مستنصر کے ہم عصر ادباء میں قراۃ العین حیدر کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔قراۃ العین حیدر نے ''جہان دیگر'' اور ''دکھلایئے لے جا کے اسے مصر کا بازار'' جیسے سفر نامے لکھ کر حقیقت کو تخیلاتی انداز میں پیش کیا ہے۔ان کے سفر نامے شدید ردعمل کا اظہار ہیں ''جہان دیگر'' میں وہ امریکہ کی تلخ حقیقتوں کو منظر عام پر لاتی ہیں۔جبکہ ''دکھلایئے لے جا کے اسے مصر کا بازار'' میں وہ مصر کے تغیرات کو خوبصورت انداز سے بیان کرتی ہیں۔وہ ہر لحمہ تحیر و تجسس کے ساتھ جزئیات نگاری کرتی ہیں جیسے وہ رقمطراز ہیں:

مغرب میں رشتہ داروں کی اجنبیت ہم لوگوں کو ہمیشہ متحد کرتی ہے میں مغربی جرمنی میں ایک ایسے میاں بیوی کو جانتی ہوں۔میاں ہندوستانی ہیں، بیوی جرمن۔ جب کبھی وہ لڑکی اپنی ماں کو اپنے بچے کے چند گھنٹے کی ''بے بی میٹنگ'' کیلئے بلاتی تھی بطور معاوضہ ماں کیلئے قیمتی تحائف رکھ جاتی تھی اس کے برعکس ہمارے ہاں نانیاں، دادیاں خود تحائف لے کر بے تھکان ''بے بی میٹنگ'' کرتی ہیں۔ ۲۲

اسی طرح سفر ناموں کی لمبی قطار میں حکیم محمد سعید کے سفر نامے بھی اہمیت کے حامل ہیں۔وہ بسیار نویس سفر نامہ نگار ہیں۔انہوں نے ''داستان امریکہ''، ''جرمن نامہ''، ''داستان لندن''، ''دہلی کی سیر''، ''ریگِ رواں''، ''پروازِ فکر''، درہ خیبر''، ''سعید سیاح فن لینڈ میں'' جیسے سفر نامے لکھ کر طبی اداروں اور دوا سازی کے کارخانوں کے بارے میں بے شمار معلومات فراہم کی ہیں۔وہ فطرت کے حسین مناظر کی بوقلمونیوں کو ایک خاص انداز سے بیان کرتے ہیں جو اُن کی پہچان ہے۔جیسے لکھتے ہیں:

''مغربی دنیا میں پنڈیسائیٹس کی شکایات میں مبتلا ہو جانے کا احساس اتنا عام ہوا ہے کہ اگر معمولی دردِ قولنج بھی لاحق ہو تو اس مرض کی تشخیص کیلئے آنت کا وہ ٹکڑا کاٹ دیا جاتا ہے جسے قدرت کے رموز نہ جاننے والے سرجن زائد ضروری سمجھتے ہیں۔مردوں کے وارڈ میں ایسے مریضوں کی تعداد خاصی تھی۔ میں نے نرگس سے کہا کہ اگر ہمارے لئے اپنی مدتِ قیام کو ذرا بھی بڑھانا ممکن ہوتا تو ہم اس قسم کے کسی تازہ مریض کو اپنی دواؤں سے تندرست کر کے دکھا دیتے اور اس کا پیٹ چاک کرنے اور آنت کاٹنے کی نوبت کبھی نہ آتی''۔ ۲۳

مستنصر کے ہم عصر اُدباء میں سے اہم نام امجد اسلام امجد کا بھی ہے جنہوں نے دو سفرنامے لکھ کر نام کمایا ہے۔ اُن کے سفرنامے ''شہر در شہر'' اور ''ریشم ریشم'' ہیں۔ ''شہر در شہر'' اُن کا ایسا سفرنامہ ہے جس میں انہوں نے دو سفرناموں کا حال بیان کیا ہے۔ ایک تو پیرس مانٹریال، واشنگٹن، ٹورنٹو، لاس اینجلس، شکاگو اور لندن کا سفرنامہ ہے اور دوسرا ہندوستان کے شہروں انبالہ، سہارنپور اور دہلی کا ہے۔ اسی طرح ریشم ریشم میں وہ چین کے سفر کے تجربات و مشاہدات کو سامنے لاتے ہیں۔ امجد اسلام امجد ایک شاعر بھی ہیں لیکن انہوں نے سفرنامے لکھ کر سفرنامہ نگاروں میں بھی اپنی پہچان کروائی ہے۔ اُن کے سفرناموں میں لطیفہ گوئی کا خاص میدان بھی ملتا ہے۔

اشفاق احمد اشفاق نے بھی سفرنامہ نگاری کے میدان کی آبیاری کرتے ہوئے ''عرشِ منور''، ''سفر در سفر'' اور ''چنگوہ پا چستان'' تحریر کر کے ماضی اور حال کی آمیزش سے اردو سفرنامے کو ایک لطیف و فرحت بخش اسلوب عطا کیا ہے۔ اشفاق احمد چونکہ ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے مستند مقام رکھتے ہیں اور افسانہ نگاری میں مہارت کا عنصر اُن کے سفرناموں میں بھی دکھائی دیتا ہے وہ سفرناموں میں عام روش سے ہٹ کر سوچتے ہیں اور کہانی پن کے ذریعے سفرناموں کو دلچسپ بنا کر قارئین کیلئے پیش کرتے ہیں۔ اُن کے سفرنامے اس رنگ کی نمایاں عکاسی کرتے ہیں جیسا کہ یوں لکھتے ہیں:

> ''جب انسان کا دل کھٹا ہو جاتا ہے تو وہ دل کھٹا کرنے والے کی یاد کا سوڈا منٹ ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہے تنہائی میں بھی یہ گولیاں چوستا ہے اور دوسروں کے ساتھ مل کر بھی ان سے نرسنگ کرواتا رہتا ہے۔ سوڈا منٹ کی یہ سپلائی ایک طویل مدت تک ختم نہیں ہوتی اور بے وفا لوگوں کی دل کھٹا کر دینے والی باتیں سناتا ہوا یہ انسان معدے اور ڈوڈنم میں السر لے کر چپ چاپ یہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔
>
> جھیل سیف الملوک کا کوئی اثر آثار نہ تھا اور ہم آہستگی سے چلے جا رہے تھے وہ ہم سب سے آگے تھا اور تقریباً اس کے ساتھ ہی لیڈر۔ پھر میں اور میرے ساتھ عماد، مسعود، اعظمی اور مفتی ذرا پیچھے تھے۔ میں نے دیکھا اس کے ساتھ پرانی یادیں لپٹی ہوئی تھیں اور اس کی ٹانگوں سے سوچنے کا عمل جاری تھا۔ میں نے کہا۔ ''دیکھو عماد اس سالے کی ٹانگوں سے اب بھی یاد کی بیڑیاں بندھی ہیں اور ان کی آواز یہاں تک آ رہی ہے''۔ [۲۴]

اسی طرح جدید دور کے سفرنامہ نگاروں میں قدرت اللہ شہاب نے بھی ''اے بنی اسرائیل'' اور ''تو ابھی راہ گزر

میں ہے'' لکھے ہیں۔شہاب اپنے سفرناموں میں قدرتی مظاہراور معاشرتی وسماجی رویوں کے بیان میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے ہیں بلکہ وہ انسانی ادراک کوٹٹولنےاور جذبات کواُبھارنے کی شعوری کوشش کرتے نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کے سفرناموں کا فطری اسلوب متاثر نظر آتا ہے۔

مختار مسعود بھی ایک ایسے سفرنامہ نگار ہیں جنھوں نے ''سفرنصیب'' جیسا سفرنامہ تحریر کیا ہے۔''سفرنصیب'' ایسا سفرنامہ ہے جس میں انشاء پردازی کے نمونے نمایاں طور پر جھلکتے ہیں۔انہوں نے بڑے پر لطف انداز میں سفر کا بیان کیا ہےاور دورانِ سفر ملنے والے انسانوں کے دلچسپ واقعات اور مکالموں کو بڑے حسن کے ساتھ تحریر کر کے منظر میں کھوجانے کے بجائے تاثر کے فکری زاویے کواہمیت دی ہے چنانچہ تحریر کرتے ہیں:

> ''مسافرخواب کی دنیا سے نکل کر عالم خواب میں داخل ہو گیا۔یہ غار کا سفر دراصل نہاں خانہ دل کا سفر تھا۔اس غار میں وہی وسعت ہے جو دل میں ہوتی ہے۔اس کے روشن حصے شعور ہیں اور تاریک حصے لاشعور یہ غار زخم دل کی طرح رستا رہتا ہےاس کی چھت اور دیواروں کا چپہ چپہ دل کی طرح داغ داغ ہے۔پنبہ کجا کجا نہم۔چھت سے الٹی لٹکی ہوئی صورتیں وہ ہزار خواہشیں ہیں جن پہ دم نکلے یا وہ عریاں تصویریں جو ہوس چھپ چھپ کے سینے میں بنالیتی ہے۔دیواروں پر بنی ہوئی شکلیں وہ بت ہیں جنہیں لوگ صنم خانہ دل میں سجائے رہتے ہیں لیکن یہ صنم خانہ خانۂ خدا بھی تو ہےاسی لئے اس شفاف اور خنک پانی کی طرح جو غار کے وسط میں بہہ رہا ہےایک سرچشمہ یقین دل کی گہرائیوں سے بھی پھوٹتا ہے دل کا کنول اسی پانی میں کھلتا ہےاور اسی کی لہر سے زندگی عبارت ہے۔
>
> کہتے ہیں کہ خانہ جنگی کے مسلسل دھماکوں سے اس لبنانی غار کا ایک حصہ بیٹھ گیا ہے۔یہ خبر ضرور درست ہوگی سنگین سیاسی سانحہ پر آخر دل بھی تو بیٹھ جاتا ہے۔سنا ہے کہ اس غار کے دہانہ پر تیغا لگا کر اسے چن دیا جاتا ہے۔سیاحوں کا داخلہ بند ہو گیا ہے ممکن ہے یہ خبر بھی درست ہو مگر اس سے مسافر کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔مسافر کے داخلہ پر کوئی پابندی نہیں۔جب جی چاہا آنکھیں میچ لیں،سر جھکایا،گریباں میں منہ ڈالا،دل میں جھانکا اور غار میں اتر گئے۔کشتی دل کیلئے سیل ہے عہد......خیال!'' ۲۵

کرنل محمد خان کا نام بھی سفرنامے میں اپنی مثال آپ ہے۔انہوں نے دو سفرنامے ''بجنگ آمد'' اور

''بسلامت روی'' لکھے ہیں۔کرنل محمد خان کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے اشیاء اور مناظر کو شریر آنکھ سے دیکھا ہے۔وہ مناظر پر بڑی محبت سے نظر ڈالتے ہیں۔اُن کے سفرنامے سے اردو ادب کے اُفق پر ایک نیا ستارہ طلوع ہوتا ہے۔ انہوں نے بڑی سلاست اور سادگی سے خود پر ہنس کر قاری کو ہنسانے کا موقع فراہم کیا ہے۔ان کے سفرنامے مصنف کی بذلہ سنجی، شیریں گفتاری، نازک کلامی اور اپنے آپ پر کھل کر قہقہہ لگانے کی کامیاب اور نادر روش قائم کرتے ہیں۔انہوں نے اردو سفرنامے کو ایک نئی نہج سے آشنا کروایا ہے۔اُن کے سفرنامے پڑھتے ہوئے قاری فضاء میں اُڑتے ہوئے پھولوں کو سمیٹنے لگتا ہے۔ان کی شیریں انداز کی مثال یوں ہے:

''لیکن بصرہ میں باپاپوش خواتین بھی تھیں اور قدرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ بالآخر ہمارے دوست کو پالا پڑا،تو ایک ایسی خاتون سے جس کے جوتے کی نوک میں ایک ننھا سا، پیارا سا ایٹمی وار ہیڈ نصب تھا۔ساتھ ہی اس سراپا ناز کو دھول دھپا سے بھی خاص پرہیز نہ تھا۔ چنانچہ ایک روز ہمارے دوست پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑی اور غریب کسی پیش دستی کے بغیر اس خاتون کے دو نعل حملے کا شکار ہو گئے اور ہفتہ بھر کسی کو منہ بلکہ سر دکھانے کے قابل نہ رہے۔ہمیں پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ جوتے کا جارحانہ استعمال ہندوستانی خواتین کا ہی اجارہ نہیں بلکہ یہ حوا کی بیٹی کا عالمگیر ہتھیار ہے......بہر حال محض جوتے کا بپا کردہ حشر ایسی چیز نہ تھی جس سے ہمارے دوست سے جنون عشق کے انداز چھوٹ جاتے، چنانچہ چند ہی دنوں میں آپ کے نہ صرف بال اُگ آئے بلکہ اس زود پشیماں خاتون کے دل میں مہر و محبت کے چشمے بھی اُبلنے لگے۔آج کل جب کبھی یہ میاں بیوی ہمیں پاکستان میں ملتے ہیں تو ہم شرارتاً سکول کے دنوں کا مصرع گنگناتے ہیں۔

؎ المدد پاپوش جانان سر میرا کھجلائے ہے!

لیکن حسینان بصرہ کے ساتھ ہمارے تمام معاملے شادی پر ہی ختم نہ ہوئے بلکہ بعض اوقات تو ہمیں نہایت ہی جگر خراش ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا مثلاً مسعودیہ ہوٹل کی وہ رنگین شام کہ اس کا وسیع دالان حسینوں سے پُر تھا اور ریفٹیننٹ کیانی یکا یک ایک فتنۂ روزگار پر کھڑے کھڑے دل لٹانے کو آمادہ ہو گئے''۔ ۲۶

مستنصر کے ہم عصر اُدباء میں عطاء الحق قاسمی کا نام بھی بڑی گرمجوشی سے لیا جاتا ہے۔عطاء الحق قاسمی نے ''شوق

آوارگی''، ''گوروں کے دیس میں''، دلی دوراست''اور ''دنیا خوبصورت ہے'' جیسے سفرنامے تحریر کئے ہیں۔ ''شوق آوارگی'' میں انہوں نے امریکہ، یورپ اور ترکی کے سفر کا حال بیان کیا ہے جبکہ ''گوروں کے دیس میں'' سفرنامہ برطانیہ، کوپن ہیگن''اوراوسلو کے تجربات و مشاہدات کا ذکر کیا ہے۔ ''دنیا خوبصورت ہے''،سفرِ آسٹریلیا اور سنگاپور کے سفر کے متعلق لکھا گیا ہے اور ''دلی دوراست'' میں عطاءالحق قاسمی نے بھارت میں کئے گئے سفر کی داستان خارجی ماحول کو عشقیہ انداز دے کر پیش کی ہے۔

عطاءالحق قاسمی نے اُردو سفرنامے کو تحریر کی شوخی اور چلبلاہٹ بخشی ہے۔وہ مختلف مناظر کے ذریعے قاری کو شوخ فقروں اور ہنستی مسکراتی فضاء کی سیر کرواتے ہیں۔وہ مزاحیہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے پردے کے پیچھے گمبھیر معاشرتی تہذیبی اور معاشی مسائل کو بے نقاب کرتے ہیں۔وہ سفر کے واقعات کو دلچسپ بنانے کیلئے ارادتاً مزاحیہ انداز میں پیش کرتے ہیں کہ یوں حقائق منظر عام پر آجاتے ہیں۔عطاءالحق قاسمی کے سفرناموں میں مغرب کی مادہ پرستی نام نہاد ترقی، بے حیائی اور آزادی نسواں کا تذکرہ بار بار ملتا ہے۔انہوں نے بڑی بے با کی سے حقیقت آشکارا کی ہے۔اُن کے اندازِ تحریر کی مثال یوں ہے۔لکھتے ہیں:

> ''ہال کے چاروں کونوں میں تقریباً دس فٹ بلند میزیں تھیں جن پر ''سیکسی''لباس میں ملبوس ہیجڑے ''ہیجان انگیز'' ناچ سے تماشائیوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے میں مشغول تھے سامنے ایک بالکونی ٹائپ چیز تھی۔جس میں ایک موٹی سی عورت کھڑی منہ سے آگ نکال رہی تھی۔ یہاں ویٹرسز کی بجائے کم عمر ویٹر تھے اپنے ہونٹوں کی سرخی سے مسکائے ہوئے تھے۔ہال کی راہداریوں میں میزیں بچھی تھیں۔خواتین علیحدہ میزوں پر اور مرد علیحدہ میزوں پر بیٹھے ناؤنوش میں مشغول تھے۔ڈانس کا راؤنڈ مکمل ہونے پر چند لمحوں کیلئے ہال کی بتیاں آف ہو جاتی ہیں جس پر مکمل خاموشی چھا جاتی ہے اور بتیاں آن ہونے پر آواز کسنے کے انداز میں شور مچایا جاتا تھا۔یہ ذہنی مریضوں کا اجتماع تھا جسے اب مغرب میں قانونی طور پر جائز قرار دیا گیا ہے اور اندیشہ ہے کہ کل کلاں یہاں کے قانون ساز ادارے اسے کہیں لازمی قرار نہ دے ڈالیں۔
>
> ہمیں یوں لگا جیسے ہمارا دم گھٹ جائے گا، چنانچہ تھوڑی دیر بعد ہم ہال سے باہر تھے سیاہ پوش چوکیدار کے برابر سے گزرتے ہوئے میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا ''ہم تمہارے کلب کا ''تقدس'' مجروح کر کے جا رہے ہیں۔اس ''بے حرمتی'' پر

ہم تہہ دل سے معافی کے خواست گار ہیں''۔ ۲۷

عطاء الحق قاسمی اپنے سفرناموں میں مغربی معاشرے کے چہرے سے بڑی کامیابی کے ساتھ نقاب کشائی کرتے ہیں۔وہ معاشرے کی اچھائیوں اور برائیوں کو بڑی عرق ریزی کے ساتھ کشید کر کے قارئین کے سامنے نہایت عمدہ اور شیریں اسلوب میں پیش کرتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان اُن کے اسلوب بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عطاء الحق قاسمی کے سفرنامے کی زبان ایک نئی قسم کی اُردو ہے جو پاکستان میں پلی بڑھی اور جوان ہوئی ہے اس میں مقامیت اور پاکستانیت کا تڑ کا لگا ہوا ہے۔پنجابی محاورہ بھی سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ پنجابی لطائف اور پس منظر و حوالے بھی موجود ہیں اس سے اس میں ایک خوشگوار قسم کی ارضیت واپنائیت سی پیدا ہوگئی ہے۔
طنز عطا کا خاص ہتھیار ہے۔طنز کیلئے ہمیشہ استر پا تہہ مزاح کی ہونی چاہئے عطاء بنیادی طور پر مزاح نگار ہیں اس لئے جب بغیر استر کے طنز کرتا ہے تو اس کا تیکھا پن شگفتگی پیدا کرنے کی جگہ نوکیلی چبھن سے ہم کنار کر دیتا ہے۔عطا جگہ جگہ جگت اور پھبتی سے بھی کام لیتا ہے اس کی کاٹ بالعموم کند ہوتی ہے جس سے شکار تھوڑی دیر تک کراہتا رہتا ہے وہ جملے چھوڑنے کا بھی ماہر ہے وہ اس مقولے کا قائل ہے کہ دوستی جاتی ہے تو جائے منہ اور قلم پر آیا جملہ واپس نہ جائے۔ سچ یہ ہے کہ بعض جگہ اس کے قلم سے خوبصورت ذو معنی جملے بھی نکلے ہیں''۔ ۲۸

''اے حمید بھی جدید سفر نامہ نگاروں میں وہ مصنف ہیں جنہوں نے ''امریکہ نو''، ''لنکا سری لنکا'' اور ''ہم تو چلے رنگون'' جیسے سفرنامے تحریر کئے ہیں۔وہ اپنے سفر کے تجربات و مشاہدات کو بڑے مربوط انداز میں تحریر کرتے ہیں۔ اے حمید نے تہذیب وثقافت کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔وہ مغرب کی کھوکھلی تہذیب کو صفحۂ قرطاس پر مزین کر کے مغربی تہذیب کا اصلی روپ سامنے لاتے ہیں۔اے حمید کے سفرناموں میں ان کا رومانوی اسلوب بڑی چمک دمک کے ساتھ سامنے آتا ہے رقمطراز ہیں:

''سنتھالی لڑکی نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔چھرا بردار ہندوا بھی کچھ فاصلہ پر تھے اور جھونپڑیوں کے درمیان سے گزر کر چلے آ رہے تھے۔لڑکی نے پھر میری طرف دیکھا۔اُٹھی اور مجھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔وہ تیزی سے جھونپڑی کے پیچھے آ گئی میں

جان بچانے کیلئے اس کے پیچھے بھاگا۔ سنتھالی لڑکی ایک کھائی میں اتر گئی۔ پھر دوسرے کنارے پر آ کر ایک ٹیلے کی جھاڑیوں میں رک کر مجھے آنے کا اشارہ کرنے لگی۔ میں اس کی طرف دوڑا، ٹیلے کے پاس ایک ٹوٹی پھوٹی خستہ جھونپڑی تھی جس کو جنگلی جھاڑیوں نے گھیر رکھا تھا۔ اس کا بانس کا دروازہ تھا لڑکی نے بانس کا دروازہ کھول کر مجھے اندر جانے کو کہا میں لپک کر جھونپڑی کے اندر گھس گیا اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے سنتھالی بنگلہ میں کہا۔ ''باہر نہ نکلنا'' اور وہ جدھر سے آئی تھی ادھر بھاگ گئی۔ جھونپڑی میں بانس کی دیواروں کی باریک درزوں میں سے پھیکی پھیکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ اس جھونپڑی میں جلانے کی لکڑی اور ناریل کے سوکھے کھوپوں اور ناریل کی چھال کے ڈھیر پڑے تھے۔ میں ایک طرف دبک کر بیٹھ گیا اور خدا سے دعا مانگنے لگا۔ قسمت مجھے گھیر کر ان ہی قاتلوں کے پاس لے آئی تھی اگر یہ سنتھالی لڑکی میری مدد نہ کرتی تو میرا بچنا مشکل تھا''۔ ۲۹

اختر مموںکا اپنے سفرنامے ''پیرس ۲۰۵ کلومیٹر'' میں بڑی بے تکلفی سے اپنی جوانی کی مہماتی سرگرمیوں کو شگفتہ انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اختر مموںکا کے ہاں جنس کی پھسلن ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ وہ یورپ کی فحاشی کا تذکرہ اپنے سفرناموں میں بجا طور پر کرتے ہیں۔ اکثر مقامات پر اختر مموںکا اپنے سفرنامے میں خودنمائی کا عنصر بھی غالب کر دیتے ہیں۔ وہ دوران سفر لذت محسوس کرتے ہیں اور جس انداز میں سوچتے ہیں اس کو صفحۂ قرطاس پر بے تکلفی سے بیان کر دیتے ہیں۔ جیسے لکھتے ہیں:

''جس شو کا ذکر مرتضٰی نے پہلے دن کمرہ لیتے ہی کیا تھا وہ زوروں پر تھا۔ وہی مردوں اور عورتوں کا ابدی شو...... وہی زردے کی ضرورتیں خریدنے والے مرد...... وہی ضرورتیں بیچنے والی عورتیں، خوراک اور چرس دینے والے افغان بیوپاری...... جنس اور جسم دینے والی یورپین سوداگر...... میں ان گورے اور ٹھنڈے بدنوں کی ہمت کی داد دوں یا ان کی ضرورت کی۔ کیونکہ شفٹیں بدل رہی تھیں اور شو جاری تھا۔ تازہ دم مزدور آتے رہے۔ پسینے سے شرابور مزدور جاتے رہے۔ جسموں کے عرق سے، جنس کی آگ بجھتی رہی اور ہم دم سادھے یہ سب کچھ دیکھتے رہے''۔ ۳۰

اسی طرح ممتاز مفتی نے بھی اپنے شعور کی آنکھ سے قدیم ہندوستان کو دیکھتے ہوئے فلیش بیک کی تکنیک میں اپنا

سفرنامہ ''ہندیاترا'' تحریر کیا ہے۔ممتاز مفتی کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر بات کو فلسفیانہ انداز میں بیان کرتے ہیں۔وہ دلچسپ واقعات کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں۔لکھتے ہیں:

''پنڈت کوکا کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ حسین عورت پدمنی ہوتی ہے لہٰذا جب بھی شادی کرو پدمنی سے کرو، پتہ نہیں کہ ایسا کیوں ہے مگر ایسا ہے کہ عورت جتنی حسین ہوگی اتنی ہی اس میں عورت کم کم ہوگی جتنی عورت زیادہ ہوگی اتنا ہی حسن کم کم ہوگا عورت میں مانگ ہے۔وہ سراسر مطالبہ ہی مطالبہ ہے اتنا مطالبہ کہ اسے پورا کرنے کی مرد میں توفیق نہیں۔حسینہ میں مطالبہ کم کم ہے ممتاز زیادہ۔حسینہ ایک خوشگوار اثر پیدا کرتی ہے۔ عورت آگ سلگا دیتی ہے، جبھی ہندی میں اسے ناری کہتے ہیں''۔ ۱۴۱

مستنصر کے ہم عصر ادباء میں شفیق الرحمٰن کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ مستنصر ان سے کافی حد تک متاثر نظر آتے ہیں۔انہوں نے ''دجلہ''، ''برساتی'' اور ڈینیوب جیسے سفرنامے تحریر کئے ہیں۔وہ ایک بہترین مزاح نگار ہیں اس لئے ان کے سفرناموں میں بھی مزاح وہ صورت واقعہ کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔شفیق الرحمٰن فطری لحاظ سے مجلسی انسان تھے جس کی وجہ سے مجلس آرائی ان کے سفرناموں کا ایک اہم جزو ہے۔ان کی مزاح بھری گفتگو میں بات سے بات پیدا کرنے کا رجحان نمایاں نظر آتا ہے۔وہ جگہ جگہ مسکراہٹ کشید کرتے نظر آتے ہیں۔وہ اپنے مخصوص اسلوب میں ''برساتی'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''یہاں ملتے وقت مرد جھک کر عورت کا ہاتھ چومتے ہیں۔آدابِ محفل پر بڑی سنجیدگی سے عمل کیا جاتا ہے۔لیکن یہاں غربت ہے، سستی ہے اور بے زاری ہے کرائے کی کرسی پر میں دن بھر سمندر کے کنارے بیٹھا لوگوں کو دیکھتا رہا اور لوگ مجھے دیکھتے رہے۔مانٹی کارلو کا مشہور قمار خانہ دور سے مسجد معلوم ہوتی ہے۔سبز مینار اور گنبد لیکن رات کو کچھ اور ہی سماں ہوتا ہے۔ ہر روز انسانی رجائیت کے اس مندر میں لوگ امیدیں لے کر آتے ہیں لیکن اس کا وجود ہی اس امر کا ثبوت ہے کہ زیادہ لوگ ہارتے ہیں۔ Canns میں کانوں پر بڑی بڑی ہستیوں کی نہایت عجیب وغریب تصویریں لگی ہوئی ہیں...... ایکٹریس ریٹا ہورتھ سمندر میں نہاتے ہوئے۔بھویں غائب ہیں اور میک اپ اترا ہوا، چہرے پر طرح طرح کے نشان ......کوئی قسم کھائے تب بھی اعتبار نہیں آتا کہ آرائش سے اتنی کایا کلپ ہوسکتی ہے۔شاہ فاروق نے سمندر میں غسل

صحت کرتے ہوئے بکنی سوٹ پہنا ہوا ہے۔اس برائے نام لنگوٹ میں فربہی پوری
شان وشوکت سے نمایاں ہے''۔ ۳۲

اس کے علاوہ بھی اگر چہ مستنصر کے ہم عصر ادباء کی بے شمار تعداد ہے جن کے سفر نامے بھی متنوع خصائص کے حامل ہیں لیکن موضوع کو پیش نظر رکھتے ہوئے راقمہ نے چند نامور سفر نامہ نگاروں ہی کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔جن کی تحریروں کا مستنصر کی تحریروں پر اور مستنصر کے سفر ناموں کا ان کے سفر ناموں پر بالواسطہ یا بلاواسطہ اثر دکھائی دیتا ہے۔ان کو زیر تبصرہ لایا گیا ہے تاکہ ہم عصر ادباء میں مستنصر کا مقام ومرتبہ متعین کیا جا سکے۔

ہم عصر ادباء میں مستنصر حسین تارڑ کا مقام ومرتبہ:

اردو سفر نامہ نگاری اصنافِ نثر میں انتہائی مضبوط صنف بن چکی ہے جو تاریخ و زبان اور تہذیب و ثقافت سے محبت کرنے والوں کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر زبان کے ادب کی طرح اردو ادب بھی تہذیب اور دانشوری کا آئینہ ہے جس طرح اردو زبان نے دوسری زبانوں کے اثرات قبول کئے اسی طرح اردو ادب نے بھی دوسری زبانوں کے ادب سے خوب استفادہ حاصل کیا ہے اور یوں دوسری زبانوں کے ادب کے اثرات نے اردو ادب کی اصناف کو مالا مال کیا ہے۔

مستنصر کو خالق کائنات نے بے شمار تخلیقی صلاحیتوں سے نوازرکھا ہے یوں ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے میں ان کی حسِ آوارگی نے خوب کام کیا ہے ۔مستنصر اولین عمر ہی سے مغربی تہذیب سے کافی متاثر تھے اور اس کا اثر بھی قبول کیا اور جب لکھنا شروع کیا تو بڑی بے باکی سے جذبات کی ترجمانی کرنے لگے۔وہ قومی و بین الاقوامی سطح کے ادب اور ادیبوں کو بڑے شوق سے پڑھتے رہے جن کے اثر نے مستنصر کی تحریروں میں ایک نیا رنگ اور گھلاوٹ پیدا کردی۔ظاہری بات ہے کہ انسان کی شخصیت اس کی تحریروں سے عیاں ہوتی ہے ایک ادیب کی تحریریں اس کی ذات کی عکاسی کررہی ہوتی ہیں اور شخصیت کا اثر تحریروں پر نمایاں نظر آتا ہے۔مستنصر ایک ایسی شخصیت کے مالک ہیں جو گوناگوں خصوصیات کی حامل بھی ہے اور بے شمار خطاؤں کا پتلا بھی ہے لیکن جو بھی رائے قائم کی جائے ان کی شخصیت نے ان کی سفر نامہ نگاری کو کامیاب کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے چنانچہ ڈاکٹر غفور شاہ قاسم مستنصر کی شخصیت کے حوالے سے یوں تحریر کرتے ہیں:

''ایک عام آوارہ گرد روح، خانہ بدوش، حسن پرست، ملکوں ملکوں گھومنے والا مہم جو، داستان گو، متجسّس مضطرب فطرت سیاح، تارڑ رومانوی مزاج اور فطرت پسند شخصیت کے مالک ہیں۔ان کی شخصیت کا ایک نمایاں وصف فنِ گفتگو میں ان کی مہارت ہے

اس حوالے سے ہم انہیں ایک مقناطیسی طلسماتی شخصیت قرار دے سکتے ہیں''۔ ۳۳؎

مستنصر اپنی طبیعت کے عین مطابق دنیا کی حسین رنگینیوں کو دیکھنے، پرکھنے اور قدرت کے حسین مناظر سے لطف اٹھانے کیلئے سیاحت کو اپنا شیوہ بنا کر اپنے سفر کے مشاہدات و تجربات کو لفظوں کے قالب میں ڈھال کر مناظر کو یوں زندہ کر کے پیش کرتے ہیں کہ قارئین کیلئے کائنات کے حسن کے نظارے مصور کی پینٹنگ کی طرح مرصع اور روشن روشن ہو جاتے ہیں۔وہ سفر کی داستان میں ادیبانہ حسن و کمال کے ساتھ وجودِ زن کا ذکر کر کے یوں پیش کرتے ہیں کہ ان کی رومان پروری انہیں ہم عصر ادباء میں منفرد مقام و مرتبہ عطا کرتی ہے۔ان کے سفر ناموں کے کرداروں میں صنفِ نازک کے کردار کا قرب سفر نامہ نگار اور قارئین کیلئے ایک خوشگوار حرارت، تمازت اور مہک بخشتا ہے۔ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ مستنصر کے سفر ناموں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مستنصر حسین تارڑ نے سفر نامہ نگاری سے شہرت حاصل کی اور ناول نگاری اور کالم نویسی ان کے سفر ناموں کی بناء پر مشہور ہوئیں ان کے سفر ناموں میں ''اندلس میں اجنبی''، ''خانہ بدوش''، '' نکلے تیری تلاش میں'' مشہور ہیں۔ان سفر ناموں میں تارڑ کا اسلوب بڑا شوخ اور بے باک ہے۔تارڑ کے یہ سفر نامے تخلیقی شان کے مالک ہیں۔ انہوں نے ان سفر ناموں میں کئی ناقابل فراموش کردار تراشے ہیں وہ پتھر کی بنی ہوئی عمارتوں میں دلچپی لینے کے بجائے زیادہ تر انسانوں میں دلچپی لیتے ہیں۔انسانوں کے رویئے ان کے احساسات کی تاروں کو چھیڑتے ہیں۔انہوں نے محض سفر نامہ لکھنے کیلئے یہ سفر نہیں کئے بلکہ ایک سیاح کے نقطۂ نظر سے یہ سفر کئے ہیں ان کے ہم عصر ایک اور اہم سفر نامہ نگار ابنِ انشاء ہیں جنہوں نے ''چلتے ہو تو چین کو چلیئے''، ''ابن بطوطہ کے تعاقب میں''، ''دنیا گول ہے'' وغیرہ کے ناموں سے سفر نامے تحریر کئے اور سفر ناموں میں شگفتگی کے عنصر کو پہلی مرتبہ ابن انشاء نے داخل کیا۔ابن انشاء کے سفر نامے میں اپنے شگفتہ لب و لہجے کے ساتھ ساتھ ابن انشاء کی حب الوطنی کے بھی مظہر ہیں''۔ ۳۴؎

ہم عصر ہونے کے ناتے سے تارڑ ابن انشاء کا بھی اثر قبول کرتے ہیں جس طرح ابن انشاء حب الوطنی کے حامی ہیں اسی طرح تارڑ بھی وطن سے محبت کرتے ہیں۔ان کی تحریروں میں بھی مزاح کا عنصر جھلکتا نظر آتا ہے جیسا کہ مستنصر لکھتے ہیں:

''میں یورپ میں چھ ماہ سیاحت کے بعد وطن واپس لوٹ رہا تھا۔میری جیب میں صرف لاہور تک کا کرایہ تھا اور بس......سوچ رہا تھا کہ کسٹم سے جلدی فراغت ہو جائے تو فوراً ارض روم جانے والی گاڑی پکڑ لوں۔وہاں سے سرحد پار ایران ہے اور پھر افغانستان اور آخر میں میرا پیارا ملک پاکستان جسے دیکھنے کیلئے اب میں ترس گیا تھا۔

کسٹم روم پہنچے تو آفیسر نے حکم دیا۔''اپنا تمام سامان کھول دو''

''میرے پاس دو کیمروں اور چند کپڑوں کے سوا کچھ نہیں ہے''

اس نے میرے سوٹ کیس کا ڈھکن اٹھا کر اس میں یوں سر دے دیا جیسے وہ ایئر کنڈیشنڈ ہو اور باہر کڑاکے کی گرمی پڑ رہی ہے۔

''ہا''!اس نے فاتحانہ انداز میں میری طرف دیکھا۔''لڑکیوں کے کپڑے''

''بھائی!یہ میری چھوٹی بہنوں کیلئے ہیں''میں نے لجاجت سے کہا''۔ ۳۵

اگر چہ اردو سفر نامہ نگاری کے جدید دور میں جدید تکنیک کے حوالے سے بے شمار سفر نامہ نگاروں نے اہم کردار ادا کیا ہے جن کا نام لئے بغیر جدید اردو سفر نامہ نگاری کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی اگر چہ ہر سفر نامہ نگار اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے لیکن کچھ سفر نامہ نگار ایسے ہیں جنھوں نے سفر نامہ نگاری کو نئی نہج پر لا کھڑا کیا ہے۔پروفیسر شاہد کمال اس حوالے سے یوں گفتگو کرتے ہیں:

''اگر مصنف چاہے تو اپنے سفر کے احوال کو تہذیب و معاشرت کا خوبصورت امتزاج بنا سکتا ہے اور ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے سفر نامے کو زندگی اور انسانی نفسیات سے جوڑ کر پیش کیا ہے۔ان میں ابن انشاء اور مستنصر حسین تارڑ کے نام قابل ذکر ہیں لیکن سفر ناموں کی ایک بڑی کھیپ میں ایسے چند نام ملنا بھی مشکل ہیں جنھوں نے اس نثری صنف میں کوئی امتیازی کام انجام دیا ہو''۔ ۳۶

ابن انشاء اگر چہ فطری طور پر ایک مزاح نگار تھے اور مستنصر فطری طور پر ایک سیاح ہیں انہوں نے جدید سفر نامہ نگاروں میں اپنی منفرد پہچان اس خصوصیت کی بناء پر کروائی ہے کہ وہ اپنے سفر ناموں میں تکنیک کی رنگا رنگ گل افشانیاں دکھاتے ہیں۔وہ افسانوی و داستانوی تکنیک کو اپنے خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں کہ قارئین ان کے سفر نامے پڑھتے ہوئے محسوسات کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔وہ مناظر کے حسن کو تخیل کے بل بوتے پر حقیقت کا رنگ دے کر یوں پیش کرتے ہیں کہ قارئین خود کو شریک سفر محسوس کرنے لگتے ہیں اور یہی خصوصیت

کامیاب ترین سفر نامہ نگار کی ہوتی ہے جس کے برتنے میں مستنصر کامیاب نظر آتے ہیں اور جوان کا منفرد اندازِ بیان ہے وہ خوبصورت ڈرامائی انداز میں لکھتے ہیں:

''ابھی ساڑھے چار بجے ہیں اور ادھر یہ حال ہے تو رات کو کیا حال ہوگا؟''
میمونہ اپنے کٹے ہوئے بالوں کو جھٹک کر بولی۔''ادھر سے فوراً نکلو''۔
لیکن مونا بیگم......شندور ہٹ کی بکنگ کسی کسی خوش نصیب کو ملتی ہے...... ذرا تصور میں لاؤ کہ درہ شندور میں چاندنی رات کا کیا سماں ہوگا......ذرا تصور میں لاؤ''
''اور تم ذرا تصور کرو کہ اگر لکڑی دستیاب نہ ہوئی تو یہ کمرے کتنے سرد ہوں گے......غسل خانوں کے کموڈ کتنے برف ہوں گے......ان پر بیٹھ کر اٹھو گے تو تشریف وہیں رہ جائے گی اور بستر کتنے یخ اور اکڑے ہوئے ہونگے......''
''تو تم اس تاریخی بستر میں نہیں سونا چاہتی جس میں لیڈی ڈیانا نے استراحت فرمائی تھی؟''
''شہزادی ہے پر ہے تو میم ناں......''میمونہ نے ناک چڑھا کر ایک راجپوتی نخوت سے کہا۔وہ بھی نہاتی نہیں ہوگی اس اطالوی میم کی طرح......اور ٹائلٹ پیپر ہی استعمال کرتی ہوگی......تو میں سوتی ہوں ایسے بیڈ میں......اور شاید اسی بستر میں ضیاءالحق بھی سویا ہو......ذرا تصور کرو''۔
''کیا تصور کرو؟''
''ان بستروں پر ایسے ایسے لوگ سوئے ہیں جنہوں نے پاکستان کو برباد کر کے رکھ دیا......ان میں سونے سے اگر ہم پر ان کا تھوڑا سا اثر ہوگیا تو...... میں کہتی ہوں یہاں سے فوراً نکل چلو......منحوس جگہ ہے''۔ ۳۷

مستنصر سفر نامہ نگاروں میں اپنا منفرد مقام و مرتبہ ہی اس لئے قائم کرتے ہیں کہ وہ عام روش سے ہٹ کر سفر نامے تحریر کرتے ہیں۔وہ بیانیہ انداز میں یوں سفر نامہ تحریر کرتے ہیں کہ وہ ایک عام سی بات کو الفاظ کے قالب میں دلچسپ اور دلکش بنا کر یوں مزین کرتے ہیں کہ چاہے واقعہ تاریخی ہو تہذیبی ہو، معاشرتی ہو یا سیاسی وہ اپنے اسلوب کے کمال کی وجہ سے نچی سطح کا بنا کر پیش کر دیتے ہیں جس میں ہر انسان کیلئے کوئی نہ کوئی فطری دلچسپی کا پہلو پایا جاتا ہے۔وہ خوبصورت انداز میں اپنے مشاہدات، تجربات اور محسوسات کو قارئین کے دل و دماغ میں اتار دیتے ہیں۔

سفر نامہ نگاری میں مستنصر کے منفرد اندازِ بیان اور مقام و مرتبے کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے سفر ناموں کے قارئین پر مستنصر کے طلسماتی اسلوب اور گہرے جذبات کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ قاری سفر کرنے پر مجبور ہو کر خود نظارۂ قدرت کے لئے گھر کو خیر باد کہہ دیتا ہے اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> ''مجھے گلگت سے پرے غل مت کے سلائیڈ نگ ایریا کا وہ مقام یاد آیا جہاں ایک سیلابی ریلے نے پتھروں اور کیچڑ کو دھکیل کر قراقرم روڈ کو بلاک کر دیا تھا اور اسے عبور کرنے کی احمقانہ کوشش میں میری سفید سوزوکی اس کیچڑ میں پہیے گھماتی اس میں آہستہ آہستہ دھنس رہی تھی، دفن ہو رہی تھی ...... سلجوق سٹیئرنگ پر تھا اور اب کار سے باہر نہیں آ سکتا تھا کیونکہ کیچڑ نے دروازوں کو بھی بلاک کر دیا تھا...... میں اور سمیر اسے دھکا لگا رہے تھے اور اس کے ایک ہی مقام پر تیزی سے گھومتے ٹائر سیلابی کیچڑ ہمارے چہروں پر پھینک کر ان پر نہایت عمدہ لیپ کر رہے تھے...... جب ہم بمشکل پار ہوئے اور اس دوران میمونہ اور عینی اوپر سے آنے والے پتھروں سے بچاؤ کی خاطر سر پر ہاتھ رکھے پاگلوں کی طرح سلائیڈ کے کناروں پر بھاگتی چلی جا رہی تھیں تو جب ہم پار ہوئے تو دوسری جانب ایک بس جانے کب کی رکی ہوئی تھی کہ سلائیڈ کے پار جانا اس کے بس کی بات نہ تھی...... اس بس میں سے دو نوجوان اترے، میرے قریب آئے اور میں اس لمحے اپنے چہرے سے کیچڑ پونچھنے کے عمل میں تھا اور کہنے لگے ''اور لکھیں ان علاقوں کے سفر نامے...... ہمیں بھی ذلیل کروایا اور اب خود بھی ذلیل ہو رہے ہو......''
> ظاہر ہے یہ نوجوان میرے قصے کہانیاں پڑھ کر زندگی میں پہلی بار ادھر آئے تھے اور غالباً اس علاقے کے موسموں نے اور قراقرم روڈ نے ان کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا......'' ۳۸

مستنصر نے زیادہ تر سفر نامے بیانیہ انداز میں تحریر کئے ہیں وہ سفر نامہ لکھتے ہوئے اپنے مشاہدات و تجربات کو بڑی جزئیات کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان کی تحریروں کی جزئیات نگاری میں سلجھے ہوئے لکھاری کا ذہن واضح نظر آتا ہے۔ وہ اپنے سفر ناموں کو متعدد عنوانات کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔ ان کے سفر ناموں کی خاص پہچان یہ ہے کہ وہ قاری کو کشمکش یا ابہام کا شکار نہیں کرتے بلکہ وہ بات کو مثالوں کے ذریعے پیش کر کے قارئین کی دلچسپی میں اضافہ کرتے ہیں۔

اگر مستنصر اوران کے ہم عصر سفر نامہ نگاروں کا بغور مطالعہ و موازنہ کیا جائے تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مستنصر ہم عصر ادبا میں سبقت لئے ہوئے ہیں کیونکہ مستنصر کا سیاحت سے اور سیاحت کا مستنصر سے عمیق رشتہ قائم ہے اور مستنصر بلا خوف و تردد منزلِ مقصود کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ انہیں سفر کرتے ہوئے بے شمار مصائب و مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے لیکن سفر کی ہر تکلیف کے بعد وہ نئے عزائم کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں پرانے سفر کی تکالیف کو بھولتے جاتے ہیں۔ مستنصر نے بے شمار سفر اپنی جان پر کھیل کر کئے ہیں۔ ان کے ہم عصر ادباء میں ان کی منفرد حیثیت اس لئے بھی ہے کہ وہ نہ صرف خود اپنی جان کا خطرہ مول لے کر سفر کرتے ہیں بلکہ اپنے خاندان کو بھی اس خطرے سے دوچار کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کا شوق سیاحت اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ یہاں تک کہ وہ اپنے کمسن بیٹے کو بھی وہاں لے جاتے ہیں جہاں موت کو بار بار گلے لگانا پڑتا ہے اور یہی خلوص اور عرق ریزی مستنصر کو جدید سفر نامہ نگاری کی صف اول میں لا کر کھڑا کرتی ہے۔ مستنصر سفر اور اس کے مصائب پر نظر نہیں رکھتے بلکہ وہ منزل اور مسرت پر نظر رکھتے ہیں لکھتے ہیں:

''سمیر بھی بے حد خوش تھا کیونکہ اس نے اتنے دشوار سفر میں میرا ساتھ دے کر اپنی ''مردانگی'' ثابت کر دی تھی اور دوسری وجہ اس کے پاس تھی اور میں نے اس سے پیشتر اس پر غور نہیں کیا تھا...... گھر سے چلتے ہوئے لاہور میں ہمارے سامان کے ساتھ ایک چھوٹا سا پاکستانی پرچم بھی پیک کیا گیا تھا۔ اس پرچم پر ''مستنصر'' لکھا تھا اور اس کے نیچے میمونہ، سلجوق، قراۃ العین، سمیر اور میرے دستخط تھے۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ہم یہ پرچم نانگا پربت کے بیس کیمپ میں لہرائیں گے چنانچہ سمیر نے وہ پرچم نکالا...... اس نے پرچم کو خیمے کے راڈ کے ساتھ باندھا اور پھر ہم دونوں نے مل کر ''پاکستان زندہ باد'' کا فلک شگاف نعرہ لگایا......

''اور اب میں آپ کو ایک زبردست بات بتانے لگا ہوں......''

سمیر بے حد پر مسرت تھا ''کیا آپ جانتے ہیں کہ میں نانگا پربت کے بیس کیمپ تک پہنچنے والا سب سے کم عمر پاکستانی ہوں......؟''

وہ میرے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا اور اس کے پیچھے دنیا کی بلند ترین اور کوہ پیمائی کے حوالے سے دنیا کی مشکل ترین چوٹی کی برفیں تھیں جن پر دھند اترتی تھی......

''کیا تم یقین سے کہہ سکتے ہو......؟'' مجھ میں بے یقینی تھی......'' ۳۹

مستنصر کے سفرناموں کی کامیابی ان کے منفرد انداز اور اسلوب نگارش کی وجہ سے ہے۔ان کے سفرناموں کے اسلوب میں مٹھاس،طنزومزاح کی گھلاوٹ،خوبصورت،دلکش اور دلنشین انداز پایا جاتا ہے۔مستنصر دلچسپ اور انوکھا اندازِتحریر اس لئے برتتے ہیں کہ انہوں نے ادب کا خوب مطالعہ کیا ہے۔اگر چہ مستنصر کی تحریروں میں اسلوب و تکنیک کی منفرد حیثیت بھی ملتی ہے اور ان کا مقام ومرتبہ بھی ان کے جدید اسلوب نگارش کی بدولت قائم کیا جاتا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی ادیب اپنی روایت سے روگردانی کرکے بڑا ادب تخلیق کر سکتا ہے۔بڑا ادب تخلیق کرنے کیلئے جس خام مواد کی ضرورت پیش آتی ہے اسے اپنی جڑیں مضبوط کرنے کیلئے خوراک اور توانائی بڑے ادیبوں ہی سے حاصل کرنی ہوتی ہے جو اس سے پہلے موجود ہوتے ہیں۔

بڑا ادیب تخلیق کرنے کیلئے روایت کی تقلید یا روایت کے اثرات کی مثال بالکل ایسے ہے جیسے جڑ کے بغیر درخت کی مثال کی ہے۔اگر دیکھا جائے تو ہر بڑا ادیب ذوق مطالعہ کا متلاشی ہوتا ہے اسی طرح مستنصر بھی بے شمار ادباء اور تخلیق کاروں سے متاثر نظر آتے ہیں۔مستنصر کی تحریریں آج جو حلقۂ ادب میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں ان کی کامیابی کا راز مستنصر کا وسیع مطالعہ ہے۔ایک عام انسان ایک عام ادیب،ایک عظیم انسان اور ایک بڑے لکھاری کی طرح مستنصر بھی بے شمار شخصیات سے متاثر نظر آتے ہیں اور بے شمار ادیبوں کا مطالعہ بھی اپنا شعار بنائے رکھتے ہیں۔مستنصر کی دلچسپیوں اور پسندیدہ شخصیات کے حوالے سے ڈاکٹر غفور شاہ قاسم تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''تارڑ کی سیاحت اور ٹریکنگ جیسے مشاغل کے ساتھ ساتھ گندھارا تہذیب، تاریخ، فنونِ لطیفہ (مصوری) اور زراعت میں خصوصی دلچسپی ہے ان کے سات پسندیدہ ادیب ہیں مثلاً روس کے ٹالسٹائی، ترکی کے یاشر کمال، فلسطین کے محمود درویش، مصر کے نجیب محفوظ، فرانس کے سارتر، ان کے علاوہ کافکا اور کامیو، اردو شعراء میں انہیں غالب، مجید امجد، محمد اظہار الحق، رسا چغتائی، ظفر اقبال، انور سعود، ن م راشد، دانش بہت پسند ہیں۔وہ فیض کے بھی مداح ہیں۔وہ قراۃ العین حیدر کو اردو کی سب سے بڑی نثر نگار سمجھتے ہیں۔منٹو، بیدی اور ممتاز مفتی کی نثر کے معترف ہیں علاقائی زبانوں کے شعراء وارث شاہ، شاہ حسین، ان کی روح کے قریب ہیں۔ولیم ڈل رمپل، تارڑ کے پسندیدہ سفرنامہ نگار ہیں جن کے تمام سفرنامے انہوں نے پڑھے وہ اس کی تخلیقی نثر اور تاریخی شعور کے معترف ہیں۔عبدالرحمٰن چغتائی، صادقین، اللہ بخش، سعید اختر،

آذر زوبی، بشیر مرزا اور خالد اقبال ان کے پسندیدہ مصوروں میں شامل ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ حضور اکرم ﷺ کو اپنا مرشد مانتے ہیں اور ان کے ہر فعل کو Idealize کرتے ہیں۔ان کے والد محترم بھی ان کی پسندیدہ شخصیت ہیں۔دوسری پسندیدہ شخصیت میں عبدالستار ایدھی، انصار برنی کے علاوہ پروفیسر احمد رفیق اختر شامل ہیں۔انہیں احمد رفیق اختر کا موثر اسلوب بےحد پسند ہے''۔ ۴۰

مستنصر کے سفرناموں میں پرلطف وادیوں، پہاڑوں اور شہروں کی لطیف انداز میں منظرکشی اور کرداروں کی فطری انداز میں نمودازی اور مستنصر کا شگفتہ لہجہ قارئین کو ہم نوا بناتا ہے۔مستنصر کی نظریں جہاں بین ہیں ان کے اسلوب میں شوخی، شگفتگی اور بڑی جرأت پائی جاتی ہے۔وہ جنبشِ قلم سے کرداروں کو بڑا جاندار اور بھرپور بنا کر پیش کرتے ہیں۔مستنصر کے سفرنامے عوام و خواص کے حلقے میں اس لئے دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں کہ ان کے کردار تخیلی نہیں بلکہ حقیقی ہیں جو زندگی سے بھرپور ہوتے ہیں۔ماہرانہ گرفت اور فنکارانہ آراستگی مستنصر کے سفرناموں کی پہچان ہے۔ممتاز مفتی کی جو رائے مستنصر کے بارے میں ہے۔وہ اسے یوں بیان کرتے ہیں:

''ممتاز مفتی کو روحانیت کا لپکا تھا......وہ لپک لپک کر اس کے پاس جاتے تھے اور اپنے شوق سے اسے نڈھال کر دیتے تھے......اپنی کمال لفاظی سے اسے بے بس کر دیتے تھے۔اسلام آباد کی ایک نجی محفل میں وہ اپنے خصوصی مفتیانہ انداز میں پوچھتے ہیں...... تارڑ تجھ پر ٹیلی ویژن کی شہرت کا جادو نہیں چلا......میں آج سے دس برس پیشتر تجھ سے ناراض تھا کہ تو لکھنے والا ہے شہرت کے بازار میں طوائف کیوں ہو گیا ہے......لیکن اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو بہت چالاک ہے......تو نے شہرت کی راکھ کو اپنے لبادے سے جھٹک دیا ہے اور اپنے اندر کے لکھنے والے کو دفن نہیں کیا۔تو یہ بتا کہ ان دنوں تیری تحریر میں جو پانچویں سمت آئی ہے تو یہ کس کی دین ہے؟''

''سر میں سمت کا تعین کر کے نہیں لکھتا''۔

''نہیں......'' وہ بانو قدسیہ اور اشفاق احمد کی موجودگی میں اپنی بوڑھی اور ناتواں انگلی سیدھی کر کے کہتے ہیں ''نانگا پربت'' اور ''بہاؤ'' میں تو لکھتے لکھتے کہیں اور نکل جاتا ہے......سیدھے راستے پر نہیں چلتا......کسی اور راستے پر نکل جاتا ہے......یہ تم نے کہاں سے حاصل کیا ہے؟''

''مفتی جی اتنے برس ہو گئے ہیں کاغذ سیاہ کرتے ہوئے تو...... بندے کو جاچ آ جاتی ہے، ڈھنگ آ جاتا ہے......'' مجھے کچھ پتہ نہ تھا کہ مفتی صاحب مجھ سے کیا کہلوانا چاہ رہے ہیں......

''نہیں......'' مفتی جی نے ایک نہایت کھچری عیار مسکراہٹ میں سر ہلایا اور پھر اپنی انگلی سیدھی کر کے پروفیسر رفیق اختر کی جانب اشارہ کیا۔

''یہ تم نے ان سے حاصل نہیں کیا؟'' [۴۱]

خود مستنصر حسین تارڑ کا یہ کہنا ہے کہ:

میں شفیق الرحمٰن کی ''برساتی'' سے اتنا متاثر ہوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ ''برساتی'' ہی ''نکلے تیری تلاش میں'' کی ماں ہے'' [۴۲]

یہ حوالہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ مستنصر نے بے شمار ادیبوں و مزاح نگاروں کا اثر بھی قبول کیا ہے جس کی وجہ سے ان کے سفرناموں کی زبان کی چاشنی نے کامیابی کی طرف قدم بڑھایا ہے۔ شفیق الرحمٰن اردو کے کامیاب اور بہت شگفتہ مزاح نگار رہیں۔ ان کا فن خالص مزاح پر مشتمل ہے۔ وہ جذبات اور احساسات کو قلم کی دھڑکنوں میں سمو دیتے ہیں۔ اردو ادب میں مزاح نگاروں نے بھی منفرد نوعیت کے سفرنامے تحریر کئے ہیں۔ فوزیہ چوہدری، اردو ادب کے مزاح نگاروں کی سفرنامہ نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''ادب میں سفرنامے کی صنف کو مقبول بنانے میں جہاں دوسرے ادیبوں کا ہاتھ ہے وہاں خالص مزاح نگاروں نے بھی اس صنف کو اظہار و ابلاغ کا ذریعہ بنا کر اس کی مقبولیت میں اضافہ کیا ہے......اردو کے جن مزاح نگاروں نے سفرنامے میں مزاح کے رویئے کو برتا ہے ان میں شفیق الرحمٰن، ابن انشاء، محمد خالد اختر، کرنل محمد خان، عطاء الحق قاسمی، محمد اختر ممونکا اور جاوید اقبال خاص طور پر نمایاں ہیں'' [۴۳]

اگرچہ دورِ جدید میں بے شمار سفرنامہ نگار شہرت کے حامل ہیں لیکن مستنصر نے متنوع خصوصیات کی بدولت سفرنامے کی صنف میں تکنیکی اور ہیئتی اعتبار سے سفرنامے کو مالا مال کیا ہے۔ وہ اپنے منفرد اسلوب کی وجہ سے سفرنامے میں اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ اپنے سفرناموں میں عورت کا کثرت سے ذکر کرنا اور رومانوی انداز سے قاری کو محظوظ کرنا مستنصر کا خاصا ہے۔ مستنصر کی طرح ان کے ہم عصر ادیب عطاء الحق قاسمی نے بھی اس میدان میں

خوب قدم جمائے ہیں لیکن مستنصر انسانی جذبات کی ترجمانی میں عطاالحق سے آگے نظر آتے ہیں۔ڈاکٹر ظہور احمد اعوان عطاءالحق قاسمی اور مستنصر کے سفرناموں کا موازنہ کرتے ہوئے یوں بیان کرتے ہیں:

"شوقِ آوارگی کے مقابلے میں تو مستنصر حسین تارڑ کے تقریباً سبھی سفرنامے فکروفن کی دھڑکتی بوقلمونی اور انداز واسلوب کی جمالیاتی چمک دمک کی جدید اور عمدہ مثالیں ہیں تارڑ کے ہاں بھی مونث کرداروں کی بھرمار ہے مگر اس کے ہاں ادب وفن کی اعلیٰ قدریں اور مرقع کاری کا جادو بھی سرور طاری کرنے کیلئے موجود ہے۔عطاءالحق قاسمی نے راجہ اندر کا خیالی اکھاڑا تو سجا دیا مگر اس میں وہ خود ہی اپنے آپ سے زور کرتا اور ڈالے بناتا نظر آتا ہے۔اس کا سفرنامہ یقیناً کسی بڑے ادبی درجے کا حامل نہیں ہے۔جوانی کے ابتدائی سالوں میں غیر ملکی سفر کے شوقین بے روزگار نوجوان وقت گزاری کیلئے اسے پڑھ سکتے ہیں۔اسے ادب کے تیسرے درجے سے اٹھا کر سفرناموں کی دوسری یا پہلی صف میں رکھنا خود ادب کے ساتھ زیادتی ہوگی" ۴۴

عطاءالحق قاسمی اور مستنصر کے سفرنامے قارئین بڑے شوق سے پڑھتے ہیں کیونکہ ان کے سفرناموں میں مغربی تہذیب کا تماشا بڑی بے باکی سے دکھایا گیا ہے وہ دونوں تذکرہ وجودِ زن سے سفرنامے میں جان ڈال کر انسانی نفسیات کے عین مطابق دلچسپی کا سامان قارئین کو فراہم کرتے ہیں لیکن مستنصر کا کمال یہ ہے کہ وہ مناظر کی بھی دلکش انداز میں تصویر کشی کرتے ہیں اور عطاءالحق اپنے سفرناموں کی کائنات میں وجودِ زن سے بے تحاشا رنگ بھرتے ہیں جو ان کی مقبولیت کا باعث ہے۔ڈاکٹر ظہور تبصرہ کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

عطاء مستنصر حسین تارڑ کی طرح منظر نگار نہیں ہے بلکہ کردار نگار ہے وہ جس آدمی کو دیکھتا ہے چند جملوں میں اس کی تصویر اتار کر سامنے رکھ دیتا ہے۔وہ آدمی کے ٹیڑھے پن کو سب سے پہلے محسوس کرتا ہے وہ پھر اپنے کرداروں کے ایسے جملوں اور حرکات کو نوٹ کرتا ہے جس سے اس کردار کے اندر کا آدمی ظاہر ہو جائے۔شوقِ آوارگی میں حسینوں کا میلہ تو ہے ہی کرداروں کا ایک تصویر محل بھی آباد ہے اس کے مردانہ کردار بالعموم بھاری بھرکم موچھل اور کریہہ المنظر ہوتے ہیں البتہ جب نسوانی کرداروں کا معاملہ درپیش ہوتا ہے تو اس کا قلم اس کی آنکھوں کی طرح پرستان کی سیر کرنے لگتا ہے۔اس کے سبھی نسوانی کردار کوہ قاف سے آئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کم تر کرداروں کے

درمیان تو وہ بیٹھتا ہی نہیں اور نہ ان کے ذکر سے اپنے سفر نامے کو آلودہ کرتا ہے'' ۴۵ؔ

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کے کیئے گئے موازنے سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مستنصر تاریخ سفر نامہ نگاری کی ایک اہم شخصیت ہیں جن کا فن جملے اچھالنے کا فن نہیں ہے بلکہ وہ انسانی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے معنی خیز اور ذہانت آمیز جملوں کا استعمال کرتے ہیں۔ مستنصر اندرون ملک اور بیرون ممالک پر لکھے گئے سفر ناموں میں اس لئے کامیاب نظر آتے ہیں کہ وہ جس خطے، علاقے، ملک یا جگہ بھی جاتے ہیں تو وہاں کے معاشرے اور تہذیب و ثقافت کی جیتی جاگتی تصویر سلیس آسان اور عام فہم زبان میں اُجاگر کر کے قارئین کو گھر بیٹھے تاریخ، تہذیب اور ملکوں ملکوں کی سیر کرواتے ہوئے دلچسپ معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ان کے سفر نامے پڑھتے ہوئے قاری یوں محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک خوابِ مسلسل دیکھ رہا ہے اور اس کی آنکھ کھلنے پر اس کا سحر نہیں ٹوٹتا یعنی سفر نامہ ختم ہونے کے بعد بھی قاری سفر نامے کی چاشنی سے لطف اٹھاتا رہتا ہے۔ وہ سفر نامے میں پیش کی گئی انسانی زندگی کی جھلکیوں کو اپنی ذات میں تلاش کرنے میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔

مستنصر کی تحریروں کا کمال یہ ہے کہ وہ ان تحریروں میں مختلف النوع اصناف کی تکنیک کا استعمال کر کے قارئین کو دلچسپی لینے کا موقع فراہم کرتے ہوئے سفر نامے کی نئی تکنیکی جہت کا آغاز کرتے ہیں۔ ان کے سفر ناموں میں رنگا رنگ موضوعات اور عنوانات دیکھنے میں نظر آتے ہیں لیکن فن کا کمال یہ ہے کہ کہیں بھی تسلسل اور ترتیب میں فرق اور سقم واقع نہیں ہوتا۔ یہی مستنصر کی کامیابی کی دلیل اور ان کے معیاری مصنف ہونے کا بین ثبوت ہے کہ ان کا سفر نامہ پڑھتے ہوئے قاری کو کہیں بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر انور سدید اس ضمن میں یوں گفتگو کرتے ہیں:

> ''ایک اچھے سفر نامے میں سیاح اور ادیب دونوں ہاتھ میں ہاتھ ملا کر چلتے ہیں۔ سیاح اپنے تیز باصرہ سے ماحول کی جزئیات کو سمیٹتا ہے۔ ادیب ان جزئیات کو خوبصورت، دلکش اور جاذب توجہ اسلوب میں یوں پیش کرتا ہے کہ پورا منظر متحرک ہو کر قاری سے ہمکلام ہو جاتا ہے''۔ ۴۶ؔ

مستنصر سفر نامہ لکھتے وقت اپنے احساسات و جذبات قاری تک پہنچانے کیلئے نئی تکنیک وضع کر کے مناظر اور واقعات کو خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں وہ تکنیک کے مناسب استعمال سے قاری کو اپنی گرفت میں لے کر اسے مختلف مقامات کی سیر کرواتے ہیں کہ قاری کو یوں اپنائیت کا احساس ہونے لگتا ہے کہ وہ خود سیاح کا ہم سفر ہے۔ مستنصر معاشرتی، تہذیبی اور فکری سرگرمیوں کو بھی خوشگوار اور دلچسپ واقعات کے ذریعے اپنے مخصوص تخلیقی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ وہ واقعات کو اتنی چابکدستی اور خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں کہ تمام مناظر قاری کے سامنے رقص کرنے لگتے ہیں۔ وہ اپنے تخیل کی کارفرمائی سے سفر نامے کے قارئین کو شریک سفر کر کے معلومات پہنچاتے ہیں۔

ذوالفقار علی احسن مستنصر کے سفرناموں کے اسلوب کے حوالے سے یوں بحث کرتے ہیں:

''مستنصر حسین تارڑ نے متعدد سفرنامے تحریر کیئے ہیں۔ان کے سفرنامے ان کے اسلوب اور طرز بیان کی وجہ سے بہت پسند کیئے جاتے ہیں۔ان کے سفرنامے خوبصورت زبان اور افسانوی طرز میں لکھے گئے ہیں،ان کے سفرناموں میں رومانیت کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔مستنصر حسین تارڑ اس حوالے سے بہت مشہور ہیں۔ان کے سفرناموں میں رومانوی عنصر اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ان کے سفرنامے پر افسانے کا گمان ہونے لگتا ہے''۔ ۴۷

مستنصر کے سفرناموں میں شگفتہ نگاری اور مشاہدے کی گہرائی کے بے مثال نمونے ملتے ہیں۔وہ حالات و واقعات کی رنگینی کے ساتھ تہذیب و معاشرت کا موازنہ کر کے تفکر کا رنگ نمایاں کرتے ہوئے اخلاقی معیارات اور اقدار کو سامنے لاتے ہیں۔یوں کہنا بے جانہ ہوگا کہ مستنصر کے سفرنامے دلچسپ سفری واقعات اور معلومات کا خزانہ ہیں۔ان کے سفرناموں کا اسلوب اتنا شفاف اور واضح ہے کہ انہیں اردو ادب میں کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

مستنصر کے سفرنامے فن کی ایسی معراج پر نظر آتے ہیں جو کہ برسوں کی ریاضت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔انہوں نے اپنے مشاہدات و تجربات کو بڑے اچھے انداز میں سفرنامے میں سمیٹا ہے۔مستنصر نے سیاحوں کو سیاحت کا ایک نیا شعور بخشا ہے۔پروفیسر منور رؤف مستنصر کے سفرناموں کے حوالے سے رائے دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

''یہ بات واضح ہے کہ مستنصر نے محمود نظامی کا تتبع کیا ہے جبکہ عطاء الحق قاسمی نے مستنصر کے سفرناموں کا تتبع کرتے ہوئے اپنے سفرنامے شوقِ آوارگی میں ایک نیا تجربہ کیا ہے'' ۴۸

اسی طرح پروفیسر جمیل احمد انجم رائے دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اختر مونکا نے ''پیرس ۲۰۵ کلومیٹر'' کے عنوان سے جو سفرنامہ تحریر کیا ہے وہ خارج سے داخل کی طرف سفر کی ایک عمدہ مثال ہے۔اختر مونکا نے سفرنامے میں مستنصر حسین تارڑ کی تقلید و تتبع کی کوشش کی ہے لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو پائے''۔ ۴۹

ایک کامیاب ادیب کی تحریروں کی صفت ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ قابلِ تقلید ہو اور مستنصر کے سفرنامے اس خوبی سے مزین نظر آتے ہیں۔ان کا اسلوبِ نگارش یہ طاقت رکھتا ہے کہ آنے والے سفرنامہ نگار مستنصر کے طرزِ تحریر کو

اپنانے کی کوشش غیر شعوری طور پر بھی اور شعوری طور پر بھی کریں کیونکہ مستنصر کا اندازِ تحریر پر کشش، شگفتہ، دلکش اور معلومات افزاء ہے جو ادب نواز حیثیتوں پر پورا اترتا ہے۔ ان کے اسلوب پر بات کرتے ہوئے ذوالفقار علی احسن رقمطراز ہیں:

> ''مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں میں اسلوب کی چاشنی اور شگفتگی نظر آتی ہے ان کے سفرناموں میں مزاح کا رنگ بھرنے کیلئے کہیں کہیں جنس کا سہارا لیا گیا ہے انہوں نے بعض واقعات کو بڑے تجسّس سے ایسے پیش کیا ہے کہ دورانِ مطالعہ قاری کے ذہن میں طرح طرح کے سوال پیدا ہوتے ہیں لیکن اس واقعے کا انجام پھر صرف ایک قہقہے پر ہوتا ہے'' ۵۰؎

یہ مستنصر کے اسلوب ہی کا خاصا ہے کہ وہ اپنے مخصوص طرزِ نگارش کے ذریعے کرداروں کو انتہائی دلچسپ بنا کر پیش کرتے ہیں کہ یوں ان کے کردار اور ان کا مقام و مرتبہ، ان کی صلاحیتیں، معصومیت اور پوشیدہ شرارتیں قاری کے سامنے آجاتی ہیں۔ مستنصر کے اندازِ بیان اور لب و لہجے میں تہذیب و ثقافت کی مٹھاس اور کڑواہٹ کے ساتھ ساتھ زبان کی ''چاشنی''، ان کا ڈرامائی انداز اور بیان کی روانی نے انہیں منفرد مقام و مرتبہ عطا کیا ہے۔

مستنصر اپنے منفرد بیان کی وجہ سے منفرد مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔ ان کا انوکھا اسلوب بیان قاری کیلئے دلچسپی کا باعث ہے۔ وہ عام سے راستے کو بھی ایسے الفاظ عطا کرتے ہیں کہ دل خوش ہونے لگتا ہے۔ ان کے سفرناموں کے قارئین سفرنامہ پڑھنے کے بعد یوں محسوس کرتے ہیں کہ جیسے مستنصر خزاں میں بہار آنے کی خبر دے رہے ہوں۔ وہ پرشکوہ الفاظ میں منظر نگاری کرتے ہوئے داستان سفر یوں رقم کرتے ہیں کہ قاری نہ صرف پڑھتا ہے بلکہ سفر کا پورا پورا لطف اٹھاتے ہوئے سیاحت کے مزے لوٹتا ہے۔ ان کے اس منفرد انداز کی مثال یوں ہے:

> ''دریا کے پار ایک راستہ اوپر کو بل کھاتا جا رہا تھا لیکن یہ ہریاول میں تھا اور جنگلی بوٹیوں اور چیڑ کے درختوں میں سے تھا...... اور یہاں ڈھلوانوں پر پھول بھی لٹکتے تھے...... ہمارے بائیں جانب ایک خاص بلندی کے بعد درخت کم تھے اور یہ سنو لائن تھی...... اس بلندی کے برابر سفید برچ کے ٹیڑھے میڑھے درختوں کا ایک جنگل ڈھلوان پر جھکا ہوا تھا...... دائیں جانب دریائے روپل نیچے رہ گیا تھا بلکہ وہ بہت نیچے تھا اور اس کی آواز اب ہم تک نہیں پہنچتی تھی...... ہم پیچھے مڑ کر دیکھتے تھے، تو وادیٔ روپل ایک ہوائی منظر کی طرح نظر آتی تھی...... اپر اور لوئر روپل اور ان سے پرے ترشنگ گلیشیر کی دیوار...... کیا ہم سچ مچ اتنا فاصلہ طے کر کے یہاں پہنچے تھے......؟ ہماری پگڈنڈی

چھوٹی ہو رہی تھی اور بہت ہی تیزی سے بلند ہو رہی تھی اور سورج بھی زرد ہونے لگا
تھا۔ہم آرام کرتے ......سانس درست کرتے ......چیونگم چباتے چلے گئے!'' ۵۱

مجموعی طور پر مستنصر کے مقام و مرتبے کے حوالے سے بات کی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اصنافِ نثر کے ساتھ ساتھ صنف سفرنامہ نگاری میں بھی انہوں نے خوب نام کمایا ہے ۔انہوں نے اندرونِ ملک و بیرون کے بے شمار سفرنامے تحریر کئے ہیں لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر سفرنامے کو نئے انداز میں دلچسپ بنا کر پیش کرتے ہیں جیسا کہ ''تتلی پیکنگ کی'' چین کا سفرنامہ انتہائی دلچسپ انداز میں شروع کرتے ہیں کہ میں سفرنامہ نہیں لکھ رہا بلکہ ایک تتلی سفرنامہ لکھ رہی ہے ۔اسی طرح اپنے منفرد انداز میں ''الاسکا ہائی وے'' میں کوچ کو ہم سفر بنا کر دلچسپ مکالمے کرتے ہیں ۔یہ انداز مستنصر نہ صرف ان دو سفرناموں میں اپناتے ہیں بلکہ ان کا ہر سفرنامہ دوسرے سفرنامے سے منفرد نظر آتا ہے ۔انہوں نے اپنے سفرناموں میں مختلف انداز سے ادبی، ذہنی، علمی، ذاتی، سیاسی، سماجی، معاشی اور رومانی واقعات کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے ۔جس کی وجہ سے مستنصر کے سفر عوام و خواص میں مقبولیت حاصل کر چکے ہیں ۔چنانچہ مستنصر کا مقام و مرتبہ کرنل محمد خان کے اس حوالے سے واضح ہو جاتا ہے وہ مستنصر کے سفرناموں پر تبصرہ کرتے ہوئے کچھ اس طرح رائے دیتے ہیں:

''اس آوارہ گردی میں جو مقامات اور شخصیات مستنصر کے مشاہدے میں آتی ہیں وہ اتنی غیر معمولی نہیں ہوتیں کہ اس کی روداد کو امتیاز بخشیں ۔جو چیز اس کی تحریر کو پرکشش اور لازوال بناتی ہے وہ اس کا خوبصورت اندازِ بیان ہے بعض حصے تو اس قدر چلبلے اور شگفتہ ہیں کہ یہ شخص اگر سارا سفرنامہ اسی انداز میں لکھتا تو ہمارا مزاح کا کاروبار ٹھپ ہو جاتا۔

دعا ہے کہ مستنصر بکثرت ''شالا پردیسی تھیوے'' تا کہ اردو ادب میں حسین و جمیل سفرناموں کا اضافہ ہوتا رہے ۔یہ دنیا مستنصر جیسے لوگوں ہی کے دم سے حسین ہے وہ ملک، وہ شہر کس کام کا جہاں کم از کم ایک مستنصر حسین تارڑ نہ ہو۔
ویراں شود آں شہر کہ مے خانہ ندارد'' ۵۲

حوالہ جات

1) webster's Ninth New colligiate Dictionary Marriam Websters G&C Marriam company U.S.A 1985

2) Oxford Advanced learner's Dictionary of current English. A.S HOnby, Oxford University press, 1991 4th Edition

۳) قومی انگریزی اردو لغت، جمیل جالبی، ڈاکٹر مقتدرہ قومی زبان طبع اول ۱۹۹۲ء

۴) منشا یاد ''راکھ'' عالمی فروغ اردو ادب ایوارڈ (دوحہ قطر) ۲۰۰۳ء

۵) قراۃ العین طاہرہ، ڈاکٹر، ''مستنصر حسین تارڑ سے ایک مکالمہ''۔ عالمی فروغ ادب

۶) مستنصر حسین تارڑ، ہنزہ داستان، ص۔ ۸۲

۷) انور سدید، ڈاکٹر، گفت وشنید، ص۔ ۲۵۶

۸) مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔ ۱۰۳۔۱۰۴

۹) مظفر محمد علی، ''مستنصر سے خصوصی انٹرویو'' مشمولہ ہفت روزہ عزم، ص۔ ۲۷

۱۰) مستنصر حسین تارڑ، الاسکا ہائی وے، ص۔ ۲۵

۱۱) مستنصر حسین تارڑ، کے ٹو کہانی، ص۔ ۱۳۰

۱۲) مستنصر حسین تارڑ، یاک سرائے، ص۔ ۳۵۔۳۶

۱۳) مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔ ۲۰۵

۱۴) مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔ ۷۷

۱۵) مستنصر حسین تارڑ، مجموعہ مستنصر حسین تارڑ، ص۔ ۵۶۰

۱۶) انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب میں سفر نامہ، ص۔ ۵۹

۱۷) محمود نظامی، نظر نامہ، ص۔ ۹۴

۱۸) ظہور احمد اعوان، ڈاکٹر، چہار سفر نامہ، ص۔ ۱۸

۱۹) جمیل الدین عالی، دنیا میرے آگے، ص۔ ۳۱

۲۰) ابن انشاء، چلتے ہو تو چین کو چلیئے، ص۔ ۶۳

۲۱) ابن انشاء، آوارہ گرد کی ڈائری، ص۔۷۰۔۷۱

۲۲) قراۃ العین حیدر، جہانِ دیگر، ص۔۱۴۴

۲۳) حکیم سعید، جرمن نامہ، ص۔۲۳

۲۴) اشفاق احمد، سفر در سفر، ص۔۱۴۱

۲۵) مختار مسعود، سفر نصیب، ص۔۵۹۔۶۰

۲۶) محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، ص۔۷۷

۲۷) عطاء الحق قاسمی، گوروں کے دیس میں، ص۔۱۲۷

۲۸) ظہور احمد اعوان، ڈاکٹر، چہار سفر نامہ، ص۔۱۵۹

۲۹) اے حمید، لنکا سری لنکا، ص۔۵۰

۳۰) محمد اختر ممونکا، پیرس ۲۰۵ کلومیٹر، ص۔۴۶

۳۱) ممتاز مفتی، ہند یاترا، ص۔۶۸

۳۲) ضیاء ساجد، منتخب مشہور سفر نامے مشمولہ برساتی از شفیق الرحمٰن، ص۔115

۳۳) غفور شاہ قاسم، ڈاکٹر، مستنصر حسین تارڑ، شخصیت اور فن: مشمولہ قومی زبان اگست ۲۰۱۳، ص۔۷۱

۳۴) رشید احمد گوریجہ، ڈاکٹر، بیسویں صدی کا نثری ادب، ص۔۳۰۶

۳۵) مستنصر حسین تارڑ، نکلے تیری تلاش میں، ص۔۱۱

۳۶) شاہد کمال، پروفیسر، ادبیات اردو، ص۔۴۹۶

۳۷) مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۹۱

۳۸) مستنصر حسین تارڑ، چترال داستان، ص۔۶۱

۳۹) مستنصر حسین تارڑ، نانگا پربت، ص۔۲۵۴۔۲۵۵

۴۰) غفور شاہ قاسم، ڈاکٹر، مستنصر حسین تارڑ: شخصیت اور فن: مشمولہ قومی زبان اگست ۲۰۱۳، ص۔۷۳

۴۱) مستنصر حسین تارڑ، نیپال نگری، ص۔۳۴۔۳۵

۴۲) ہفت روزہ عزم، مشمولہ مستنصر حسین تارڑ سے خصوصی انٹرویو جولائی۔اگست ۲۰۰۶ ص۔۳۰

۴۳) الزبیر۔سفر نامہ نمبر مشمولہ اردو سفر نامے میں مزاح کے عناصر از فوزیہ چوہدری ص، ۹۴

۴۴) ظہور احمد اعوان، ڈاکٹر، چہار سفر نامہ۔ص، ۱۶۲

۴۵) ظہور احمد اعوان، ڈاکٹر چہار سفر نامہ۔ص،۱۵۹۔۱۶۰

۴۶) انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب میں سفر نامہ،ص۔۷۱

۴۷) ذوالفقار علی احسن، اردو سفر نامے میں جنس نگاری کا رجحان،ص۔۱۳۸

۴۸) خیابان (اصناف نثر نمبر) مشمولہ پروفیسر رؤف۔شمارہ ۹۵۔۱۹۹۴،ص۔۳۱۹

۴۹) جمیل احمد انجم، پروفیسر، اردو ادب بیسویں صدی میں،ص۔۳۲۳

۵۰) ذوالفقار علی احسن، اردو سفر نامے میں جنس نگاری کا رجحان۔ص،۱۳۹

۵۱) مستنصر حسین تارڑ، نانگا پربت۔ص،۲۳۵۔۲۳۶

باب ششم

مجموعی جائزہ

ادب انسانی زندگی کا معمار اور رہبر ہے جو انسانی شعور اور عزم کی تشکیل میں عملی طور پر حصہ لیتا ہے۔ حیاتِ انسانی کی طرح ادب بھی وسیع ہے۔ ادب انسانی زندگی کے ہر شعبے کی ترجمانی کرتا ہے۔ زبان و ادب سے وابستگی انسان کا فطری تقاضا ہے۔ ہر انسان بقدرِ حیثیت و مرتبہ اس سرگرمی پر آمادہ و تیار رہتا ہے۔ زندہ قومیں ہمیشہ اپنی زبان، تہذیب اور ثقافت کو اہمیت دیتی ہیں۔ ادب کے سیلِ رواں میں مغرب سے مشرق کی طرف اُمنڈنے کا منظر دکھائی دیتا ہے اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ تہذیبوں کے مابین لین دین کا عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ ادب کے اس لین دین کی وسعت سے تخلیقی و تنقیدی اظہار میں تجربوں کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

ادب ایک بڑی تہذیبی قدر ہے جس کے ذریعے ادیب اپنے قلم کی مدد سے خود اپنی صراحت کرتا ہے۔ یوں ادب زندگی کا شارح ہونے کے ساتھ ساتھ زندگی کا ایک باشعور نقاد بھی ثابت ہوتا ہے جو ادنیٰ اور اعلیٰ، خوب اور زشت میں تمیز کرتے ہوئے امتیاز کرنا سکھاتا ہے۔ انسان ابتدائے آفرینش ہی سے قصہ کہانی سننے اور سنانے کا ذوق رکھتا ہے۔ ادیبوں نے انسان کی اس فطرت کو اصنافِ نثر میں پیش کر کے قارئین کو محظوظ ہونے کا موقع عطا کیا ہے۔ ناول، داستان، ڈرامے اور افسانے کی طرح سفرنامہ بھی ایک دلچسپ صنفِ نثر ہے جس کا شمار ادب کی غیر افسانوی اصناف میں ہوتا ہے۔

صنفِ سفرنامہ نگاری انسان کی متلون مزاجی کی بدولت معرضِ وجود میں آئی ہے۔ سفرنامہ ایک زندہ اور متحرک ادبی صنف ہے جو اعلیٰ اقدار و روایات کو اُجاگر کرتے ہوئے زندگی کو نئی راہوں سے روشناس کراتا ہے۔ اگر ہم انسانی تہذیب کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو یہ تاریخ ایک مرحلہ وار سفر سے عبارت نظر آتی ہے کیونکہ انسان نے اپنی تاریخ کا آغاز غار اور پتھر سے کیا، پھر انسان نے زرعی ترقی کا سفر کیا وہ ندیوں کے کنارے آباد ہوا پھر اس نے صنعتی ترقی کی طرف سفر کیا بعد ازاں انسان کا سفر خلاؤں میں بھی ہوا یوں اگر انسان کے ارتقاء کا جائزہ لیا جائے تو انسان کے ارتقاء کی ساری کہانی سفر کے گرد گھومتی ہے۔

روزِ اول سے سفر انسان کی فطرت کا حصہ بنا ہے۔ کائنات کی ہر شے سفر میں ہے اور یہ سفر ازل سے ابد تک جاری رہے گا۔ سیر و سیاحت انسان کا فطری ذوق ہے۔ ایک سفر وہ ہے جو کسی خاص مقصد کیلئے کوئی بھی انسان باعث مجبوری کرتا ہے دوسرا سفر وہ ہے جو سیاحت کی غرض سے کیا جاتا ہے لیکن سیاح مظاہرِ فطرت کو کسی خاص زاویئے سے دیکھنے کیلئے صرف سفر نہیں کرتا بلکہ اپنی آزاد پسند طبیعت کے باعث ظاہر و باطن کو یکجا کر کے دیکھتے ہوئے مناظر سے لُطف اٹھاتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر وزیر آغا یوں بیان کرتے ہیں کہ:

> ''سیاح کا امتیازی وصف ہی یہ ہے کہ وہ اپنے گھر، وطن، نام اور پیشے سے قطعاً منقطع اور بے نیاز ہو کر کسی غیر مادی شے کی طرح سُبک اور لطیف ہو جاتا ہے اور ربندھنوں اور

حد بندیوں کو تج کر ایک آوارہ جھونکے کی سی آزادہ روی کا مظاہرہ کرتا ہے۔مسافر کی حالت تو اس پتنگے کی سی ہے جو مکڑی کے جالے میں قید ہو اور جالے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اور ایک منزل سے دوسری منزل تک جانے کی ڈور سے بندھا ہوا بڑھا چلا جائے لیکن سیاح مکڑی کے جالے سے یکسر آزاد ہے گھر کی دیواروں اور منزل کے دھاگوں سے بھی اسے کوئی سروکار نہیں...... سیاح تو اپنا راستہ خود بناتا ہے......اور مسافر حرکت کرتے ہوئے بھی حرکت کی نفی کرتا ہے"۔ [۱]

سیاحت انسان کے ذہن کو وسعت اور پختگی عطا کرتی ہے اور وہ گروہی، علاقائی اور لسانی تعصّبات کے دائرے سے نکل کر دنیا اور اس کی حسین رنگینیوں کو وسیع تناظر میں دیکھنے لگتا ہے۔یوں سیاح اپنے پیش آمدہ خطے یا علاقے کے تہذیبی، سماجی، ثقافتی، تاریخی، مذہبی اور مقامی احوال و کوائف اور تجربات و مشاہدات کو جب ادبی منظرنامے کی زینت بنا کر پیش کرتا ہے تو وہ سفرنامہ کہلاتے ہیں اور سیاح بذاتِ خود سفرنامہ نگار کہلاتا ہے۔ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کے مطابق سفرنامے کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے:

"سفرنامہ" نسبتاً جدید اصطلاح ہے عربی میں "رحلۃ" اور انگریزی میں "Travelogue" کی اصطلاحات اسی کا مترادف و بدل ہیں۔سفرنامہ نگاری ادب کی ایسی صنف ہے جو سفر کے حالات و واقعات، مشاہدات، کوائف اور تجربات و کیفیات کا اظہاریہ ہے۔یہ وہ بیانیہ ہے جو مسافر کے ذوقِ سفر اور احوالِ سفر کا غماز ہے۔یہ وہ آئینہ ہے جس میں مسافر کے عرصۂ سفر کے روز و شب جگمگاتے ہیں"۔ [۲]

سفرنامہ انسان کے جذبۂ تحیّر کا اظہار ہے۔سفرنامہ نگار وسعتِ نظری سے سفرنامہ تحریر کرتے ہوئے قارئین کیلئے نت نئی معلومات کے ساتھ ساتھ جیتی جاگتی تاریخ و تہذیب مہیا کر دیتا ہے۔مقالے کی ابواب بندی کی تکمیل کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ سفرنامے کی سرحدیں لامحدود ہیں جس کی وجہ سے ہر ایک ادبی صنف کی جھلک سفرنامے میں دکھائی دیتی ہے اور کوئی بھی ادبی صنف آسانی کے ساتھ اپنے آپ کو سفرنامے میں ضم کر لیتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ سفرنامے کو بحیثیت صنف اپنا لوہا منوانے میں کافی عرصہ لگا اور نا دیر سفرنامے کی صنف کو وہ مقام و مرتبہ بھی نہ مل سکا جس کی یہ صنف حقدار تھی۔

اُردو سفرنامے کی روایت و ارتقاء کا جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت منظرِ عام پر آتی ہے کہ ابتداء میں سفرنامہ اردو ادب کی مختلف اصناف میں نمودار ہوتا رہا ہے لیکن سفرنامے کی ابتدائی شکلیں ہمیں زیادہ دلچسپ نظر نہیں آتی کیونکہ

ابتدائی سفرناموں میں کسی خطے یا علاقے کے جغرافیے، محل وقوع اور رسم و رواج کا بیان زیادہ ہوتا تھا جس کی وجہ سے ابتدائی سفرنامے زیادہ تر خشک اور بے رنگ نظر آتے ہیں کیونکہ قدیم سفرناموں میں سفرنامہ نگار کے ذاتی نقطۂ نظر یا طرزِ احساس کا فقدان ملتا ہے۔حقائق اور شواہد کے ذریعے قدیم سفرنامہ نگار جغرافیائی اور تاریخی معلومات کے ساتھ داخلی محسوسات کے بجائے خارجی معلومات کو بیان کرتے تھے۔ڈاکٹر خالد محمود اس حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

''تاریخ جغرافیہ، تہذیب، تمدن، تعلیم، تربیت، سیاست، معاشرت، مذہب، اقتصادیات غرض بیسیوں ایسے موضوعات ہیں جو قدیم سفرناموں میں ہیرے جواہرات کی طرح جگمگا رہے ہیں۔پرانے زمانے میں جب آمدورفت دشوار تھی اس قسم کے معلومات افزا واقعات اپنے اندر بڑی کشش رکھتے تھے۔تاریخی واقعات اور آثارِ قدیمہ سے متعلق قصے، کہانیاں یا مناظرِ فطرت کے مرقعے ہر چیز کے بارے میں واقفیت حاصل کرنے کیلئے طبیعت بے چین رہتی تھی''۔ [۳]

وقت بیت جانے کے ساتھ ساتھ ایسے سفرناموں کی اہمیت کم ہوتی گئی جو محض معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ بنے ہوئے تھے کیونکہ سفرنامہ نگاروں کے سامنے مقصدی پہلو کارفرما تھا۔
انگریزوں کی آمد کے بعد اُردو سفرناموں میں نمایاں تبدیلیاں نظر آتی ہیں جو مثبت اور خوش آئند ثابت ہوئی ہیں۔بیسویں صدی میں سفرنامے کی صنف نے کافی حد تک مقبولیت حاصل کی کیونکہ بیسویں صدی میں اردو سفرنامے میں نفسیات شناسی کا رجحان زیادہ ملتا ہے۔جدید سفرناموں میں موجود شگفتگی اور افسانوی طرزِ احساس کی وجہ سے اُن کی مقبولیت اور قارئین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔جدید سفرنامہ نگاروں نے اپنے مخصوص اور پُرکشش اسلوب کے ذریعے اس صنف کو دلچسپ اور شگفتہ بنا دیا ہے۔جدید سفرناموں میں واضح طور پر گذشتہ ادوار کے سفرناموں سے انحرافی کیفیت نظر آتی ہے۔جدید اردو سفرنامہ نگاری میں محمود نظامی کا ''نظرنامہ'' ایک ایسا سفرنامہ ہے جو قدیم اور جدید سفرنامے کے درمیان ایک حد فاصل قائم کرتا ہے۔قدیم اور جدید سفرناموں پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں کہ:

''قدیم سفرنامہ زیادہ تر خارجی کوائف جمع کرتا تھا لیکن جدید سفرنامے نے خارج اور داخل دونوں جہتوں کا احاطہ کیا ہے اور اب سفرنامہ ایک ایسی صنف ادب کی صورت اختیار کر گیا ہے جس میں داستان، کہانی اور آپ بیتی کے بیشتر عناصر شامل ہیں، تخلیقی اُسلوب کی آمیزش نے اس میں شعری کیفیت بھی پیدا کر دی ہے چنانچہ سفرنامہ صرف

نئے ملکوں اور براعظموں کا ہی مشاہدہ نہیں کرتا بلکہ سیاح کے داخل میں آباد دنیا کی بھی
دریافت ہے اور اب یہ دو دنیاؤں کے سنگم پر تخلیق ہو رہا ہے"۔ [۴]

جدید سفر نامہ نگاروں کی بڑی کھیپ میں مستنصر کا نام نمایاں ہے۔ اُن کا شمار ایسے ادیبوں میں ہوتا ہے جو انفرادیت کے حامل ہیں۔ وہ ایک تخلیق کار کا ذہن، حسن کار کا قلم اور مصور کا دل لے کر آئے ہیں۔ ان کا ذہن کائنات، انسان، روح، وقت اور کان و مکان کی کھوج کے چراغ فروزاں کئے ہوئے ہے۔ تہذیبوں کی وہ حقیقتیں جو تشنۂ تکمیل ہیں جن کا تعلق انسانی زندگی کے بنیادی مسائل سے ہے انہیں مستنصر نے اپنے تخیل اور تفکر کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

مستنصر نے خاندانی لحاظ سے علمی و ادبی ماحول نہیں پایا۔ ان کے آباؤ اجداد تجارت پیشہ تھے۔ وہ یکم مارچ ۱۹۳۹ء کو شہر لاہور میں پیدا ہوئے لیکن ان کا پس منظر دیہات کا ہے۔ ان کے والد چودھری رحمت خان گجرات کے نزدیک ایک گاؤں "جوکالیاں" کے رہنے والے تھے۔ چودھری رحمت خان اپنے زمانے کے پہلے فرد تھے جنھوں نے میٹرک کیا۔ مستنصر کے دادا چودھری امیر بخش ایک زمیندار شخص تھے جو ہل چلاتے تھے البتہ مستنصر کی دادی پڑھے لکھے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں جنہوں نے مستنصر کے والد کو میٹرک تک پڑھایا۔ مستنصر کے والد چودھری رحمت خان ایک Self made انسان تھے جو شہر لاہور آئے تو محنت مشقت کر کے کاروبار میں خوب نام کمایا وہ پھولوں اور سبزیوں کے بیجوں کا کاروبار کرتے تھے انہیں زراعت سے اتنی رغبت اور دلچسپی تھی کہ زراعت کے حوالے سے انہوں نے پچیس (۲۵) کتابیں تحریر کیں۔ یوں مستنصر کو پڑھنے اور لکھنے کا ذوق اُن کے والد کی صحبت سے نصیب ہوا۔ مستنصر اوائل عمری میں اپنا نام ایم۔ ایچ چودھری لکھتے تھے لیکن جب انہوں نے لکھنا شروع کیا تو جاٹ ذات ہونے کی وجہ سے انہوں نے اپنے نام کے ساتھ "تارڑ" لگا دیا یوں وہ ادبی دنیا میں مستنصر حسین تارڑ کے نام سے پہچانے جانے لگے۔ مستنصر نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف اے کیا تو اس کے بعد Textile Engineering میں ڈپلومہ حاصل کرنے کیلئے انگلینڈ چلے گئے۔ پڑھائی کے بجائے انہیں ادب، تھیٹر اور کتابوں میں دلچسپی تھی وہ یورپ سے ڈپلومہ لینے کے بعد وہیں قیام کرنا چاہتے تھے لیکن والد صاحب کی منشاء کے مطابق وطن لوٹنا پڑا اور تقریباً پندرہ بیس سال تک والد کا کاروبار سنبھالا اور لندن سے واپسی کے بعد مستنصر نے اپنے سفر کو "لندن سے ماسکو تک" کے عنوان سے "نوائے وقت" کے ہفتہ وار ادبی میگزین "قندیل" میں شائع کر کے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا یہ ۱۹۵۸ء کا دور تھا۔ اس کے بعد طویل سفر کے تجربات و مشاہدات پر مبنی ۱۹۶۹ء میں مستنصر نے "نکلے تیری تلاش میں" کے عنوان سے پہلا باقاعدہ سفر نامہ تحریر کیا جو پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ اس سفر نامے نے ادبی دنیا

میں ایک تہلکہ مچا دیا۔مستنصر ادبی دنیا میں کئی حوالوں سے جانے جاتے ہیں۔ناول، افسانہ، ڈرامہ، خطوط نگاری، سفرنامے اور کالم، ان کی ادبی زندگی کی قابل قدر جہتیں ہیں لیکن سفرنامہ نگاری اُن کی پہچان بن چکی ہے۔ڈاکٹر رشید امجد اُن کی سفرنامہ نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''سفرنامہ نگاری کی حیثیت سے مستنصر حسین تارڑ کا نام ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے اُن کے سفرنامے کی دو بنیادی خصوصیات اُن کا اسلوب اور سفرنامے کی ثقافتی عکاسی ہے جو انہیں دوسرے سفرنامہ نگاروں سے ممتاز بناتی ہیں''۔ ۵

مستنصر کی ادبی جہتوں کو سمجھنے کیلئے اُن کی دلچسپی کے میدان کو سمجھنا ضروری ہے۔سیاحت کا ذوق وشوق قدرتِ کاملہ نے مستنصر کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔سفر اُن کیلئے تسکین حیات ہے۔ان کے سفرناموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اندرون ملک سیاحت پر مبنی سفرنامے اور بیرون ملک سیاحت کے احوال پر مشتمل سفرنامے۔مستنصر کے سفر کے مشاہدات، تجربات اور محسوسات پر مبنی تحریروں کی تمام حیثیتوں کو اُجاگر کرنے کیلئے مقالے کے ابواب کی تقسیم بھی اسی طرح کی گئی ہے۔

مستنصر لذتِ سیاحت سے آشنا ہیں چنانچہ دنیا کے جن خطوں، علاقوں یا ملکوں کی خوبصورتی اور دلکشی کے بارے میں سنتے ہی بے چین ہو جاتے ہیں اور ہر کار کو تج کر زندگی اور معمولات زندگی کو چھوڑ چھاڑ کر رختِ سفر باندھ لیتے ہیں۔اپنے اس سیاحتی جنون کے بارے میں لکھتے ہیں:

شہباز خان کام کے آدمی نکلے، وہ سوات پر بہت سا کام کر چکے تھے اور میں سوات کے کام آ گیا تھا یعنی کشۂ سوات تھا۔کہہ لیجئے کہ مجھے اِن دنوں سوات ہو گیا تھا جیسے لوگوں کو عشق ہو جاتا ہے ایسے ہی مجھے بھی کسی مقام کے ساتھ آشنائی کے بعد کچھ ہو جاتا ہے، کبھی ہنزہ ہو جاتا ہے کبھی دریائے گھاگرا ہو جاتا ہے تو جیسے ان دنوں مجھے نانگا پربت ہو چکا ہے اُن دنوں سوات ہو گیا تھا......شہباز خان نے میرے زخموں پر مرہم رکھا اور سوات کے بارے میں انہوں نے جو تحقیق کی تھی وہ میرے سامنے رکھ دی لیکن ہوا یہ کہ سوات کی طرف سے افاقہ ہوا تو مجھے گندھارا ہو گیا......اس کا علاج بہت سارے لوگوں نے کیا لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔شہباز خان یہاں بھی میرے کام آئے''۔ ۶

مستنصر کسی مجبوری کے تحت سفر نہیں کرتے بلکہ وہ ہر قید سے آزاد ہو کر فطری مناظر سے لطف اٹھاتے ہیں اُن کا ہر قدم ایک نئے جہاں کی خبر لاتا ہے وہ نئے مناظر اور دلفریبیوں سے ہمکلام ہوتے ہیں وہ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر راستے کی دشواریوں کو پرکاہ سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک سیر و سیاحت محض آوارہ گردی کرنے اور مناظرِ قدرت کا مظاہرہ کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ اپنے دل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایک نئے جہاں کی دریافت کیلئے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

''سفر کسی مقصد خاص کے پیش نظر کیا جاتا ہے۔ کوئی کام، کوئی ضرورت، کوئی اُفتاد محرک بنتی ہے جبکہ سیاحت صرف اپنے لئے ہوتی ہے...... سیاحت من کی ترنگ اور اپنا انعام آپ ہے''۔ ۷

مستنصر دورانِ سیاحت نئی دنیاؤں کی دریافت کرتے ہیں انہوں نے مناظرِ قدرت کے ہر رنگ اور ہر روپ کو ہر چھاؤں اور ہر دھوپ کو زندگی کی حرکت اور حرارت کا نغمہ جانا وہ بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے اپنے مشاہدات و تجربات اور محسوسات کو سفر نامے میں ڈھالتے ہیں اور قارئین کو تاریخی، تہذیبی، ثقافتی، سماجی، معاشی اور نفسیاتی کیفیات سے روشناس کراتے ہیں۔ مستنصر نے اپنے عمیق اور گہرے مشاہدے کے ذریعے معلومات کو شگفتہ اسلوب اور دلچسپ واقعات میں پیش کیا ہے۔ وہ اپنے سفر ناموں میں مقامات کی سیر کا احوال افسانوی و ادبی رنگ میں تحریر کرتے ہوئے احساسات کو جذباتی ڈھنگ میں بیان کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ وہ مظاہرِ فطرت اور مظاہرِ انسانی کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں اور دلچسپ انداز میں ان مشاہدات کو سفر نامے کا حصہ بناتے ہیں۔

مستنصر نے اپنے سفر ناموں میں پتھر کی عمارتوں یا جغرافیائی اور تاریخی مقامات کی بجائے انسانی زندگی کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ وہ سفر نامے کو زندگی کا متحرک بیانیہ گردانتے ہیں۔ انہوں نے اپنے سفر ناموں میں زندہ کرداروں کو شامل کر کے انسانی شخصیت نگاری کے مرقعے پیش کیے ہیں۔ مستنصر خارج سے باطن کے سفر میں جن دریافتوں سے آشنا ہوتے ہیں اس میں قاری کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ ہر فنکار چاہتا ہے کہ اس کا ربط قاری سے نہ صرف برقرار رہے بلکہ زیادہ سے زیادہ بڑھتا چلا جائے اس کے لئے وہ شعوری اور لاشعوری سطح پر کوشاں رہتا ہے۔ مستنصر بھی کئی بار شعوری سطح پر اس کوشش میں مصروف رہتے ہیں کہ وہ اپنی تحریر کو قاری کیلئے زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنائیں اس عمل کو پانے کیلئے وہ کبھی تاریخ سے مدد لیتے ہیں کبھی انسانی نفسیات کی مختلف جہتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں حتیٰ کہ علامت نگاری اور جنس نگاری سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اس لئے قارئین کا ایک وسیع حلقہ مستنصر کے سفر ناموں میں محض اس لئے دلچسپی لیتا ہے کہ اس میں تخیل کی فراوانی اور جنس نگاری کا عنصر موجود ہے جیسے ''نکلے تیری تلاش میں' ایسا سفر نامہ

ہے جس میں قاری کو رومانی تخیل کیلئے کافی مواد موجود ہے اس کی نسبت اندرون ملک سفرنامے خالص سیاحتی سفرنامے ہیں۔جنس مغربی تہذیب کا ایک خاص اور منہ زور حوالہ ہے اس لئے بیرون از ملک سفرناموں میں جنس نگاری کا عنصر زیادہ ہے۔

مستنصر ایک روایتی مرد ہونے کی حیثیت سے طبقۂ نسواں میں غیر معمولی دلچسپی رکھتے ہیں خصوصاً مغربی ممالک کے سفر میں یہ خاصیت خاصی نمایاں ہو جاتی ہے جو بعض اوقات گراں محسوس ہوتی ہے اور ناقدین اسے سخت الفاظ میں یاد کرتے ہیں جیسے ذوالفقار علی احسن لکھتے ہیں:

> مستنصر کی جنس نگاری ایک طرح کا ابنارمل رویہ معلوم ہوتا ہے۔ان کے سفرناموں میں ذہنی عیاشی کا عنصر بہت نمایاں ہے اس طرز عمل یا طرز نگارش میں فرد بظاہر احساس برتری کے تحت نمائش پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن ہر طرح کے احساس برتری کے عقب میں دراصل احساس کمتری ہی کارفرما ہوتا ہے۔مستنصر کو بھی یہی عارضہ لاحق ہے۔مستنصر کے ہاں دوشیزاؤں کی کثرت نظر آتی ہے۔کے ٹو کی برفیلی چوٹیاں ہوں یا اُندلس کے حسین باغات،پیرس کی گلیاں ہوں یا پیکنگ کے بازار ہر جگہ دوشیزائیں ان کا سواگت کرنے کیلئے تیار کھڑی ہوتی ہیں۔سچ ہے:خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے۔ ۸

''نکلے تیری تلاش میں''ایسا سفرنامہ ہے جس میں قاری کو رومانی تخیل کیلئے کافی مواد ملتا ہے اس کی نسبت اندرون ملک سفرنامے خالص سیاحتی سفرنامے ہیں۔جنس مغربی تہذیب کا ایک خاص اور منہ زور حوالہ ہے اس لئے بیرون از ملک سفرناموں میں جنس نگاری کا عنصرہ زیادہ ہے۔نمونہ ملاحظہ ہو:

> ''ہم دونوں کافی پینے لگے...... خاموشی کا ایک طویل وقفہ......پگھلتی موم گولائی کے ساتھ لپٹی ایک رواں بیل کی طرح نیچے اتر کر مگ کی پشت پر پھیل رہی تھی۔
> ''تم ایسی حسین لڑکیوں کو تو جوڈو کا لباس پہننے کی ضرورت نہیں'' بالآخر میں نے اس وقفے کو توڑا۔''تمہیں تو دیکھ کر ہی ہتھیار ڈال دینے کو جی چاہتا ہے''اس کے گول چہرے پر موم بتی لشکی۔تم اطالویوں کی طرح جھوٹی مگر خوبصورت باتیں کرتے ہو......''۔''مجھے معلوم ہے کہ تمہاری یہ خواہش ہے کہ میں اس شہر میں تمہاری رفاقت میں چلوں،باتیں کروں، ہنسوں،لیکن تمہارے اندر ایک بے چین بے جہتی ہے۔تم

کوشش کرکے خوش رہتے ہو اور مشقت سے خوبصورت فقرے کہتے ہو، اور اداسی کی ایک ہلکی سی حدت ہمہ وقت تمہاری آنکھوں میں جلتی رہتی ہے......"۔

"بھئی میں تم سے محبت کرتا ہوں، شدید اور نہایت جذباتی قسم کی، اور اگر میرا اطالوی ویزہ کل ختم نہ ہو رہا ہوتا تو میں تمام وقت تمہاری وین کے پیچھے لٹک کر آہیں بھرتا رہتا...... میں قسم کھاتا ہوں......" میں نے ہنستے ہوئے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔

"اوہ تم بہت ہی ناقابل یقین قسم کے آدمی ہو مستنصر" "وینڈی" مسکرا دی۔ "جس طرح تم مجھے بتائے بغیر پلازما سائوریا میں چھوڑ کر غائب ہو گئے تھے تو مجھے اسی وقت شک ہوا تھا کہ تمہارے ذہن میں کچھ فتور ہے اور میں ایک نیم دیوانے شخص کے ساتھ وینس میں ہرگز گھومنا نہیں چاہتی"۔ "بالکل" میں نے سر ہلا دیا......

"تم دراصل مجھے پلازما سائوریا میں ہی چھوڑ آئے ہو......" اُس نے سر جھٹک کر میری طرف دیکھا۔ مسکراہٹ سمٹنے لگی، چہرہ آگے آیا، ہونٹ جدا ہوئے، نیم دائرے میں بدلے اور ایک گہرا سانس موم بتی کے شعلے پر بجھ گیا یکدم اس کا چہرہ اندھیرے میں یوں چمکا جیسے کسی نے ماچس جلا دی ہو۔ یہ روشنی لمحہ بھر کیلئے میرے گالوں پر نم آلود حدت کے ساتھ پھیلی۔ پھر وہ اٹھی اور پردہ اٹھا کر خیمے سے باہر نکل گئی"۔ 9

مستنصر علمِ نفسیات سے دلچسپی رکھتے ہیں جس کی بدولت وہ کئی انسانی جہتوں کو خوبی سے پیش کرنے پر قادر ہیں۔ ان کے سفرناموں میں انسانی نفسیات کی نہ صرف عکاسی ملتی ہے بلکہ بھرپور وضاحت بھی۔ ڈاکٹر وحید قریشی اس عمل کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"نفسیات کے مطالعہ نے ہمارے لکھنے والوں کو یہ احساس دلا دیا کہ جنسی جذبہ خیر اور برکت کی چیز ہے، قدیم معاشرتی اقدار میں سب سے زیادہ اس رجحان کو دبانے اور کچلنے کی کوشش کی تھی۔ اب علمِ نفسیات کی ترقی نے اسے زندگی کی بنیادی قدروں میں شامل کر دیا ہے"۔ 10

مستنصر نے اپنے سفرناموں میں سماجی حقیقت نگاری کو مخصوص صورتحال یا کرداروں کے ذریعے واضح کیا ہے۔ انہوں نے زندگی کی رعنائیوں اور سنگینیوں کا ذکر بلا تامل کیا ہے۔ وہ مختلف قوموں کے اخلاقی محاسن کے ساتھ ساتھ فاسقانہ زندگی کی جھلکیاں بھی دکھاتے ہیں۔ مستنصر حقیقی معنوں میں معاشرے کی قدروں کی ترجمانی کرتے ہیں۔

اُن کے ابتدائی دور کے سفرناموں جیسے '' نکلے تیری تلاش میں'' اور'' خانہ بدوش'' میں جذباتی انداز میں جنس نگاری کی گئی ہے۔ جس میں معاشرے کی قدروں کی حقیقی ترجمانی کے بجائے جنسی تلذذ زیادہ پایا جاتا ہے۔ جوں جوں مستنصر کے تجربات بڑھتے گئے اُن کی تحریروں میں سنجیدگی کی کیفیت بڑھتی گئی۔ مستنصر جنس کا سہارا لئے بغیر سفرنامہ مکمل نہیں کرتے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جنس کا بیان مستنصر کا مقصد نہیں ہوتا بلکہ مقصد کو بیان کرنے کیلئے وہ جنس کو بطور زینہ استعمال کرتے ہیں۔

جنسی خواہش ایک فطری حقیقت ہے۔جس سے انحراف کرنا کسی بھی فنکار کیلئے ممکن نہیں ہوتا چونکہ سفرنامہ نگار کسی خطے یا علاقے یا ملک وقوم کی تہذیب وثقافت پر روشنی ڈالتا ہے اس لئے اس حقیقت کو پسِ پردہ نہیں رکھ سکتا۔

ذوالفقار علی احسن یوں رقمطراز ہیں کہ:

> ''مستنصر حسین تارڑ نے سفرنامے کو خارجی سے داخلی احساسات سے روشناس کیا۔ شاید اسی لئے ان کے سفرناموں میں ان کے عشق کی داستانیں بھی ملتی ہیں اور بعض اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہر سفرنامے میں اپنے تازہ عشق کو بیان کر رہے ہیں اس طرح اُن کے سفرنامے اُن کی عشق کی داستانوں کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ مختلف مقامات کی سیر کے دوران سفرنامے میں دلچسپی پیدا کرنے کیلئے وہ خواتین کا ذکر خوب کرتے ہیں اور ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بعض اوقات وہ مقامات کی سیر کم اور خواتین کی سیر زیادہ کرواتے ہیں۔ مستنصر بعض مقامات پر سچویشن کو اس قدر رومینٹسائز کر دیتے ہیں کہ سفرنامے کا گمان کہیں بہت دور دھند لکے میں رہ جاتا ہے اور پھر یوں لگتا ہے جیسے کسی افسانے کا مطالعہ شروع کر دیا گیا ہے۔ مستنصر کے قلم کی جولانیاں وہاں بطور خاص دیکھنے والی ہوتی ہیں جہاں انہیں کوئی کومل سا چہرہ دکھائی دیتا ہے۔ بعض اوقات انہیں خود پر قابو نہیں رہتا۔ ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ وہ جو کچھ دیکھتے اور سوچتے ہیں اسے بلا جھجک صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیتے ہیں یعنی بٹن اور بلاؤز کے اس کھیل میں وہ جھجک اور شرم کی اوٹ میں نہیں چھپتے اور نہ ہی منافقت کا دبیز یا مہین نقاب اپنے چہرے پر ڈالتے ہیں بلکہ وہ جس طرح اور جس شدت سے سوچتے ہیں اسی شدت سے اس کا برملا اظہار بھی کر دیتے ہیں۔ اگر مستنصر حسین تارڑ کسی مقام پر خواتین کو تاڑتے یا ہوس زدہ نظروں سے دیکھتے ہیں تو اس کو بھی بیان کر دیتے ہیں ان

کا اسلوبِ بیان ایسا ہے کہ اس سلسلے میں قاری کی ساری "ہمدردیاں" مستنصر کے ساتھ ہوتی ہیں"۔ [11]

مستنصر اپنے مخصوص انداز میں یورپ و ایشیا اور مشرق و مغرب کی تہذیب و ثقافت کو اپنے سفر ناموں میں پیش کر کے بے شمار حقیقتوں کا انکشاف کرتے ہیں۔ قارئین کیلئے مستنصر کے سفر نامے اس لئے دلچسپی کا باعث ہیں کہ ان میں عوام و خواص کو اپنی زندگی کا عکس نظر آتا ہے وہ سفر نامے میں اجتماعیت کے ساتھ ساتھ انفرادیت کے رنگوں کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ اپنے ذاتی حالات و تجربات بھی سفر نامے کا حصہ بنا لیتے ہیں جس سے قاری لطف اندوز ہوتا ہے۔ مستنصر کے سفر نامے قارئین اس لئے دلچسپی سے پڑھتے ہیں کہ اُن کے سفر ناموں میں عوام و خواص کو اپنی زندگی کا عکس نظر آتا ہے کیونکہ مستنصر کے سفر ناموں میں جدید سفر ناموں کی شیرینی موجود ہوتی ہے اور وہ معاشرتی جھلکیاں دکھانے کے ساتھ ساتھ اپنے نجی واقعات کو بھی بیان کرتے ہیں جو قاری کو لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ قارئین کے حلقے میں سفر نامے کی شمع روشن کرنے والوں میں مستنصر کا نام قابل تحسین اور سرفہرست ہے کیونکہ مستنصر نے سفر نامے کے ہر موڑ پر اپنی سیاحت کی نان کو حج کا احوال بیان کرتے ہوئے بھی وہ اپنے مخصوص انداز کو نہیں چھوڑتے۔ مستنصر اپنے تخلیقی سفر میں اُن تہذیبی خوشبوؤں کو محسوس کراتے ہیں جن تک رسائی قارئین کے لئے آسان نہیں اُن کی تحریریں جدید سفر ناموں کی ایسی کڑی ہیں جنہوں نے انسان کو مختلف ذائقے چکھنے کا موقع فراہم کر کے جمال آگیں لمس کا احساس دلایا۔ آزادی سے سوچنے کی عادت نے مستنصر کے سفر ناموں میں بے باکی اور لہجے کی تیزی و طراری پیدا کر دی ہے۔ وہ خارجی کیفیات کے بیان کو باطنی کرشمہ سازی کے انداز سے تحریر کر کے اپنے سفر ناموں کو کامیاب بناتے ہیں۔ مستنصر کا جرأت اظہار اور رومانی رجحان زندگی کا تصور پیش کرتا ہے۔ اُن کے سفر ناموں میں تانیثیت کا تصورات نمایاں ہے کہ وہ حج کا سفر نامہ تحریر کرتے ہوئے بھی اپنے مخصوص انداز کو پس پشت نہیں چھوڑتے۔ ڈاکٹر وحید الرحمٰن خان یوں رائے دیتے ہیں:

"تارڑ صاحب نے مقدس سفر کے دوران اپنی نظروں کی خوب حفاظت کی ہے۔ وہ صنفِ نازک کو چشمِ تمنا سے دیکھتے ہیں اور نہ ہی دزدیدہ نگاہی کا مظاہرہ کرتے ہیں سہو نظر کی بات اور ہے لیکن سوء نظر کو انہوں نے حرام ہی جانا ہے۔ تارڑ صاحب کا تصورِ زن، اس سفر میں اپنا دائرہ مکمل کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ سفینۂ حسن اور ہوس کے پانیوں سے گزرتا ہوا کنارے آ لگا ہے اس کنارے پر عورت محض کائنات کی رنگینی کا باعث نہیں بلکہ کائنات کی ہستی کا سبب بھی ہے۔ اسی کے دم سے سازِ ہستی میں صدا ہے اور یہ

صد تعظیم اور تقدیس کی لہروں پر بہتی ہوئی پوری کائنات میں موجزن ہے تارڑ صاحب نے ''حج'' کو ''ہاجرہ'' قرار دے کر وجودِ زن کے عزّوشرف کو نمایاں کیا ہے''۔ ١٢

مستنصر سفرنامے کے فن سے بخوبی واقف ہیں اس لئے ان کے سفرنامے چاہے وہ کسی بھی علاقے یا موضوع کے متعلق ہوں یکساں ذہنی اور تخلیقی رویئے کی بدولت مقبولیت کی وجہ بنے ہوئے ہیں ان کے سفرنامے چاہے مقامی ہوں، مذہبی ہوں یا مشرق اور یورپ وامریکہ کے حوالے سے لکھے گئے ہوں اُن کی سبھی تحریروں میں قاری کی دلچسپی ضرور ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنا پہلا باقاعدہ سفرنامہ ''نکلے تیری تلاش میں'' لکھ کر اردو سفرنامے کی تاریخ میں ایک نیا باب رقم کیا ہے۔ اُن کے افسانوی رنگ نے سفرنامے کی تکنیک کو نئی نہج پر لا کھڑا کیا ہے۔ اسی طرح ''اُندلس میں اجنبی'' مستنصر کا ایسا تاریخی سفرنامہ ہے جس کی انفرادیت مسلمہ ہے۔

مستنصر اپنے سفرناموں میں تاریخ، تہذیب اور کلچر کے تصور کو واضح اور نمایاں انداز میں پیش کرتے ہیں۔ وہ اخلاقی وروحانی نظام اور اُس کی تفصیلات پر بھی بحث کرتے ہیں۔ وہ انسان کو اپنے سفرناموں کے ذریعے سے تمام مدارجِ حیات کا احساس ودیعت کرتے ہیں۔ وہ مشاہدے کی قوت سے خوب کام لیتے ہیں اور گردوپیش کے مناظر کو اپنے تاثرات کے ساتھ کھل کر بیان کرتے ہیں۔ اُن کا ذوق مطالعہ شوق سیاحت کو وسعت عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مستنصر اپنے سفرناموں میں قاری پر مکمل گرفت رکھتے ہیں وہ مذاہب، تہذیبوں، ثقافتوں اور انسان کے حسن وحسن عمل سے برآمد ہونے والی آفاقی سچائیوں کو سفرناموں کی زینت بناتے ہیں۔ وہ پہاڑوں، چٹانوں، شہروں اور دیہاتوں میں تہذیب و ثقافت کے گمشدہ نوادرات کو قارئین کے سامنے پرکشش انداز میں پیش کر کے اُن کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ تہذیب و ثقافت سے دلچسپی مستنصر کا اہم مشغلہ ہے۔ وہ تہذیب و ثقافت کے حوالے سے وسیع مطالعہ رکھتے ہیں اسی لئے اُن کے سفرنامے تہذیب و ثقافت کی تاریخی پیشگوئی کرنے میں ایسے جواہرات ہیں جو اردو ادب میں صنفِ سفرنامہ کے تاج میں جگمگاہٹ پیدا کرتے ہیں۔ وہ حوادث وشواہد کو معتبر دستاویزات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ وہ سفرنامے کے فن کو اتنے واضح اور شفاف انداز میں بیان کرتے ہیں کہ قارئین کسی ابہام کا شکار نہیں ہوتے۔ اُن کے سفرناموں میں فلسفیانہ اندازِ نظر کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے مشاہدات و تجربات کو جذبات کے سانچے میں ڈھال کر زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کر کے اُجاگر کرتے ہیں۔

اشفاق احمد مستنصر کی تحریروں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مستنصر کے قلم میں بڑا زور ہے فقروں کی بناوٹ میں بڑا حسن ہے بات کرنے میں بڑی شوخی ہے، پر اس کی ہر سوچ ابھی جوان ہے جو ہر اچھی لڑکی اور ہر سوہنی تحریر کے

پیچھے لگ جاتی ہے۔اس نے بہت سے سفر کیے ہیں اور بہت کچھ دیکھا ہےاور پرکھا ہے اس پر بہت کچھ بیتا ہے پر یہ ابھی تک لکھتا کتاب وشنید سے ہے۔ان ذاتی خزانوں کے بدلے میں غیروں کے پھلیاں بتاشے لے کرانہیں کڑکا تا ہےاوراپنا لہو پسینہ بہا کر پیسہ بنا تا ہے یہ بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ یہ خرابی ہم سب میں موجود ہے کہ ہم کتاب بہ کتاب شاعر بنتے ہیں اور کتاب بہ کتاب قصہ گو،لیکن مستنصر کواس کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔وہ تو بہت چلتا پھرتا آدمی ہے، بہت میل ملاپ والا نوجوان ہے......'' ۱۳

مستنصر اپنی منفرد صلاحیتوں کو بروئے کارلاتے ہوئے سفرنامے کے فن میں جدت کے موتی بکھیرتے ہوئے انسان کے باطن کی بازگشت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ قارئین پرمحویت طاری ہوجاتی ہے۔انسان جس کے وجود کو دو ستون تھامے ہوتے ہیں یعنی جسم اور ذات جومل کرانسان کی شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں لیکن انسان کی شخصیت کی تعمیر میں متعدد تجربے حصہ لیتے ہیں مستنصر اپنے سفرناموں میں مختلف کرداروں کے ذریعے شخصی عناصر اور اُن کے نفسیاتی عوامل کواپنے مخصوص انداز میں اجاگر کرتے ہیں۔انسانی کرداروں میں دلچسپی لینا،قدم قدم پر حیرت وتعجب میں مبتلا ہوکرانسانی تہذیبوں کے موازنے کرنا مستنصر کے قلم کا خاصا ہیں وہ حسن پرست اور زیست پرست ہیں جوخوبصورت زندگی کے تمنائی ہیں،اُن کے سفرنامے مناظر میں ڈوب کرتہہ سے موتی نکال کر لکھے گئے ہیں وہ مناظر کی تہہ میں غوطہ لگا کرموتیوں کی تابانی کی تصویر کھینچ کرکاغذ پر خوشبوئیں بکھیرتے ہیں یہی مستنصر کی تحریروں کا کمال ہے کہ وہ جزئیات کا رس نچوڑ کرلفظوں کی خوشبودار مالا پرودینے کے ہنر سے شناسا ہیں۔

مستنصر سفرنامے کے فن کوتکنیک کے نئے تجربات سے روشناس کراتے ہیں۔اُن کا اسلوب اتنا پرتاثیر اور مسرت انگیز ہے کہ وہ اپنے منفرد افسانوی وداستانوی اسلوب کی تکنیک کے ذریعے اپنے سفرناموں میں قارئین کیلئے مسرت آفرینی کا طلسم برقرار رکھتے ہیں۔اُن کے سفرناموں میں لطف کی نئی کرنیں قارئین کے قلب و ذہن کے گوشوں کومنور کرتی ہیں۔مستنصر کے سفرناموں میں ماہرانہ گرفت اور فنکارانہ آراستگی نظر آتی ہے۔مستنصر کے سفرناموں میں تاریخ،تہذیب اور ثقافت اُجاگر کرنے کا رجحان ملتا ہے لیکن اُن کی خوش اسلوبی کی بدولت اُن کے سفرناموں میں ایسی فکر کہیں نظر نہیں آتی جو قارئین پر بوجھل اور گراں گزرے بلکہ ہمیں مستنصر کی تحریروں میں اُن کی فکر محسوسات میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے جو اُن کا خاص انداز بیان ہے۔ڈاکٹر انور سدید مستنصر کی تخلیقی شخصیت کی قابل قدر جہت پر رقمطراز ہیں کہ:

''مستنصر ٹریول لائٹ کے اصول پر عمل کرتا ہے۔ سفر اس کیلئے کوہ ندا کا آوازہ ہے اور وہ بوئے حیات کے اس مست بلاوے پر بے اختیار لپکتا چلا جاتا ہے۔ اس کا سفر نامہ زندگی کا مسلسل اور متحرک بیانیہ ہے اور وہ سفر میں تتلیوں، رنگوں اور پروں کو ہی نہیں پکڑتا بلکہ جذبے کے جزرومد کو بھی گرفت میں لینے کی کوشش کرتا ہے اور سفر نامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کیلئے زندہ کرداروں کو بھی شامل کرتا چلا جاتا ہے۔ ان کرداروں کی وجہ سے اکثر اوقات تو یوں بھی محسوس ہوتا ہے کہ مستنصر شعوری طور پر ایک افسانہ تخلیق کر رہا ہے جو ایک نقطۂ سفر سے شروع ہوتا ہے اور کلائمکس کی پوری قوس بنا کر سفر کے کسی مقام پر ختم ہو جاتا ہے لیکن اختتام پر ذہن میں ایک عجیب سے ہلچل ضرور مچا دیتا ہے''۔

> مستنصر حسین تارڑ نے صرف مقامات کا سفر نامہ نہیں لکھا بلکہ وہ جذبات کے جزرومد کو بھی افسانے کی بُنت میں شامل کر دینے والا فنکار ہے۔ سیاحت کے دوران اسے جن کرداروں سے واسطہ پڑتا ہے وہ سب اپنی شخصیت کے انوکھے کنارے اور زاویئے بھی رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر سویڈن کے سفر نامے میں پولیس افسر کارل گستاف ایمر اور اس کی بیوی رنگر ڈلنکا سٹر اور لیک ڈسٹرک کے راستے پر ملنے والی لڑکی آئرین۔ سرخ کوٹ سر پر اوڑھ کر خاموشی سے سو جانے والی لنگڑی پاسکل۔ بیوی سے خوفزدہ سکھ دیپ۔ بات بات پر لطیفہ بیان کرنے والا ٹونی وغیرہ چند ایسے کردار ہیں جن کے خدوخال مستنصر نے بڑی چابکدستی سے مشاہدہ کئے اور ان کی شخصیات کو بڑی صناعی سے کاغذ پر اتارا ہے''۔ [۱۴]

مستنصر کے سفر نامے جمالیات کا مظاہر ہیں وہ سفر ناموں میں فنکارانہ پختگی اور چابکدستی سے حسین مناظر کو ایسے ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں کہ وہ کسی مصور کی بنائی ہوئی خوبصورت تصویر کا رُخ پیش کرتے ہیں۔ مستنصر اپنے احساساتِ لطیفہ کی بدولت فنِ سفر نامہ نگاری کو انوکھی اور حسین سوغات عطا کرتے ہیں۔
ان کے سفر ناموں کا اسلوب اتنا دلکش ہے کہ حلقۂ ادب میں ان کے سفر ناموں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مستنصر کے سفر نامے نشانِ راہ کا درجہ بھی رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے سفر نامہ نگاری کے حوالے سے خوب شہرت حاصل کی ہے۔ پروفیسر جمیل احمد انجم تارڑ کی سفر نامہ نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں رائے پیش کرتے ہیں:

> ''مستنصر حسین تارڑ نے سفر نامہ نگاری سے شہرت حاصل کی اور ناول نگاری، کالم نویسی ان کے سفر ناموں کی بناء پر مشہور ہوئیں۔ ان کے سفر ناموں میں ''اندلس میں اجنبی''، '' نکلے تیری تلاش میں'' وغیرہ مشہور ہیں۔ ان کے سفر ناموں میں تارڑ کا اسلوب بڑا شوخ اور بے باک ہے۔ تارڑ کے یہ سفر نامے تخلیقی شان کے مالک ہیں۔ انہوں نے

ان سفرناموں میں کئی ناقابل فراموش کردار تراشے ہیں ......انسانوں کے رویئے ان
کے احساسات کے تاروں کو چھیڑتے ہیں انہوں نے محض سفرنامہ لکھنے کیلئے یہ سفر نہیں
کئے بلکہ ایک سیاح کے نقطہ نظر سے یہ سفر کئے ہیں'' ۱۵

مقالے کے گزشتہ ابواب میں سفرنامہ نگاری، جدید و قدیم سفرنامہ نگاری اور خصوصاً مستنصر کے سفرناموں اور ان کی تکنیک کے تجربات اور سفرناموں میں جنس نگاری کے اثرات پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔حاصلِ بحث یوں ہے کہ مستنصر سفرناموں کو نئی جہت و تکنیک کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ان کے سفرناموں کی کامیابی کی اصل وجہ ہی ان کا اسلوبِ بیان ہے۔وہ اپنے مشاہدات و تجربات کو دلکش اور موثر اسلوب میں بیان کر کے اپنے سفرناموں کو رجحان ساز بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مستنصر کے سفرنامے اپنی شگفتگی، اسلوب کی دلآویزی اور افسانوی طرزِ احساس کی بدولت نمایاں ہیں۔مستنصر اشیاء اور مناظر کے بیان میں محاکات نگاری بھی کام لیتے ہیں۔وہ مشاہدات کے اظہار کیلئے الفاظ کا استعمال یوں کرتے ہیں کہ قارئین ان کے سفرنامے پڑھتے ہوئے مناظر کی ہوبہو تصویریں اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگتے ہیں۔مثال ملاحظہ ہو۔

''بیجنگ سے نکلتے ہی ہماری کوچ پانچ چینی لڑکیوں کے سفید مجسموں کے گرد گھومی......
ان چینی مٹیاروں کے ہاتھ ایک دوسرے میں گندھے ہوئے تھے اور وہ ایک نیم دائرے
میں حرکت کے انداز میں ساکت تھیں اور ان کی پونی ٹیلز جو بظاہر پتھر کی تھیں، ہوا میں
معلق تھیں۔ میں خاص طور پر اس مجسمے کا تذکرہ اس لئے کر رہا ہوں کہ جب ہماری کوچ
ان کے گرد گھومی تو سکوت میں آئے ہوئے پتھریلے بدن گویا حرکت میں آگئے کہ ان
کے رقص میں گھومنے اور ہماری کوچ کے ان کے گرد گھومنے میں کوئی ایسا تناسب تھا کہ
وہ پانچوں کِکلی ڈالنے لگیں۔کِکلی کلیر دی پگ میرے ویر دی......دوپٹہ میرے بھائی
دا...... فٹے منہ جوائی دا۔الاپتی ہوئی پنجابی مٹیاریں ہو گئیں اور دائرے میں رقص کرتی
گھومنے لگیں......لیکن یہ صرف پل دو پل کا کھیل تھا......جونہی ہماری کوچ ان کے گھر
گھسن گھیری کھا کر باہر نکلی تو وہ پھر سے پتھرا گئیں......۱۶

ان کے اسلوب کی اصل خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اپنی سیاحت کے تاثرات، مشاہدات و تجربات کو اپنے جذبات میں ڈھال کر سفرناموں میں اس طرح شامل کیا ہے کہ ان کے مشاہدات و تجربات اور تاثرات کسی بھی خطے، علاقے یا ملک کی تاریخ کا پس منظر بن کے تہذیب و ثقافت اور معاشرت کا آئینہ دار بن جاتے ہیں۔

مستنصر کے سفرنامے معلومات کا بے بہا خزینہ ہیں۔ان کے سفرنامے آرائش و زیبائش اور حسن و جوانی کے سیلاب کے دلفریب مناظر کی جاذبِ نظر تصویریں دکھاتے ہیں۔مستنصر کے سفرناموں کے قارئین ان کی وسعت معلومات کی فراہمی،تصور،آفرین تخیل کی چاشنی اور مصورانہ چابکدستی کی داد بے ساختہ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں کیونکہ مستنصر اپنے منفرد انداز بیان سے تاریخ کے عہد کے دھندلکوں میں کھوئے ہوئے واقعات کو تحریر کے آئینے میں عکس ریز کر کے قارئین کو شعور عطا کرتے ہیں۔مستنصر لاشعوری طور پر اپنے عہد کی عکاسی بھی کرتے ہیں اور قارئین کو تاریخی و جغرافیائی معلومات سے بھی مالا مال کرتے ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں میں مشاہدات و تجربات کے واقعات و تاثرات کے خارجی مظاہر کو داخلی احساسات میں لپیٹ کر یوں بیان کیا گیا ہے کہ مصنف کے ذہن پر گزرنے والی واردات قاری کو اپنی واردات محسوس ہونے لگتی ہے۔

مستنصر کے سفرناموں میں ڈرامائی لب و لہجے نے مناظر کے بیان کو بڑی کامیابی سے قاری تک پہنچایا ہے۔ مستنصر مناظر کو بڑے دلکش اور خوبصورت انداز میں یوں بیان کرتے ہیں جیسے تھیٹر میں مناظر کے پردے لگے ہوتے ہیں ایک کے بعد ایک پردہ اٹھتا جاتا ہے اور دیکھنے والوں کیلئے نت نئے مناظر سامنے آجاتے ہیں۔مستنصر مناظر کو متحرک دکھا کر قاری کو شریکِ سفر بنا لیتے ہیں۔ملاحظہ ہو:

> ''قابل فہم طور پر سمیر سر ہلاتا کسی مغربی پاپ سانگ کی دھن پر سر ہلاتا اطمینان اور ٹھنڈک سے سب سے آگے جا رہا تھا جیسے چڑھائی نہ ہو ایک میدان ہو......اس کے عقب میں سلجوق تھا اور اس کی پونی ٹیل تھی ان دنوں اس کے بال کندھوں تک آتے تھے اور میمونہ کہتی بیٹا تمہیں دیکھ کر اکثر شک ہوتا ہے کہ میری ایک نہیں دو بیٹیاں ہیں......تم کہو تو کنگھی کر کے پراندہ باندھ دوں؟''......اور سلجوق اپنی عینک درست کرتا اپنی ماں کی ثقافت پسماندگی پر مایوسی سے سر ہلا کر مسکرا دیتا تھا۔عینی نے ابھی سے آنکھوں پر ایک سیاہ چشمہ چڑھا رکھا تھا تا کہ برف کی چمک ان پر اثر انداز نہ ہو اور وہ بھی اعتماد سے قدم بڑھا رہی تھی......ان کے پیچھے میمونہ جھکی ہوئی......اور شاید زندگی میں پہلی بار جھکی ہوئی کہ اس کا راجپوت خون کبھی یہ برداشت نہیں کرتا تھا کہ وہ جھکے...... تو وہ جھکی ہوئی آہستہ آہستہ پورٹرز کی مدد کیلئے بڑھے ہاتھوں کو نخوت سے پرے کرتی اوپر جا رہی تھی......اور میں،ایک فرمانبردار خاوند اور باپ کی طرح اپنے خاندان کے

پیچھے پیچھے چلنے پر مجبور......منہ کھولے، ہانپتا ہونکتا چل رہا تھا......

''یہ کیا ہے؟'' بالآخر میمونہ پوچھتی ہے۔

''یہ وہ ہے جس کی تمہیں خبر نہیں تھی''۔

''آپ نے اس منظر کو قطعی طور پر بڑھا چڑھا کر بیان نہیں کیا......''

وہ فقوری کے سیاہ گلابوں اور سرد چشموں کے شور اور ان کے پس منظر میں ابھرتی سفید کائنات جو کہ ننگا پربت ہے اپنے او پرا مڈتے بے یقینی کے عالم میں تکتی ہوئی کہتی ہے''

نہیں......آپ اتنے بڑے ادیب نہیں کہ اس......اس حیرتِ بے حساب اور بے یقین کو بیان کرسکیں''۔ ۲۷

مستنصر کے سفر ناموں کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مستنصر کے سفر نامے اپنے اسلوب، منفرد تکنیک، تخیل، رومان اور حقیقت کے حسین امتزاج کی وجہ سے شہرت کے حامل ہیں اور جدید ترین سفر ناموں میں بھی سرفہرست ہیں۔ دورِ جدید کے نامور سفر نامہ نگاروں میں مستنصر کا نام لئے بغیر جدید سفر نامہ نگاری کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی کیونکہ مستنصر فطری طور پر سیاح ہیں اور سیاحت کے ذوق اور قدرت کی صناعی پر گہری نظر نے مستنصر کے قلم سے ایسی تصویر کشی کرائی جس میں ان کا کوئی ثانی نہیں ۔ اسلوب نگارش کے اعتبار سے مستنصر نے اپنے سفر ناموں میں تکنیک کے نئے نئے تجربات کر کے قارئین کی تعداد میں اضافہ بھی کیا ہے اور اس سے ان کی تحریریں پر تاثیر ہوگئی ہیں کہ قاری سفر نامہ پڑھتے ہوئے بے شمار اصناف کا مزہ بھی چکھ لیتا ہے۔ ان کے سفر نامے ایک نئے تجربے کی حیثیت سے مشہور ہوئے کیونکہ انہوں نے سفر نامے کو ایک نیا لہجہ، نئی تکنیک اور ایک نیا اسلوب دیا ہے۔

مستنصر کے افسانوی، ڈرامائی اور داستانوی انداز نے سفر نامے کو دلچسپ اور عام فہم بنا کر پیش کیا ہے۔ وہ واقعات کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ انسانی جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کے الفاظ سے ہر قاری کو اپنے جذبات و محسوسات کی خوشبو آنے لگتی ہے ۔ یہی اندازِ تحریر مستنصر کی شہرت کا باعث ہے۔

مستنصر کے اندرون ملک لکھے گئے سفر ناموں میں وطن او راہل وطن سے ہمدردی اور محبت کا جذبہ عیاں ہے وہ اس تہذیب کے پروردہ اور اس معاشرت کے شاید ہیں اس لئے انہیں جذبات نگاری اور تہذیب و ثقافت کے ہر پہلو پر دسترس حاصل ہے۔ اگر چہ ان کے بیرون از ملک سفر ناموں میں دلچسپی کا عنصر زیادہ نمایاں ہے۔

بیرون ممالک سفر ناموں میں یورپ، عرب اور ہندوستان نمایاں ہیں ۔ عرب کے سفر نامے ایک مذہبی فریضے کی ادائیگی کے سلسلے میں ہیں اس لئے مستنصر کا اندازِ بیان تقدس لئے ہوئے ہے۔ ہندوستان پر لکھے گئے سفر نامے

دراصل مٹتی ہوئی تہذیب کا نوحہ ہے۔وہ یہاں کی تاریخ، تہذیب اور ثقافت کو اپنے دل کے قریب پاتے ہیں۔اس لئے خوبی سے بیان کرنے پر قادر ہیں جبکہ یورپ کے سفرناموں میں ایک ذہنی کشادگی کا احساس ملتا ہے۔وہ باہر کی نئی ثقافت اور نئی تہذیبوں اور معاشرتوں کو نہ صرف تلاش کرتے ہیں بلکہ یہاں فنکار کی دلچسپی قاری کی دلچسپی کو دوگنا کر دیتی ہے۔ان سفرناموں میں تفکر کا پہلو بھی نمایاں ہے اور اپنی معاشرت سے موازنہ بھی۔مستنصر نے ان سفرناموں میں نہ صرف ذہنی کشادگی وسعتِ نظر اور وارداتِ قلبی کو بیان کیا ہے بلکہ بے باکی سے جنس کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے۔

وہ فطرت کے حسین مناظر سے متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ نسوانی حسن کی رعنائیوں سے بھی خوب تحریروں کو مزین کرتے ہیں کہ قاری سفرنامے کو بھول کر وجودِ زن پر توجہ دیتے ہوئے جنس کے شجرِ ممنوعہ سے حظ اٹھانے لگتا ہے لیکن ان سفرناموں میں بھی مستنصر نے سفرنامے کے لوازمات کو مدنظر رکھتے ہوئے رسم و رواج، روایات، معاشرت کی عکاسی، تہذیب و تمدن اور رہن سہن کا بیان بڑے فنکارانہ انداز میں کیا ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ مستنصر کے ان سفرناموں میں جنس نگاری کا عنصر اس لئے نمایاں نظر آتا ہے کہ جنس مغرب کی تہذیب کا خاصا ہے اور تہذیب و روایات کی عکاسی سفرنامے کا لوازم ہے۔مستنصر کے سفرناموں کی تعداد جوں جوں بڑھتی گئی ان میں سنجیدگی کا عنصر بھی بڑھتا گیا اور یوں وہ رفتہ رفتہ اپنے سفرناموں میں جنس نگاری کو اعلیٰ حقائق کے پس پردہ پیش کرنے لگے لیکن سفرنامہ نگاری میں مستنصر اسی لئے کامیاب نظر آتے ہیں کہ سفرنامہ لکھتے ہوئے وہ اپنا ہاتھ قاری کی نبض پر رکھتے ہوئے اس کے ذہن کی نفسیات کو پڑھ کر آگے بڑھتے ہیں اور چلبلاہٹ، شوخی، شرارت، جملے بازی سے وہ قاری کے ہمدرد اور غمگسار بن جاتے ہیں جس سے قاری ان کی گرفت سے باہر نہیں جاتا اور وہ اپنے ذاتی واقعات کو قاری کے جذبات سے منسلک کر کے اس کی ہمدردیاں حاصل کر کے داد وصول کرتے ہیں۔

ذوالفقار علی احسن مستنصر کے سفرناموں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مستنصر کے سفرناموں میں تخیل، افسانویت اور زبان کی چاشنی درجہ کمال پر ہے۔یہ رنگ ان کی پوری سفرنامہ نگاری پر حاوی نظر آتا ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ مستنصر کی سفرنامہ نگاری شوخ رنگوں کی دلکش تصویر ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ان کی دھنک رنگ تحریر جب افسانوی انداز اختیار کرتی ہے تو عبارت دوآتشہ ہو جاتی ہے اور قاری اسے مزے لے لے کر پڑھتا ہے۔اگرچہ بعض مقامات پر افسانوی رنگ سفرنامے پر غالب آجاتا ہے اس سلسلے میں مستنصر جنس کا سہارا لیتے ہیں اور یہ رنگ بعض مقامات پر تو بہت گہرا ہو جاتا ہے جب وہ کوئی خوبرو چہرہ دیکھتے ہیں تو بعض اوقات ہوش و خرد کی دہلیز پار کر

جاتے ہیں اور پھر دور خلاؤں میں کھو کر اس پیکرِ حسن کے تخیل میں کھو جاتے ہیں......وہ اپنی زندگی کے واقعات میں لفظوں کے رنگوں سے دلکشی پیدا کرتے ہیں ایسے تمام مقامات پر قاری کا تجسّس بڑھ جاتا ہے۔ان کا اسلوب بھی مزید ارنگین نو دلآویز ہو جاتا ہے۔وہ ہر بار نئے انداز سے جلوہ گر ہوتے ہیں کہ ان کے بیان کی دلنشینی قاری کو اپنی طرف کھینچتی ہے"۔ ۱۸؎

مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو مستنصر کے سفر ناموں کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کا قلم محض چٹخارے ہی نہیں لیتا بلکہ وہ ہر معاشرے کی تصویر کشی میں اپنی مثال آپ ہے ان کے اس انداز کو اپنانے کی کوشش ان کے ہم عصروں نے بھی کی ہے جیسے عطاء الحق قاسمی اور اے حمید جن کا تذکرہ گزشتہ باب میں کیا جا چکا ہے لیکن مستنصر کی پیروی کرنے والے بھی ان کے اس جدید طرز کو اپنانے میں پوری طرح کامیاب نظر نہیں آتے جس طرح کامیابی سے مستنصر ہیئتی و تکنیکی جدت سے معاشرے کے چہرے سے رنگین نقاب اتار کر اس کا بھیانک چہرہ سامنے لاتے ہیں۔

مستنصر کے سفر ناموں میں جمالیاتی حِس اور زندہ دلی کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔وہ حقائق کو بھی نہیں چھپاتے اور موت جیسی تلخ حقیقت کو بھی یاد کرتے رہتے ہیں جیسا کہ "یاک سرائے" میں موت ہر وقت ان کو پیچھا کرتی نظر آتی ہے۔یہی ایک حقیقی سیاح کی پہچان ہوتی ہے کہ وہ صرف حسن کی ترنگ میں نہیں بہہ جاتا بلکہ دنیا کی حقیقتیں بھی اس کے سامنے ہر وقت سلام کرتی رہتی ہیں جن کا اثر تارڑ کے سفر ناموں میں جگہ جگہ ملتا ہے وہ مناظر اور واقعات کو بڑے فنکارانہ انداز میں جزئیات کے ساتھ ایسے بیان کرتے ہیں کہ انسانی جذبات کی آئینہ داری ان کے اسلوب کا خاصا بن جاتی ہے جو انہیں ہم عصر ادباء میں منفرد مقام عطا کرتی ہے۔

مستنصر کے سفر ناموں میں جدید تکنیک کے حوالے سے راقمہ الحروف کی جانب سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں مستنصر یوں رقمطراز ہیں:

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''سفر نامہ کیا ہے''مشمولہ، اوراق جنوری، فروری ۱۹۷۸ء ص ۲۷
۲۔ ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر''سفر، سفر نامہ اور فرصیت نگاہ''مشمولہ سے سہ ماہی عطاء ۲۰۱۲ء ص ۶۰
۳۔ خالد محمود، ڈاکٹر، اردو سفر ناموں کا تنقیدی مطالعہ، ص ۔۲۹
۴۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب میں سفر نامہ، ص ۔۴۷
۵۔ رشید امجد، ڈاکٹر، سیاہ ''آنکھ میں تصویر''مشمولہ، عالمی فروغ اردو ادب ایوارڈ ۲۰۰۳ء
۶۔ مستنصر حسین تارڑ، سفر شمال کے، ص ۔۹
۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ادب اور کلچر ص ۔۲۵۶۔۲۵۸
۸۔ مستنصر حسین تارڑ، خانہ بدوش ص ۔۲۵۲، ۲۵۳
۹۔ ذوالفقار علی احسن، اردو سفر نامے میں جنس نگاری کا رجحان (۱۹۴۷ء کے بعد) ص ۲۴۳
۱۰۔ فضل الرحمٰن، ادھ کھایا امرود ص ۔۱۰
۱۱۔ ذوالفقار علی احسن، اردو سفر نامے میں جنس نگاری کا رجحان (۱۹۴۷ء) کے بعد ص ۔۲۱۱، ۲۱۲
۱۲۔ وحید الرحمٰن، ڈاکٹر، ''منہ وَل کعبہ شریف''مشمولہ قومی زبان دسمبر ۲۰۱۲ ص ۔۲۱
۱۳۔ اشفاق احمد، ''مستنصر حسین تارڑ کا پکھیرو''مشمولہ۔ عالمی فروغ اردو ادب ایوارڈ
۱۴۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب میں سفر نامہ نگاری ص ۳۵۷، ۳۵۸
۱۵۔ جمیل احمد انجم، پروفیسر، اردو ادب بیسویں صدی میں، ص ۔۳۲۲
۱۶۔ مستنصر حسین تارڑ، پتلی پیکنگ کی، ص ۴۲
۱۷۔ مستنصر حسین تارڑ، یاک سرائے، ص ۔۵۰

۱۸۔ ذوالفقار علی احسن، اردو سفرنامے میں جنس نگاری کا رجحان، ص۔۲۲۸

بنیادی مآخذ

مصنف	کتاب	ناشر	سن اشاعت
مستنصر حسین تارڑ	الاسکا ہائی وے	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۲۰۱۱ء
	اُندلس میں اجنبی	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۷۵ء
	برفیلی بلندیاں	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۲۰۰۴ء
	پتلی پیکنگ کی	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۲۰۰۰ء
	چترال داستان	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۹۴ء
	خانہ بدوش	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۷۸ء
	دیوسائی	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۲۰۰۲ء
	رتی گلی	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۲۰۰۶ء
	سفر شمال کے	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۸۷ء
	سنولیک	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۲۰۰۰ء
	سنہری اُلو کا شہر	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۲۰۰۱ء
	شمشال بے مثال	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۲۰۰۰ء
	غارِ حرا میں ایک رات	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۲۰۰۴ء
	کے ٹو کہانی	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۹۳ء
	ماسکو کی سفید راتیں	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۲۰۰۸ء
	منہ ول کعبے شریف	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۲۰۰۴ء
	نانگا پربت	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۹۱ء

کتاب	ناشر	سن اشاعت
نکلے تیری تلاش میں	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۷۱ء
نیپال نگری	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۹۸ء
نیویارک کے سو رنگ	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۲۰۰۹ء
ہنزہ داستان	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۸۵ء
ہیلو ہالینڈ	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۲۰۱۱ء
یاک سرائے	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۹۷ء

ثانوی مآخذ

مصنف	کتاب	ناشر	سن اشاعت
آفتاب عالم صدیقی (ڈاکٹر)	محمد حسن عسکری (ذاتی خطوط کے آئینے میں)	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۹۴ء
	شبلی ایک دبستان	مکتبہ عارفین، ڈھاکہ	۱۹۵۷ء
	فیض ـ شخص اور شاعر	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۸۴ء
	ہزار داستان	نیا آرٹ پریس پشاور	۱۹۸۸ء
آل احمد سرور	ادب اور نظریہ	ادارہ فروغ اردو لکھنؤ	۱۹۵۶ء
	تنقیدی اشارے	اردو مرکز لاہور	۲۰۰۴ء
	نظر اور نظرے	اردو اکیڈمی، کراچی	۱۹۸۷ء
ابن انشاء	آوارہ گرد کی ڈائری	مکتبہ دانیال کراچی	۱۹۷۴ء
	چلتے ہو تو چین کو چلیے	مکتبہ دانیال کراچی	۱۹۶۷ء
	دنیا گول ہے	لاہور اکادمی، لاہور	۱۹۷۴ء
ابوالخیر کشفی (ڈاکٹر)	ہمارے عہد کا ادب اور ادیب	قمر کتاب گھر، کراچی	۱۹۷۱ء
ابواللیث صدیقی (ڈاکٹر)	آج کا اردو ادب	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ	۱۹۸۶ء
	تجربے اور روایات	اردو مرکز، لاہور	۱۹۶۷ء
ابو محمد سحر (ڈاکٹر)	غالبیات اور ہم	نئی دہلی تخلیق کار	۱۹۹۴ء
اجمل نیازی (ڈاکٹر)	مندر میں محراب	پولیمر پبلی کیشنز لاہور	۱۹۸۷ء
احتشام حسین سید	افکار و مسائل	نعیم بک ڈپو، لکھنؤ	۱۹۶۳ء
	تنقید اور عملی تنقید	آزاد کتاب گھر، دہلی	۱۹۵۲ء
	تنقیدی نظریات	ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ	۱۹۶۱ء

	اردو ادب میں سفرنامہ	مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور	۱۹۸۷ء
	برسبیل تذکرہ	مقبول اکیڈمی لاہور	۱۹۹۰ء
	پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ	اکادمی ادبیات، پاکستان	۱۹۹۲ء
	فکروخیال	مکتبہ اردو زبان، سرگودھا	۱۹۹۱ء
انیس ناگی	غالب پریشان	مکتبہ جمالیات لاہور	۱۹۹۳ء
انیس ناگی	نذیر احمد کی ناول نگاری	مکتبہ جمالیات لاہور	۱۹۸۱ء
ایوب صابر (پروفیسر)	ہزارداستان	بزم اہل قلم ایبٹ آباد	۱۹۸۹ء
اے حمید	امریکہ نو	سنگ میل لاہور	۲۰۰۳ء
بشریٰ رحمٰن	براہِ راست	ادارہ وطن دوست لاہور	۱۹۸۳ء
پطرس بخاری	سفرلندن	نقوش پطرس نمبر۔لاہور	۱۹۸۰ء
تاج سعید	جہانِ فراق (مرتبہ)	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۹۱ء
تاج محمد لنگا	چین ہے تو چین میں	ارتقاء پبلی کیشنز لاہور	۱۹۶۶ء
جابر علی سید	تنقید اور لبرازم	کارواں ادب۔ملتان	۱۹۸۲ء
	تنقید اور تحقیق	کارواں ادب۔ملتان	۱۹۸۷ء
جمیل الدین عالی	تماشا میرے آگے	غلام علی اینڈ سنز لاہور	۱۹۷۵ء
	دُنیا میرے آگے	غلام علی اینڈ سنز لاہور	۱۹۷۵ء
جمیل جالبی (ڈاکٹر)	ارسطو سے ایلیٹ تک	نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد	۱۹۷۶ء
	پاکستانی کلچر	نیومجاز پریس کراچی	۱۹۹۷ء
	تاریخ ادب اردو	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۷۵ء
	معاصرِ ادب	سنگ میلی پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۹۱ء
جمیل زبیری	دھوپ کنارا	بیلا پبلی کیشنز کراچی	۱۹۸۱ء
جیلانی کامران	نئی تنقید کا پس منظر	مکتبہ ادب جدید لاہور	۱۹۶۴ء
	نئی تنقید	مکتبہ عالیہ۔لاہور	۱۹۸۶ء
حامد بیگ (ڈاکٹر)	اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ	مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد	۱۹۸۷ء
حامد حسن قادری	تاریخ وتنقید	لکشمی نرائن اگروال پبلشرز، آگرہ	۱۹۴۷ء
	تاریخ وتنقید ادبیاتِ اُردو	لکشمی نرائن اگروال پبلشرز، آگرہ	۱۹۴۷ء
	تاریخ مرثیہ گوئی	اردو اکیڈمی سندھ۔کراچی	۱۹۶۴ء
	داستانِ تاریخ اردو	اردو اکیڈمی سندھ کراچی	۱۹۸۸ء

حامد کاشمیری	اکتشافی تنقید کی شعریات	کمپیوٹر سٹی، راج باغ سری نگر کشمیر	۱۹۹۱ء
	معاصر اردو تنقید	ادارہ ادب شالیمار۔ کشمیر	۱۹۹۲ء
حسرت کاسگنجوی	بیسویں صدی کا اردو ادب	اردو اکیڈمی۔ کراچی	۱۹۸۸ء
حسن اختر ملک (ڈاکٹر)	تاریخ ادب اردو	یونیورسٹی بک ایجنسی لاہور	۱۹۷۹ء
	تنقید اور تحقیقی جائزے	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۸۳ء
	تنقیدی نظریے	جدید بک ڈپو لاہور	۱۹۶۴ء
حسن عسکری (ڈاکٹر)	انسان اور آدمی	مکتبہ جدید۔ لاہور	۱۹۵۳ء
	جھلکیاں	مکتبہ روایت۔ لاہور	۱۹۸۱ء
	ستارہ یا بادبان	مکتبہ سات رنگ۔ کراچی	۱۹۶۳ء
	مجموعہ حسن عسکری	سنگ میل پبلی کیشنز۔ لاہور	۱۹۹۰ء
	وقت کی راگنی	مکتبہ محراب، لاہور	س۔ن
حسن (ڈاکٹر محمد)	جدید اردو ادب	ظفر اکیڈمی۔ کراچی	۱۹۹۳ء
حسین جعفری (سید)	پاکستانی معاشرہ اور ادب (مرتبہ)	پاکستان سٹڈیز سنٹر، کراچی	۱۹۹۷ء
حق نواز (پروفیسر)	اردو ادب بیسویں صدی میں	مقبول اکیڈمی لاہور	۱۹۸۸ء
خاطر غزنوی	جدید اردو ادب	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور	۱۹۷۵ء
خالد احمد	جدید پاکستانی ادب	مکتبہ بیاض لاہور	۱۹۶۷ء
خالد محمود (ڈاکٹر)	اردو سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ	لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی	۱۹۹۵ء
خالدہ حسین	پاکستانی ادب (مرتبہ)	اکادمی ادبیات، پاکستان	۱۹۹۳ء
رام بابو سکسینہ	تاریخ ادب اردو	راج کماریہ پریس لکھنؤ	۱۹۸۲ء
رام لعل	خواب خواب سفر	شانتی پرکاش لکھنؤ	۱۹۸۳ء
رشید امجد کوریجہ	اردو ادب بیسویں صدی میں	علمی کتب خانہ، لاہور	۱۹۹۰ء
رشید امجد	نیا ادب	تعمیر ملت منڈی بہاؤالدین	۱۹۶۹ء
	پاکستانی ادب (پانچ جلدیں)	اکادمی ادبیات، اسلام آباد	۱۹۸۶ء
	رویے اور شناختیں	مقبول اکیڈمی لاہور	۱۹۸۸ء
رضا کاظمی	جدید اردو ادب	مکتبہ ادب کراچی	۱۹۸۱ء
رفیع الدین ہاشمی	اصنافِ ادب	سنگِ میل لاہور	۱۹۹۰ء
زاہد حسین انجم (مرتب)	بیسویں صدی ایک نظر میں	خزینۂ علم و ادب لاہور	۲۰۰۱ء
	ہمارے اہل قلم	ملک بک ڈپو لاہور	۱۹۸۸ء

مصنف	کتاب	ناشر	سال
زبیر رانا	عشق کا مارکسی تصور	ری پبلکن بکس، لاہور	۱۹۸۹ء
سبط حسن	ماضی کے مزار	مکتبۂ دانیال کراچی	۱۹۸۷ء
سجاد باقر رضوی	تہذیب و تخلیق	مکتبہ ادب جدید لاہور	۱۹۶۶ء
	مغرب کے تنقیدی پھول	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد	س۔ن
سجاد ظہیر	روشنائی	مکتبہ اردو لاہور	۱۹۵۶ء
سراج منیر	کہانی کے رنگ	جنگ پبلشرز لاہور	۱۹۹۱ء
سردار مسیح گل	تنقیدی ادب	نذر سنز لاہور	۱۹۶۴ء
سعد اللہ کلیم (ڈاکٹر)	اردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں	الوقار پبلی کیشنز لاہور	۲۰۰۵ء
سعادت حسین منٹو	منٹو باقیات	سنگ میل لاہور	۱۹۹۸ء
سلطانہ بخش (ڈاکٹر)	اردو میں اصول تحقیق (جلد اول)	ورڈ ویژن پبلشرز اسلام آباد	۱۹۸۶ء
	اردو میں اصول تحقیق (جلد دوم)	ورڈ ویژن پبلشرز اسلام آباد	۱۹۸۹ء
سلمیٰ اعوان	میرا گلگت و ہنزہ	مقبول اکیڈمی لاہور	۱۹۹۵ء
سلمیٰ شاہین (ڈاکٹر)	دل اور آنکھیں چین میں	نقاش آرٹ گرافکس پشاور	۲۰۰۳ء
سلیم اختر (ڈاکٹر)	اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۸۳ء
	افسانہ اور افسانہ نگار (تنقیدی مطالعہ)	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۹۱ء
	افسانہ حقیقت سے علامت تک	مکتبہ عالیہ، لاہور	۱۹۷۶ء
	پاکستان میں اردو ادب سال بہ سال	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۸۸ء
	تخلیق، تخلیقی شخصیات اور تنقید	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۸۹ء
	تنقیدی دبستان	مکتبہ عالیہ لاہور	۱۹۷۴ء
	عورت جنس اور جذبات	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۹۴ء
	عورت جنس کے آئینے میں	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۹۴ء
	نفسیاتی تنقید	مجلس ترقی ادب، لاہور	۱۹۹۴ء
سنبل نگار (ڈاکٹر)	اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ	دار النوادر لاہور	۲۰۰۳ء
سہیل بھٹی (محمد)	تاریخ ادب اردو	پاک ویژن پرنٹرز لاہور	۲۰۰۵ء
سہیل بخاری (ڈاکٹر)	اردو داستان	مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد	۱۹۸۷ء
	اردو ناول نگاری	مکتبہ جدید، لاہور	۱۹۶۰ء
سید احمد خان (سر)	سفرنامۂ پنجاب	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۱ء
	مسافران لندن	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۱ء

سید دربار علی شاہ	ہجرت افغانستان	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی	۱۹۷۷ء
سید عبداللہ (ڈاکٹر)	ادب و فن	مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور	۱۹۷۸ء
سید عبداللہ (ڈاکٹر)	نقد میر	مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد	۱۹۸۶ء
	اشارات تنقید	آئینہ ادب لاہور	۲۰۰۱ء
	کلچر کا مسئلہ	آئینہ ادب لاہور	۱۹۵۸ء
	وجہی سے عبدالحق تک	سنگ میل لاہور	۲۰۰۳ء
شارب ردولوی (ڈاکٹر)	تنقیدی مطالعے	نظامی پریس لکھنؤ	۱۹۸۴ء
	جدید اردو تنقید	اتر پردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ	۱۹۸۷ء
	معاصر اردو تنقید	سیما آفسٹ پریس، دہلی	۱۹۹۴ء
	اردو کے تنقیدی نظریات	اتر پردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ	۱۹۸۷ء
شان الحق حقی	فرہنگ تلفظ (جلد سوم)	مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد	۲۰۰۸ء
شائستہ اختر سہروردی	کوشش نا تمام	مکتبہ جدید لاہور	۱۹۵۰ء
شبلی نعمانی (مولانا)	موازنہ انیس و دبیر	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۴ء
شریف فاروق	اتاترک کے وطن میں	ادارہ ادبیات لاہور	۱۹۶۱ء
	دیار دوست کی طرف	ادارہ ادبیات لاہور	۱۹۸۰ء
	لنکن کے وطن میں	یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور	۱۹۹۰ء
	وفاقی جمہوریہ جرمنی	ایورگرین پریس لاہور	۱۹۶۷ء
شفیع صابر	سفرنامہ حج و زیارت	منظور عام پریس پشاور	۱۹۷۲ء
شفیق الرحمٰن	دجلہ	ماورا پبلشرز لاہور	۱۹۶۶ء
شفیق الرحمٰن	مجموعہ شفیق الرحمٰن	سنگ میل پبلیکیشنز لاہور	۲۰۰۳
شفیق انجم (ڈاکٹر)	اردو افسانہ (بیسوی صدی کی ادبی تحریکوں اور رجحانات کے تناظر میں)	یورپ اکادمی، اسلام آباد	۲۰۰۸ء
شوکت سبزواری (ڈاکٹر)	اردو زبان کا ارتقاء	پاک کتاب گھر ڈھاکہ	۱۹۵۶ء
	اردو لسانیات	مکتبہ تخلیق ادب کراچی	۱۹۶۶ء
	داستان زبانِ اردو	کل پاکستان انجمن ترقی بورڈ کراچی	۱۹۶۰ء
	معیارِ ادب	مکتبہ اسلوب، کراچی	۱۹۴۱ء
شوکت علی شاہ	اجنبی اپنے دیس میں	گورا پبلشرز لاہور	۱۹۹۶ء
	جزیرے جمال کے	خزینۂ علم و ادب لاہور	س۔ن

	سلگتے ساحل	جنگ پبلشرز لاہور	۱۹۹۲ء
	سورج آدھی رات کا	خزینۂ علم و ادب لاہور	۲۰۰۵ء
شہناز انجم (ڈاکٹر)	ادبی نثر کا ارتقاء	پروگریسو بکس لاہور	۱۹۸۹ء
صدیق سالک	تا دمِ تحریر	مکتبہ سرمد راولپنڈی	۱۹۸۷ء
طیبہ خاتون (ڈاکٹر)	اردو میں ادبی نثر کی تاریخ	طیبہ خاتون، دہلی	۱۹۸۹ء
ظہور احمد اعوان (ڈاکٹر)	امریکہ نامہ	تاج کتب خانہ پشاور	۱۹۹۳ء
	بلیک پول سے بوسٹن تک	مکتبہ عالیہ لاہور	۲۰۰۴ء
	تاریخ داستان رپورتاژ نگاری	ادارہ علم و فن پشاور	۲۰۰۵ء
	دی امریکن ڈائری	تاج کتب خانہ پشاور	۲۰۰۱ء
	دیکھ کبیرا رویا	جدون پرنٹنگ پریس پشاور	۱۹۹۲ء
	گنگا جمنا کے دیس میں	تاج پرنٹنگ پریس پشاور	۱۹۹۷ء
	مشرق کا جنیوا	ادارہ علم و فن پشاور	۲۰۰۲ء
عابد اللہ (سید)	کلچر کا مسئلہ	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور	۱۹۷۷ء
عابد علی عابد (سید)	اسلوب	سنگ میل لاہور	۲۰۰۱ء
	اصول انتقاد ادبیات	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۵ء
	تنقیدی مضامین	میری لائبریری لاہور	۱۹۶۶ء
عبادت بریلوی (ڈاکٹر)	ارضِ پاک سے دیارِ فرنگ تک	گلوب پبلشرز لاہور	۱۹۶۷ء
	ترکی میں دو سال	ادارہ ادب و تنقید لاہور	۱۹۸۶ء
	بہترین مقالات (مرتبہ)	مکتبہ اردو زبان، سرگودھا	۱۹۸۸ء
عبدالسلام	اردو ناول بیسویں صدی میں	اردو اکیڈمی، سندھ	۱۹۸۳ء
عرفان علی بیگ	سفرنامۂ حجاز	مطبوعہ لکشور لکھنؤ	۱۹۸۵ء
عطاء الحق قاسمی	خند مکرر	غالب پبلی کیشنز لاہور	۱۹۸۳ء
	دلی دور است	جہانگیر بک ڈپو لاہور	۱۹۹۵ء
	دنیا خوبصورت ہے	دعا پبلی کیشنز لاہور	۲۰۰۰ء
	شوقِ آوارگی	دعا پبلی کیشنز لاہور	۲۰۰۳ء
	گوروں کے دیس میں	کورا پبلشرز لاہور	۱۹۹۶ء
عطش درانی (ڈاکٹر)	اصناف ادب کی مختصر تاریخ	میری لائبریری لاہور	۱۹۸۲ء
	پاکستان میں اردو کے خدوخال	میری لائبریری لاہور	۱۹۹۷ء

مصنف	کتاب	ناشر	سال
علاؤالدین عدیم	سعادت دارین کے چند لمحات حرمین شریفین میں	اکیڈمی مطبوعات جلویہ	۲۰۰۳ء
علی عباس جلالپوری	جنسیاتی مطالعے	خردافروز جہلم	۱۹۹۱ء
غفور شاہ قاسم	پاکستانی ادب ۱۹۴۷ء سے تا حال	بک ٹاک لاہور	۱۹۹۵ء
فارغ بخاری	ادبیات سرحد (جلد سوم)	نیا مکتبہ پشاور	۱۹۵۵ء
	لوحِ غیر محفوظ	ادارہ علم وفن پشاور	۱۹۸۷ء
فرمان فتح پوری (ڈاکٹر)	ادبیات وشخصیات	اردو اکیڈمی کراچی	۱۹۹۸ء
	اردو افسانہ اور افسانہ نگاری	اردو اکیڈمی، سندھ کراچی	۱۹۸۲ء
	اردو نثر کا فنی جائزہ	پروگریسو بکس، لاہور	۱۹۸۹ء
	تحقیق وتنقید	ماڈرن پبلی کیشنز کراچی	۱۹۶۳ء
فضل الرحمٰن خان	ادھ کھایا امرود	مکتبہ میری لائبریری لاہور	۱۹۸۸ء
فضل حق شیدا	نیا چین	یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور	۱۹۶۵ء
قدرت اللہ شہاب	اے بنی اسرائیل	مکتبہ نقوش لاہور	۱۹۶۰ء
قدسیہ قدسی	گردِ سفر	اکادمی افکار پشاور	۱۹۸۹ء
قدسیہ قریشی (ڈاکٹر)	اردو سفرنامے انیسویں صدی میں	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	۱۹۸۷ء
قراۃ العین حیدر	جہان دیگر	مکتبہ اردو داستان لاہور	۱۹۸۲ء
کامل قریشی (پروفیسر)	تلاش وتنقید	انڈین کلچر انسٹیٹیوٹ ہاؤس	۱۹۹۳ء
کریم خان (نواب)	سیاحت نامہ	ادارۂ ادب وتنقید لاہور	۱۹۸۲ء
کشور ناہید	آجاؤ افریقہ	سنگ میل لاہور	۱۹۸۷ء
گوپی چند نارنگ (ڈاکٹر)	سفر آشنا	ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس دہلی	۱۹۶۳ء
گیان چند جین (ڈاکٹر)	تحقیق کا فن	مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد	۱۹۹۴ء
لالہ بیج ناتھ	انگلینڈ اور انڈیا	ودیا درپن پریس میرٹھ انڈیا	۱۸۹۷ء
مجنوں گورکھپوری	ادب اور زندگی	مکتبہ دانیال کراچی	۱۹۷۵ء
محمد اقبال (علامہ، ڈاکٹر)	سفرنامۂ اقبال	مکتبہ معیار کراچی	۱۹۷۵ء
محمد خان (کرنل)	بجنگ آمد	مکتبہ جدید لاہور	۱۹۶۸ء
	بسلامت روی	مکتبہ جدید لاہور	۱۹۶۵ء
محمود نظامی	نظر نامہ	گوشۂ ادب لاہور	۱۹۵۸ء
مرزا ادیب	ہمالیہ کے اُس پار	مکتبہ انجم لاہور	۱۹۸۳ء

ممتاز حسین	پاکستانی معاشرہ اور تنقید	پاکستان سٹڈیز سنٹر، کراچی	س۔ن
ممتاز مفتی	لبیک	اظہار سنز لاہور	۱۹۸۵ء
	ہند یاترا	اظہار سنز لاہور	۱۹۸۲ء
منور رؤف (پروفیسر)	تنقیدی مقالات	تاج کتب خانہ پشاور	۱۹۹۴ء
نعیم احمد (ڈاکٹر)	فرائڈ: نظریۂ تحلیل نفسی	نگارشات لاہور	۱۹۹۴ء
نعیم تقوی (ڈاکٹر)	تنقید و تجزیہ	غضنفر اکیڈمی پاکستان	۱۹۸۵ء
وزیر آغا (ڈاکٹر)	اردو ادب میں طنز و مزاح	مکتبہ عالیہ، لاہور	۱۹۹۳ء
	تنقید اور احتساب	جدید ناشرین، لاہور	۱۹۶۸ء
	نئے تناظر	آئینہ ادب، لاہور	۱۹۸۱ء
	نئے مقالات	مکتبہ اردو زبان، سرگودھا	۱۹۷۲ء
وقار عظیم (ڈاکٹر، سید)	داستان سے افسانے تک	اردو اکیڈمی، سندھ کراچی	۱۹۹۰ء
	فنِ افسانہ نگاری	اردو مرکز، لاہور	۱۹۶۱ء
یعقوب علی رازی	سفرنامہ جہان اسلام ایران	جدون پرنٹنگ پریس پشاور	۱۹۸۵ء
یعقوب علی عرفانی	مشاہداتِ عرفانی	انقلاب پریس لاہور	۱۹۲۷ء
یوسف خان کمبل پوش	عجائباتِ فرہنگ (مرقعہ تحسین فراقی)	مکہ بکس لاہور	۱۹۸۳ء
یوسف قریشی (مولانا)	امام بخاری کے دیس میں	موتمر المولفین جامعہ اشرفیہ پشاور	۱۹۹۹ء
	سفرنامۂ حجاز		۱۹۸۰ء
	سفرنامۂ ہند		۱۹۸۳ء
	طرابلس سے حجاز تک		۱۹۸۵ء
یونس بٹ (ڈاکٹر محمد)	حوائیاں	کورا پبلشرز لاہور	۱۹۹۷ء
یونس خان (ایڈووکیٹ)	جدید ادبی اور لسانی تحریکیں	دعا پبلی کیشنز لاہور	۲۰۰۳ء

مقالے

مقالہ نگار	مقالہ	ادارہ
ڈاکٹر منظور الٰہی ممتاز	اردو سفر نامے (تحقیقی و تنقیدی جائزہ) ''پی ایچ ڈی'' غیر مطبوعہ مقالہ	پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۶ء
عمران قریشی	صوبہ سرحد میں سفر نامہ نگاری (ایم فل) غیر مطبوعہ مقالہ	پشاور یونیورسٹی ۲۰۰۶ء

لائبریریاں

۱) آرکائیوز لائبریری	پشاور
۲) اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی لائبریری	اسلام آباد
۳) ذاتی لائبریری ڈاکٹر، پروفیسر روبینہ شاہین	پشاور
۴) ذاتی لائبریری مستنصر حسین تارڑ	لاہور
۵) سنٹرل لائبریری یونیورسٹی آف پشاور	پشاور
۶) شعبہ اردو لائبریری یونیورسٹی آف پشاور	پشاور
۷) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی لائبریری	اسلام آباد
۸) کالج آف ہوم اکنامکس لائبریری یونیورسٹی آف پشاور	پشاور
۹) قرطبہ لائبریری قرطبہ یونیورسٹی پشاور	پشاور

انٹرنیٹ

- www.urdupoint.com
- www.urduword.com/english/urdudictionary
- hamariweb.com/dictionaries
- pdfbooksfree.pk/category/feroz-ul-lughat-urdudictionary
- dictionary.onepakistan.com.pk
- enwikipedia.org/wiki/mustansar_hussainTarar
- bookcentrepk.wordpress.com/category/safarnama/
- www.paklinks.com/gs/culture-literature-and-linguistics/158487-safarnama.html
- www.paklinks.com/gs/world-history/590551-from-ibn-e-batoota-to-mustansar-hussain-html
- https://www.facebook.com/../mustansarhussaintarar/1406045003596.....
- www.internetpk.com/biography/mustansar-hussain-tarar.php
- expokejia.com/10/mustansar-hussain-facebook.html
- www.urdubooks.com
- www.vebidoo.com/mustansar+shahzad
- beta.dawn.com/news/746461/interview-mustansar-hussain-tarar
- www.dunyaurdu.com/catergory/daily-urdu-columns/mustansar-hussain-tarar

لغات/انسائیکلوپیڈیا

☆ جامع اردو لغات، بک کارنر شوروم جہلم۔۲۰۰۹ء

- ☆ علمی اردو لغت، علمی کتاب خانہ لاہور، ۱۹۸۰ء
- ☆ فرہنگ آصفیہ، مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ لاہور۔جلد چہارم طبع دوم ۱۹۷۴ء
- ☆ فیروز اللغات، نیا ایڈیشن فیروز سنز لاہور۔۱۹۹۵ء
- ☆ فرہنگ عامرہ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد طبع اول۔۱۹۸۹ء
- ☆ قاموس الاصطلاحات، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور۔س۔ن
- ☆ کتابستان ڈکشنری، مرکزی اردو بورڈ لاہور۔۱۹۹۵ء
- ☆ نور اللغات نیا ایڈیشن (جلد چہارم) نیشنل بک فاؤنڈیشن لاہور۔۱۹۸۵ء
- ☆ نور اللغات اردو۔جنرل پبلشنگ ہاؤس لاہور۔س۔ن

English Dictionaries

☆Oxford Dictionary of English, Oxford Press, 1926.

☆The Oxford Guide to English Language. Tokio Oxford Press,1987

☆ The New Oxford Dictionary of English Edited by "Judy Pearsell" Oxford clarendon Press 1998.

☆ Oxford English Urdu Dictionary Edited by shanul Haq Haqqee Oxford Universtiry Press 2003.

رسائل وجرائد

اسلوب	شمارہ خصوصی	کراچی	۱۹۸۳ء
انشاء	۱۰۔۹ شمارہ	کلکتہ	۲۰۰۵ء
اوراق	افسانہ نمبر	لاہور	۱۹۶۹ء
تخلیقی ادب	شمارہ ۵	اسلام آباد	۲۰۰۸ء
تخلیقی ادب	شمارہ ۸	اسلام آباد	۲۰۱۱ء
خیابان	پاکستان میں اردو ادب	پشاور	۱۹۶۵ء
خیابان	اصناف نثر نمبر	پشاور	۱۹۹۵ء
خیابان	شمارہ ۱۹	پشاور	۲۰۰۸ء
خیابان	ششماہی تحقیقی مجلّہ	پشاور	۲۰۱۰ء
روایت	بیادِ سلیم احمد	لاہور	۱۹۸۷ء
سیپ	شمارہ ۷۷ خاص نمبر	کراچی	۲۰۰۹ء
قومی زبان	شمارہ ۷	اسلام آباد	۲۰۰۸ء
معاصر	عطاء الحق قاسمی نمبر	لاہور	۲۰۰۰ء
معیار	شمارہ ۸	اسلام آباد	۲۰۱۲ء
مکالمہ	شمارہ ۱۹	کراچی	۲۰۱۱ء
نقوش	پطرس بخاری نمبر	لاہور	۱۹۵۹ء
نقوش	طنز و مزاح نمبر	لاہور	۷۱۹۵۹ء
نقوش	سالنامہ	لاہور	۱۹۶۶ء
نقوش غالب نمبر	لاہور	لاہور	۱۹۶۹ء
نقوش	خاص نمبر	لاہور	۱۹۷۷ء
نگار	اصناف ادب نمبر	کراچی	۱۹۶۶ء
نگار	مسائل ادب نمبر	علی گڑھ	۱۹۶۸ء

اردو اخبارات

۱) اوصاف — راولپنڈی — ۱۴ جون ۲۰۰۴ء

۲) جنگ سنڈے میگزین لاہور ۱۲۴ پریل ۲۰۰۵ء

۳) روزنامہ سیاست لاہور ۳۱ مئی ۲۰۰۵ء

۴) سنڈے پاکستان لاہور ۷ مارچ ۱۹۹۹ء

English Newspapers

1) Dawn News 2nd September 2012

2) Saturday, December 24 1988

3) The Khaleej Times Features Plus.

4) The News 8th, July 2001.

ضمیمے

ضمیمہ

کوائف

نام: مستنصر حسین تارڑ
تاریخ پیدائش: یکم مارچ 1939ء (64 برس)
پتہ: 22-بے گلبرگ-III لاہور

تصانیف:

1- نکلے تری تلاش میں (سفرنامہ)
2- خانہ بدوش (سفرنامہ)
3- اندلس میں اجنبی (سفرنامہ)
4- جنزہ داستان (سفرنامہ)
5- سفر شمال کے (سفرنامہ)
6- نانگا پربت (سفرنامہ)
7- K2 کہانی (سفرنامہ)
8- یاک سرائے (سفرنامہ)
9- شمشال بے مثال (سفرنامہ)
10- دیوسائی (سفرنامہ)
11- نیپال نگری (سفرنامہ)
12- دیس ہوئے پردیس (ناول)
13- پیار کا پہلا شہر (ناول)
14- پرندے
15- بہاؤ (ناول)
16- راکھ (ناول)
17- قربتِ مرگ میں محبت (ناول)
18- جپسی (ناول)
19- پکھیرو (ناول)
20- کارواں سرائے
21- ہزاروں ہیں شکوے
22- پرواز (ڈرامہ)
23- سورت (ڈرامہ)
24- کیلاش (ڈرامہ)
25- گزارہ نہیں ہوتا (طنز و مزاح)
26- چک چک (طنز و مزاح)
27- الو ہمارے بھائی ہیں (طنز و مزاح)
28- سنو لیک
29- شہپر (ڈرامہ)
30- ہزاروں راستے (ڈرامہ)
31- سیاہ آنکھ میں تصویر (کہانیاں)
32- سورج کے ساتھ ساتھ (ڈرامہ)
33- شتر مرغ ریاست
34- قلعہ جنگی (ناول)
35- فاختہ (ناول)

''نانگا پربت'' پر اکادمی ادبیات پاکستان کی جانب سے قومی ادبی انعام کے سلسلے کا 1411ھ کے لئے بہترین ادبی کتاب کا بابائے اردو ''ڈاکٹر مولوی عبدالحق ایوارڈ'' دیا گیا-

ناول ''راکھ'' پر ''وزیراعظم ادبی انعام'' برائے سال 1998 پر اکادمی ادبیات پاکستان کی جانب سے ایک لاکھ روپے کا انعام ملا-
1992ء میں حکومت پاکستان کی جانب سے پرائڈ آف پرفارمنس دیا گیا-